فہرست مضامین

فرانس کے زندہ جاوید شاعر۔ ناولسٹ اور ڈراما نویس وکٹر ہوگیو کا نام محتاجِ تعارف نہیں۔ "بدنصیب" اسی کے ایک بے حد دلچسپ اور مقبول ہر خاص و عام ناول "لے مزرا بلس" کے خلاصہ کا اُردو ترجمہ ہے۔ بعض مشہور و مستند فرانسیسی ادیبوں کی رائے ہے۔ کہ اس کے مقابلہ کا دُوسرا ناول دُنیا کی کسی زبان میں موجود نہیں۔ مختلف یورپین زبانوں میں اِس کے ہزارہا ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اور سرزمین فرانس میں تو یہ کتاب اِس قدر ہردلعزیز ہے۔ کہ بازار میں

اس کے ۴ر سے لے کر پچاس روپے تک کے ایڈیشن دستیاب ہو سکتے ہیں + مُصنّف نے اِس غیرفانی کتاب کو تین سال کی دماغ سوزی کے بعد ترتیب دیا تھا +

نیازمند مترجم کو امید ہے کہ اُردو خواں حضرات بھی اسے اسی قدردانی کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ جس کا یہ مستحق ہے +

ترجمہ نہایت محنت اور جانفشانی سے تیار کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس میں بعض جگہ چند الفاظ کی کمی یا زیادتی کردی گئی ہے۔ مگر اس سے نفس مضمون میں ذرا بھی فرق نہیں آتا اور یہ امر ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے کہ ترجمہ میں اصل کی خوبیاں برقرار رہیں +

احقر
رام سروپ کوشل

پہلا باب

قابلِ تقلید زندگی

١٨١٥ء کا ذکر ہے۔ فرانس کے ڈی شہر میں مریل
سب سے بڑے پادری تھے + ان کا مکان شاہی محل کی مانند
عظیم الشان اور خوشنما تھا + ان کے وہاں آنے سے پیشتر
یہ مکان بطور ہسپتال استعمال ہوتا تھا۔ لیکن مریل نے مریضوں

کے لئے پہلے پادری کا مکان ٹھیک کروادیا۔ اور خود اس مکان میں رہنے لگے ۔

ایک بہن کے سوا مریل کا اور کوئی نہ تھا۔ فرانسیسی انقلاب میں سب کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ اُن کی بہن بپٹسٹن نہایت شریف اور نیک خاتون تھی۔ وہ اپنے بھائی کو بے انتہا چاہتی ہی نہ تھی۔ بلکہ اُستاد کی طرح اُس سے دلی عقیدت بھی رکھتی تھی۔ مریل کے پاس زمین جائداد کچھ نہ تھی۔ اُنہیں سرکار سے پندرہ ہزار فرینک سالانہ مل جاتے تھے۔ اُن کی بیوہ بہن کے پاس کچھ سرکاری تمسکات تھے۔ جن سے پانسو فرینک سالانہ کی اَور آمدنی ہو جاتی تھی۔ مریل کو جو تنخواہ ملتی تھی وہ مندرجہ ذیل طریق سے خرچ ہو جاتی تھی۔ پادری کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی فہرست یہ ہے:۔

"میری آمدنی اور خرچ کا حساب"

مقامی سکول کے چلانے میں خرچ۔	۱۵۰۰	فرینک
مقامی مشن " " "	۱۰۰	"
بیرونی " " "	۳۰۰	"
پیلسٹائن کے گرجا گھر پر۔	۳۰۰	"

متفرق خیراتی کام۔	۱۰۰ فرینک
جیل خانوں کی اصلاح کے لئے۔	۵۰۰ "
قیدیوں کے لئے	۵۰۰ "
مقروض اور صاحب اولاد قیدیوں کو رہائی دلانے میں۔	۱۰۰ "
مقامی سکول کے قلیل تنخواہ پانے والے اُستادوں کی مدد کے لئے۔	۲۰۰ "
قحط زدہ لوگوں کے لئے غلّہ خریدنے پر۔	۱۰۰ "
مقامی لڑکیوں کے سکول کے لئے۔	۱۵۰۰ "
غریبوں کو خیرات۔	۵۰۰۰ "
گھر کے اخراجات	۱۰۰۰ "
میزان۔	۱۵۰۰۰ "

جب تک پادری مریل صاحب ڈی شہر میں کام کرتے رہے۔ مندرجہ بالا اخراجات میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ میڈیم بپٹسٹن بھی بڑی خوشی کے ساتھ اپنے بھائی کو اس کار خیر میں حتی الوسع مدد دیتی رہی + پادری صاحب ایک ہزار فرینک اپنی تنخواہ سے اور

پانچ سو فرینک بہن کے سرکاری تمسکات کے سود سے اپنے اخراجات کے لئے رکھ لیا کرتے تھے + اس ڈیڑھ ہزار فرینک سے بھائی بہن کی سیدھی سادی اور نمود و نمایش سے مبرّا زندگی بآرام آزادانہ طور پر بسر ہوتی تھی ⁂

ہر پادری کے ماتحت کئی کئی گاؤں ہوا کرتے تھے اور اُن کے گرجا گھروں کی نگرانی کا کام انہی کے ذمہ ہوتا تھا۔ چنانچہ اس فرض کو سرانجام دینے کے لئے سب پادریوں کو گاڑی گھوڑا رکھنا پڑتا تھا + لیکن ڈی شہر میں آکر مریل صاحب نے گاڑی گھوڑا رکھنا غیر ضروری سمجھا اور اُنہیں فروخت کر ڈالا + جو رقم وصول ہوئی۔ اُسے مستحق محتاجوں میں تقسیم کر دیا۔ مگر اس سے اُن کے دورے یا نگرانی کے کام میں کسی طرح کا خلل واقع نہیں ہُوا۔ آس پاس کے دیہات میں تو وہ پا پیادہ ہی چلے جاتے۔ دُور دراز مقامات میں جانے کے لئے ایک ٹٹّو رکھ لیا تھا ⁂

ایک روز کا ذکر ہے کہ پادری صاحب کو دور ایک قصبہ کے گرجا گھر کا معائنہ کرنے جانا تھا۔ چونکہ اُن کا ٹٹّو بیمار تھا۔ اُنہوں نے کرایہ پر ایک گدھا لے لیا۔ اور

اس پر سوار ہو کر اُس قصبہ میں جا پُہنچے۔ پادری صاحب کے
استقبال کے لئے اس شہر کے میئر (صدر میونسپل کمیٹی)
اور دوسرے معزز لوگ جمع تھے۔ پادری صاحب کی اس
عجیب و غریب سواری کو دیکھ کر وہ سب انگشت بدندان رہ
گئے۔ پادری صاحب کو بھی اپنی حالت کا احساس ہوتے
دیر نہیں لگی۔ انہوں نے میئر اور دوسرے حاضرین کو مخاطب
کرکے فرمایا:۔ حضرت! آپ لوگ اس قدر حیران کیوں ہوتے
ہیں؟ جس سواری پر ایک روز ہمارے نجات دہندہ چڑھے
تھے۔ اُس پر مجھ ایسے حقیر شخص کا سوار ہونا بلاشبہ ان سے
برابری کرنا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس وقت میں نے اُن کی
ہمسری کا دعوےٰ کرنے کی غرض سے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ
محض اپنے فرض کو سرانجام دینے کے لئے مجھے اِس
سواری کی امداد لینی پڑی ہے۔

پادری مریل کا دروازہ ہر شخص کے لئے اور بالخصوص
مصیبت زدہ اور بے پناہ لوگوں کے لئے ہر وقت کُھلا رہتا
تھا۔ تکلیف زدہ کی خدمت اور نماز جنازہ ادا کرنے کو پادری
صاحب آدھی آدھی رات کے وقت بھی تیار ملتے تھے۔ اُن

کی زندگی کے علمی و عملی دونو پہلو نہایت مکمّل تھے + دنیوی مُفلسی کو اُنھوں نے بخوشی اپنے لئے قبول کر لیا تھا۔ مگر اُن کی اس مُفلسی میں تکلیف یا رنج کی کوئی جھلک موجود نہ تھی + ان کی زندگی ایک بہشتی زندگی تھی۔ بے لوث اور خوشی سے لبریز +

عالم ضعیفی میں نیند کم آتی ہے + پادری صاحب بھی کم سوتے تھے مگر جتنی دیر بھی سوتے۔ خوب گہری اور آرام کی نیند سوتے تھے + وہ علی الصبح اُٹھ کر اپنے روزانہ فرائض سے فارغ ہوکر ایک گھنٹہ تنہائی میں خدا کی عبادت کیا کرتے + اس کے بعد گرجا گھر میں عقیدت مند لوگوں کے ساتھ مذہبی معاملات کے متعلق گفتگو کرتے۔ عبادت کے بعد دودھ کے ساتھ ایک ٹکڑا روٹی کھاتے۔ یہی اُن کا صُبح کا ناشتہ تھا + کھانا کھانے کے بعد بعض اوقات کُدال لے کر زمین کھودتے اور کبھی مکان ہی پر کچھ لکھتے پڑھتے رہتے + اُنھوں نے ان دو قسم کے کاموں کو ایک ہی نام سے موسوم کیا تھا۔ اُن کا قول تھا کہ" انسان کا دِل ایک خوشنما باغیچہ ہے" + پادری صاحب کے حکم سے اُن کے مکان کے تمام

دروازوں اور دریچوں کے قفل کُھلے رہتے تھے ۔ اُنکی بہن بیٹپسٹن اور خادمہ اس حکم سے پہلے تو بہت ڈری تھیں۔ مگر بعد میں جب دیکھا۔ کہ خوف کی کوئی بات نہیں۔ تو اس طرف سے بے فکر رہنے لگیں ۔ پادری صاحب اُنہیں سمجھایا کرتے۔ "جس طرح حکیم کا دروازہ کبھی بند نہیں ہونا چاہئے اُسی طرح پادری کا دروازہ بھی ہمیشہ کُھلا رہنا چاہئے"۔

اس طرح عبادت و بندگی سے۔ نصیحت سے۔ اور تعلیم سے۔ بیمار اور مصیبت زدہ کی تیمارداری اور حفاظت سے۔ مہمانوں کے استقبال اور خاطر تواضع سے۔ بے لاگ عقیدتمندی سے اور خدا کی محبت سے پیدا ہونے والی حقیقی اور لافانی خوشی سے اُس سچے زاہد پادری مریل کی زندگی معمور تھی ۔

مُسافر

۱۸۱۵ء میں ماہ اکتوبر کا آغاز تھا۔ کہ ایک روز شام
کے وقت ایک مسافر اس چھوٹے سے شہر میں وارد ہُوا۔
جس شخص نے اِس نووارد کا چہرہ دیکھا۔ مارے خوف کے
تھرّا اُٹھا۔ مُسافر کی عمر پچاس سال سے کم نہ ہوگی۔ مگر اُس
کا بدن جوانوں کی مانند لحیم شحیم اور مضبوط و توانا تھا۔ اُس
میں نوجوانوں کی سی چُستی تھی۔ اُس کے چہرہ پر عالم شباب کا
سا نور تھا۔ اس کے سر پر ایک پھٹی ہوئی چمڑے کی ٹوپی۔
ٹانگوں میں بوسیدہ ٹکسن کا پائجامہ اور بدن پر زرد رنگ
کی ایک پھٹی پُرانی قمیص تھی۔ اور چونکہ اُس کے بٹن نہیں
تھے۔ اس لئے بالوں سے بھری ہوئی چھاتی صاف نظر آتی

تھی۔ اُس نے قمیص کے اوپر ایک نیلا کوٹ پہن رکھا تھا۔ قمیص کی طرح اُس میں بھی بٹن نہ تھے۔ ہاتھ میں ایک موٹا ڈنڈا تھا۔ جس کے آگے کی طرف ایک لمبی جھولی (کچلول) لٹک رہی تھی۔ اُس کے دونوں پاؤں گردآلود اور پسینے سے بھیگ رہے تھے۔ اُس کو دیکھتے ہی معلوم ہوجاتا تھا۔ کہ چلتے چلتے بہت تھک گیا ہے۔ جس سڑک سے ہوکر وہ شخص آرہا تھا۔ شہر کی کوتوالی بھی اُسی پر واقع تھی۔ کوتوالی کے صدر دروازہ پر ایک مسلّح سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ اس شخص نے بڑے ادب سے اُس کو سلام کیا۔ پہرے دار نے سر سے پاؤں تک اسے ایک بار دیکھا پھر معلوم نہیں دبی زبان سے کیا کہتا ہُوا اندر چلا گیا۔

ذرا سی دیر میں رات پڑ گئی۔ سڑکیں سُنسان ہونے لگیں۔ جب اور کوئی چارہ نہ دیکھا۔ تو مُسافر ایک سرائے میں پہنچا۔ سرائے کا مالک کھانا پکانے میں مصروف تھا۔ مُسافر کی آہٹ پاکر اُس نے مُنہ پھیرا اور پُوچھا "آپ کیا چاہتے ہیں؟"

نو وارد "رات کا کھانا اور آرام کرنے کے لئے جگہ"۔

تھوڑی سی جگہ دے دیجئے۔ کسی طرح رات بسر کرلوں گا۔"

سرائے والے نے رُوکھے پن سے جواب دیا۔" میں تمہیں کھانے کے لئے بھی کچھ نہ دے سکوں گا۔"

نووارد چونک اُٹھا۔" وہ کیوں؟ آپ دیکھتے نہیں۔ مارے بھوک کے میری جان نکل رہی ہے۔ سارا دن چلتے چلتے گزرا ہے۔ دام دینے کے لئے بھی تیار ہوں۔ مجھے کھانے کو دیجئے۔"

سرائے والے نے کہا۔" میرے ہاں کھانے کا کچھ سامان موجود نہیں۔"

یہ جواب سُن کر نووارد خوب زور سے ہنسا۔ یہ طعنہ کی ہنسی نہیں تھی۔ انتہائی مایوسی اور بے حد تکلیف کی ہنسی تھی۔ نووارد نے کھانے کے سجے سجائے طشتوں کی طرف اشارہ کرکے سرائے والے سے کہا۔" اور وہ کیا ہے؟"

سرائے والا بولا۔" سب فروخت شدہ ہیں۔ اور تمہیں ان سب باتوں کا جواب دینے کی میں ضرورت نہیں سمجھتا۔ بولو۔ تم جاتے ہو یا نہیں؟ میں تمہیں کھانا یا ٹھہرنے کی جگہ نہیں دے سکتا۔ مجھے معلوم ہوگیا ہے۔ کہ تم کون ہو۔

سُنو گے کیا؟ تم بلجین ہو! سُن لیا کیا؟ اب چپ چاپ چلتے پھرتے نظر آؤ"۔

نو وارد ایک لمبی آہ بھر کر اُٹھا اور اپنا ڈنڈا اور جھولی لے کر سرائے کے باہر چلا گیا۔ بھوک سے نڈھال اور تکان سے چُور۔ روحانی صدمہ اور مایُوسی کے باعث زندگی سے بیزار۔ بلجین روٹی کے ایک ٹکڑے کے لئے در در پھرا۔ آخر اپنی تقدیر کو کوستا ہُوا ایک مسمار شدہ حویلی کے زینہ پر بیٹھ گیا۔ وہیں رات بسر کرنے کی سوچ رہا تھا۔ کہ اتنے میں ایک ضعیفہ کا اُدھر سے گزر ہُوا۔ وہ گرجا سے لَوٹ کر اپنے گھر کو جا رہی تھی۔ بلجین کو اس بے سروسامانی کے عالم میں دیکھ کر بولی "بھائی! تم یہاں کیا کر رہے ہو"

بلجین نے بے رُخی سے جواب دیا "آنکھیں نہیں ہیں؟ سونے کی تیاری کر رہا ہوں"؟

وہ عورت حیران ہو کر بولی "کیا کہا؟ اس سیڑھی کے پتّھر پر لیٹ کر رات کاٹو گے"؟

بلجین نے دیوانہ وار زور کا قہقہہ لگایا۔ اور کہا "اُنیس ۱۹ سال سے لکڑی کی کھٹیا پر سونے کی عادت ڈال رکھی ہے۔

اب دیکھوں گا کہ پتھر کی سیج کیسی ہوتی ہے"۔

عورت "اوہ! معلوم ہوتا ہے۔ تم فوج میں تھے"؟

بلجین "ہاں"۔

عورت "تم کسی سرائے میں کیوں نہیں چلے جاتے"؟

بلجین "پیسے نہیں ہیں"۔

بڑھیا نے بلجین کو دو پیسے دے کر کہا "دو پیسے میں تو شاید کوئی سرائے والا نہ ٹھہرائے۔ مگر دیکھو۔ کوشش کرو۔ شاید جگہ مل جائے۔ یا کوئی شخص اپنے مکان میں رات بھر قیام کرنے کے لئے جگہ دے دے"۔

بلجین نے کہا "میں اس شہر کے قریب قریب تمام مکانوں میں ہو آیا ہوں"۔

بڑھیا نے پوچھا "پھر"؟

بلجین نے جواب دیا "کتے کی طرح دھتکار دیا گیا"۔

ضعیفہ نے ہاتھ اُٹھا کر پادری مریل کے مکان کی طرف اشارہ کیا۔ اور کہا "معلوم ہوتا ہے۔ اُس مکان میں نہیں گئے"؟

بلجین نے کہا "نہیں"۔

بُڑھیا بولی۔ "تو ایک مرتبہ اُس مکان پر جاکر دیکھو"۔

بُڑھیا چلی گئی۔ بلجین اُٹھا اور آہستہ آہستہ پادری مریل کے مکان کی طرف چلا۔

پادری مریل آج شام کو سیر سے دیر میں گھر واپس آئے تھے۔ وہ اپنے کمرہ میں بیٹھے "انسانی فرائض" نام کی ایک محققانہ کتاب لکھ رہے تھے۔ خادمہ میا گلوار کو الماری سے برتن وغیرہ نکالتے دیکھا۔ تو پادری صاحب کو خیال آیا۔ رات کے کھانے کا وقت ہوگیا ہے۔ بہن میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ فوراً مسودہ ایک طرف رکھ دیا۔ اور کھانے کے کمرہ میں گئے۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ بیپٹسٹن بیٹھی انتظار کر رہی ہے۔ اور میز پر کھانے کی چیزیں چُنی ہوئی ہیں۔ جب پادری صاحب اپنی کُرسی پر بیٹھ گئے تو بیپٹسٹن بولی "بھائی جان! آپ نے کچھ سُنا بھی؟ شہر میں ایک ڈاکو آیا ہے۔ شہر کے تمام باشندے مارے خوف کے کانپ رہے ہیں"۔

پادری صاحب نے پُوچھا "تمہیں یہ خبر کیسے ملی"؟

بیپٹسٹن نے جواب دیا "شہر کے ہر ایک آدمی کی

زبان پر اُسی ڈاکو کا ذکر ہے۔ سب کہہ رہے ہیں۔ آج رات کو کوئی خوفناک حادثہ پیش آئے گا۔ بھائی! ہمارے ہاں کسی دروازہ میں بھی قفل نہیں لگتا۔ آج بھی دروازوں کا یوں کُھلا پڑا رہنا مناسب نہ ہوگا"۔

عین اِسی وقت کسی نے باہر کے دروازہ کی زنجیر کھٹکھٹائی۔

پادری صاحب نے دریافت کیا "کون ہے؟ اندر آؤ"۔

ایک زور کے دھکے سے دروازہ کُھل گیا۔ نووارد کمرہ میں داخل ہُوا۔ اُس کا چہرہ دیکھتے ہی خادمہ میا گلوار ڈر کے مارے کانپ اُٹھی۔ بپٹسٹن اسے دیکھ کر پریشانی کے عالم میں اپنے بھائی کی طرف تکنے لگی۔ پادری صاحب نے اپنی نظریں نووارد کے چہرہ پر گاڑ رکھی تھیں۔ اُس کا نام و نشان پوچھنے ہی والے تھے۔ کہ اُس نے خود اپنا حال یوں بیان کرنا شروع کر دیا:۔

"میرا نام بلجین ہے۔ جیل خانے سے چھوٹ کر آرہا ہوں۔ اُنیس ۱۹ سال قید خانہ میں رہا۔ رہا ہوئے صرف چار

ہی دن ہوئے ہیں۔ چاروں دن چلتے چلتے گذرے ہیں + میری حالت دیکھ کر شریف آدمی مجھے آرام تک کرنے کے لئے جگہ نہیں دیتے۔ دُکان دار۔ ہوٹل والے مجھے کُتے کی طرح دھتکار کر اپنے دروازے سے نکال دیتے ہیں + دام پیش کرنے پر بھی کھانے پینے کی اشیاء میرے ہاتھ نہیں بیچتے + میں ایسا خوفناک جان دار ہوں، بہت تھکا ہُوا ہوں۔ بھوک سے تڑپ رہا ہوں کیا آپ مجھے پناہ دیں گے؟"

پادری صاحب نے اُٹھ کر جھٹ ایک کُرسی انگیٹھی کے پاس رکھ دی۔ اور نووارد کو اُس پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ پھر خادمہ کو مخاطب کر کے بولے "ایک اور چھُری کانٹا میز پر سجاؤ۔ اور میری خواب گاہ کے پہلو میں جو کمرہ ہے اُس میں ایک پلنگ پر بستر بچھا دو"۔

بلجین پادری مریل کے سلوک پر ششدر رہ گیا۔ اُس کی سراسیمگی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ اپنی آنکھوں اور کانوں پر اعتبار نہ آتا تھا + وہ بھرّائی ہوئی آواز سے کہنے لگا۔ "واقعی آپ مجھے پناہ دیں گے؟ آپ کون ہیں؟ یہ کوئی

ہوٹل ہے؟"

مریل صاحب نے جواب میں فرمایا "نہیں۔ یہ ہوٹل نہیں ہے۔ میں ایک حقیر پادری ہوں۔ میں ہی اِس مکان میں رہتا ہوں"۔

اس اثنا میں خادمہ چاندی کے برتنوں میں کھانے کی اشیاء لاکر رکھ گئی۔ نووارد کی عزّت افزائی کی غرض سے کمرے میں چاندی کے شمع دان جلا کر روشنی کی گئی۔ پادری کی مہمان نوازی پر بلجین متحیّر اور از خود رفتہ ہو گیا۔

نیک اور بد

گرجا کی گھڑی نے ٹن ٹن کر کے دو بجائے۔ بلجین کی آنکھ کھُل گئی۔ بیس سال سے کاٹھ کے تخت پر سوتا آیا تھا۔ نرم نرم گدیلوں پر اُسے کس طرح نیند آتی؟ آدھی رات کے وقت ہی وہ جاگ اُٹھا۔ پورے چار گھنٹہ کی گہری نیند نے راستہ کی تکان اور کسل رفع کر کے اُسے تروتازہ کر دیا تھا۔ آنکھیں مل کر اُس نے باہر کی طرف نظر دوڑائی۔ دیکھا چاروں طرف ہُو کا عالم ہے۔ کروٹ بدل کر پھر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ تھکے ماندے اور مغموم لوگوں کو نیند تو جلد آ جاتی ہے لیکن اگر ایک دفعہ نیند اُچٹ جائے۔ تو پھر سونے کی تمام کوششیں رائیگاں

جاتی ہیں + بلجین کا بھی یہی حال ہُوا۔ پھر اُسے نیند نہ آئی۔ تفکرات نے آکر اُس کے دماغ پر قبضہ جما لیا +
فکروں کی گھٹا اُمڈ آئی۔ مگر اُن میں ایک فکر بہت زبردست تھی۔ وہ دوسرے تفکرات کو پرے ہٹانے لگی۔ اور آہستہ آہستہ اُن کی جگہ آپ لے کر اُس نے سارے دماغ پر قبضہ کر لیا + جس کمرہ میں بلجین سویا تھا۔ اُس کے ساتھ کے کمرے میں پادری صاحب بے خبر پڑے سو رہے تھے + پادری صاحب کے پلنگ کے پاس ہی الماری میں چاندی کے برتن رکھے تھے + جب میاگلوار نے اُنہیں صاف کرکے رکھا تھا۔ اُس وقت بلجین نے اُنہیں دیکھ لیا تھا + گھر میں سب لوگ اپنی اپنی جگہ پڑے سو رہے تھے + ایسا موقع دوبارہ ہاتھ آنا مشکل تھا + بلجین کا دل ڈانواں ڈول ہونے لگا۔ اسی حالت میں ایک گھنٹہ اَور گذر گیا + ٹن ٹن کرکے گھڑی نے تین بجائے۔ آنکھیں مل کر بلجین نے کمرہ میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ آہستہ آہستہ اپنے پلنگ پر اُٹھ بیٹھا۔ زیادہ جوش کے باعث اُسے یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ جاگتا ہے یا سو رہا ہے + تھوڑی

دیر وہ اسی تذبذب میں رہا۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھ کر اپنے جُوتے اُتارے اور جھولی میں رکھ لئے + اس کے بعد پھر فکر ا کروں یا نہ کروں کا سوال ! جذبات کی باہمی کشمکش ! اور ضمیر کا نیش ! گرجا کی گھڑی نے ٹن کر کے نصف گھنٹہ بجایا + اب غور و فکر کے لئے وقت نہ تھا۔ بلجین اُٹھ کھڑا ہُوا۔ چند لمحوں کے لئے رُکا۔ دیکھا۔ مکان میں چاروں طرف سناٹا ہے + بڑی احتیاط کے ساتھ بلّی کی مانند کھڑکی تک گیا۔ رات بہت اندھیری نہ تھی۔ آسمان پر ماہ کامل مُسکرا رہا تھا کبھی کبھی ابر کے بڑے بڑے ٹکڑوں سے اپنا مُنہ ڈھانپ لیتا تھا + زمین پر تاریکی اور روشنی کا عجیب سحر ڈال رہا تھا۔ اسی مدھم روشنی میں بلجین نے ایک بار پھر اِدھر اُدھر نظر ڈالی۔ پادری کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچا۔ دیکھا۔ دروازہ کھُلا پڑا ہے۔ پادری صاحب نے دروازہ بند نہ کیا تھا +

بعض اوقات قدرت بھی اپنے مبہم اشاروں سے ہمیں غور کرنے اور ہوشیار ہو جانے کا موقعہ عطا کرتی ہے۔ قریباً نصف گھنٹہ سے آسمان پر ابر سیاہ محیط تھا۔ مگر جس وقت

بلجین پادری کے پلنگ کے قریب مذبذب کھڑا تھا۔ جیسے اُس کو پادری کی شکل دکھانے کے لئے بادل چاند پر سے ہٹ گیا+ چاندنی دریچہ سے آکر پادری کے چہرہ کو روشن کرنے لگی۔ پادری صاحب عالم خواب میں تھے۔ اُن کا چہرہ صبر و شکر اور امید و مسرت کے بہشتی جذبات سے چمک رہا تھا۔ فراخ پیشانی پر عجیب و غریب قسم کا نُور برس رہا تھا۔ اس روشن چہرے سے خوف زدہ ہوکر بلجین اندھیرے میں کھڑا تھا+ اس نے آج تک اس قسم کا منظر نہ دیکھا تھا۔ وہ ڈر رہا تھا۔

کون جانتا ہے۔ اس کے دل پر کیا گزر رہی تھی؟ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ اُس کے چہرہ سے بھی کچھ معلوم نہ ہوتا تھا+ یہ ضرور تھا کہ وہ بے انتہا پریشان اور مضطرب نظر آتا تھا۔ مگر یہ کیسی حالت تھی؟

صلیب پر مسیح کی تصویر دیوار پر ٹنگی تھی+ اُس کا ایک ہاتھ پادری کی طرف تھا اور دوسرا ہاتھ بلجین کی طرف۔ گویا وہ تصویر پادری کے سر پر دائمی دعائے خیر اور بلجین کے سر پر عفو کی بارش کر رہی ہے۔

بلجین نے پادری صاحب پر پھر نگاہ نہ ڈالی۔ تھوڑی دیر
بعد اپنا بایاں ہاتھ اُٹھایا۔ اور اپنی ٹوپی اُتار لی۔ پھر آہستہ
آہستہ ہاتھ چھوڑ دیا۔ کچھ سوچنے لگا ؂

یکایک بلجین نے ٹوپی پہن لی۔ پادری صاحب کو دیکھتا
ہُوا اُن کے پلنگ کے پاس سے گزر کر الماری کے قریب
جا پُہنچا۔ اُس نے قفل توڑنے کے لئے اپنی جیب سے ایک
تیز چھری نکال لی۔ مگر دیکھا کہ چابی قفل میں لگی ہوئی ہے
چابی سے قفل کھول کر الماری کھول لی۔ سب سے پہلے جس
چیز پر اُس کی نگاہ پڑی۔ وہ چاندی کے برتنوں کی پٹاری
تھی۔ برتنوں کو پٹاری سمیت لے کر وہ اُس کمرہ میں آیا۔
جہاں وہ سویا تھا۔ جھولی اور لاٹھی اُٹھا کر کھڑکی کھولی۔ اور
شیر کی مانند باغ میں جا کودا۔ پھر پٹاری میں سے برتنوں
کو اپنی جھولی میں ڈال لیا۔ اور چاردیواری کو پھاند کر
باہر نکل گیا ؂

نصیحت

اگلے دن علی الصبح پادری صاحب اپنے باغ میں ٹہل رہے تھے۔ کہ خادمہ میا گلوار گھبرائی ہوئی آئی۔ مارے ڈر کے کانپتی ہوئی آواز میں پادری صاحب کو مخاطب کرکے بولی "جناب! جناب! آپ کو کچھ معلوم ہے۔ برتنوں کی پٹاری کہاں ہے؟"

پادری نے جواب دیا۔ "ہاں معلوم ہے"۔

خادمہ بولی "خدا کا شکر ہے۔ ہزار بار شکر ہے! میں تو تلاش کرتے کرتے حیران ہو گئی تھی"۔

چہل قدمی کرتے وقت پادری صاحب کو وہ خالی پٹاری مل گئی تھی۔ اُسے خادمہ کے ہاتھ میں دے کر بولے:۔ یہ لو

برتنوں کی پٹاری ؟"

خادمہ نے پوچھا "برتن کہاں ہیں ؟"

پادری صاحب نے جواب دیا "یہ مجھے معلوم نہیں"

یہ سُن کر خادمہ اس کمرہ میں گئی۔ جس میں رات کو بلجین سویا تھا۔ دیکھا۔ پلنگ خالی پڑا ہے۔ بلجین بھاگ گیا ہے۔ دوڑی دوڑی آئی۔ اور مریل صاحب سے کہنے لگی: "جو شخص رات کو آیا تھا۔ وہی چور ہے۔ ضرور برتن لے کر بھاگا ہے"

پادری نے جواب دیا "میا گلوار! کیا وہ برتن میرے تھے۔ اتنے دنوں تک برتنوں کو اپنے پاس رکھ کر میں نے سراسر بے انصافی کی تھی۔ جس کے وہ تھے وہ اُنہیں لے گیا۔ دیکھا نہیں۔ وہ شخص کس قدر مفلس قلّاش تھا۔ اب اُن برتنوں کو فروخت کر کے کچھ عرصہ آرام چین سے زندگی بسر کرے گا"

پادری کی باتیں سُن کر خادمہ خاموش رہ گئی۔ اس سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد پادری صاحب اور اُن کی بہن صبح کا کھانا کھانے بیٹھے چاندی کے چھُری

کانٹے کے بجائے لکڑی کے چھریاں کانٹے میز پر سجائے گئے۔ گذشتہ دنوں کی نسبت آج پادری صاحب کچھ زیادہ بشاش نظر آتے تھے۔ بپٹِسٹن کے چہرہ پر نہ رنج کے آثار تھے نہ خوشی کے۔ خادمہ دل میں تو بہت رنجیدہ تھی۔ مگر پادری صاحب کے ڈر سے اپنے خیالات کا اظہار نہ کر سکتی تھی۔

جب کھانا ختم ہو چکا تو پادری صاحب بولے: "کیوں بہن! دودھ کے پیالے میں روٹی کا ٹکڑا تر کرنے کے لئے چاندی کے کانٹے چمچے غیر ضروری نہیں تو کیا ہیں؟"

اسی وقت کسی نے صدر دروازے کو زور سے دھکیلا پادری صاحب حسب معمول بولے "کون ہے؟ اندر آئیے"

دروازہ کھول کر چار شخص اندر داخل ہوئے۔ ان میں تین آدمی تو پولیس کی وردی پہنے ہوئے تھے اور چوتھے آدمی سے ناظرین واقف ہیں۔ بلجین تھا! بلجین کے ہاتھ رسّی سے بندھے ہوئے تھے۔ پولیس کے ایک سپاہی نے ذرا آگے بڑھ کر پادری صاحب کو فوجی سلام کیا۔ بولا "جناب! بلجین کو پہچان کر اور اُس کی یہ حالت دیکھ کر پادری

صاحب فوراً اُس کی طرف بڑھے۔ کہنے لگے "یہ کیا؟ آپ! آپ سے دوبارہ مل کر بڑی خوشی ہوئی + چاندی کے شمع دان جو میں نے آپ کی نذر کئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے آپ اُنہیں غلطی سے چھوڑ گئے۔ اُن کی قیمت بھی تخمیناً دوصد فرینک ہوگی + اُنہیں میں لئے آتا ہوں۔ لیتے جائیے گا"۔

بلجین حیران ہو کر پادری کو دیکھنے لگا۔

پولس افسر نے کہا "تو جناب! معلوم ہوتا ہے اِس نے جو کچھ کہا تھا سچ ہے + ہم نے شُبہ کی بنا پر اسے حراست میں لے لیا تھا۔ جس شخص کی ایسی حالت ہو اُس کے پاس چاندی کے برتن کہاں سے آسکتے ہیں؟"

پادری مریل قطع کلام کر کے بولے:- اوہ! سمجھ گیا۔ معلوم ہوتا ہے اُس شخص نے آپ سے کہا تھا۔ کہ میں نے ایک پادری کے مکان میں پچھلی رات گذاری ہے اور وہیں سے یہ برتن مجھے ملے ہیں + اُس نے درست کہا ہے۔ اُسے حراست میں لے کر آپ لوگوں نے بڑا ظلم کیا"۔

سپاہیوں نے شرمندہ ہو کر کہا "اگر یہ بات ہے تو ہم اُسے چھوڑے دیتے ہیں۔

پادری صاحب نے فرمایا "ضرور چھوڑ دیں"۔
سپاہیوں نے رسّی کھول کر بلجین کو رہا کر دیا۔
بلجین بھرّائی ہوئی آواز میں بولا "سچ مچ میں چھوٹ گیا ہوں؟"
سپاہیوں نے کہا "ہاں!"
پادری صاحب بولے۔ "تو اب آپ لوگ جا سکتے ہیں"۔
سپاہیوں کے چلے جانے پر پادری مر.یل نے بلجین کو مخاطب کر کے کہا "دوست! جانے سے پیشتر اپنے دونو شمع دان لیتے جانا"۔
یہ کہہ کر مر.یل صاحب دونو شمع دان دوسرے کمرے میں سے لے آئے۔ اور اُنہیں بلجین کے ہاتھ میں دے کر کہنے لگے "میرے عزیز! اب تم آزاد ہو۔ جہاں جی چاہے جا سکتے ہو۔ آیندہ اگر تمہیں یہاں آنا ہو۔ تو باغ کے راستے آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارا صدر دروازہ ہمیشہ کھُلا رہتا ہے"۔
پادری کے سلوک سے بلجین کی یہ حالت ہوگئی۔ کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ اُسے ایسا معلوم ہُوا۔ جیسے بے ہوش

ہُوا جاتا ہے + پادری نے بلجین کے قریب جا کر آہستہ سے
اُس کے کان میں کہا " بلجین! میرے بھائی!! اب تم شیطان
کے قابو میں نہیں ہو۔ اب تم خدا کے بندے ہو۔ تمہاری
روح کو شیطان کے ہاتھ سے خرید کر میں خدا کے مبارک
قدموں میں پیش کرتا ہوں " +

بلجین کی زبان سے کوئی بات نہ نکلی۔ وہ دیوانہ وار
لڑکھڑاتا ہُوا باہر چلا گیا + سارا دن پاگلوں کی طرح شہر
کی سڑکوں پر گھومتا رہا۔ مارے تفکرات کے اس کا سر تپ
رہا تھا " سچ مچ میں اب خدا کا ہو گیا ہوں ؟ مجھے شیطان کے
پنجے سے رہائی مل گئی ہے " ؟ فرطِ مسرت سے اُس کی آنکھوں
سے آنسو بہنے لگے۔ عہدِ گذشتہ کے واقعات ایک ایک
کرکے اُس کی نظروں میں پھر گئے + اُس کا وہ سب سے
پہلا قصور۔ پیٹ کے لئے ایک روٹی کی چوری!! اس چھوٹے
سے قصور کے لئے اس قدر سخت سزا!! اُنیس سال کے لئے
جیل خانہ! قید خانہ کی ناقابل برداشت تکالیف! خدا کی
ہستی اور انسان کی انسانیت کو تسلیم کرنے سے انکار۔
پادری مریل کا فرشتوں کا سا چال چلن اور سلوک۔ ان سب

باتوں کے متعلق خیالات ایک ایک کر کے اُس کے دل میں آئے۔ اور اُسے بے تاب کرتے رہے + اس خوفناک کشمکش نے بلجین کے چال چلن میں ایک عجیب وغریب تبدیلی پیدا کر دی۔ اگلے روز کسی نے بھی رہا شدہ قیدی بلجین کو ڈی شہر میں نہ دیکھا +

عاشق و معشوق

فرانس کا دارالخلافہ پیرس مدّت سے عیش و عشرت کے لحاظ سے باغ ارم کہلاتا ہے۔ پیرس کے ایک بورڈنگ ہوس میں چار طالب علم رہتے تھے۔ ایک کا نام تھا فیلکس دوسرے کا لسٹولیر تیسرے کا ناموبل۔ اور چوتھے کا بلیک بل۔ یہ چاروں شہر پیرس کے باشندے نہ تھے۔ بلکہ دیہات سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے آئے تھے۔ چاروں دوستوں کی چار لڑکیوں سے محبّت تھی۔ لڑکیوں کے نام تھے۔ فیورٹ۔ ڈالیا۔ جیفن اور فینٹائن۔ چاروں جوان اور حسین تھیں۔ اُن میں فینٹائن عمر میں سب سے چھوٹی اور خوب صورتی میں سب سے بڑھ چڑھ کر تھی۔ فینٹائن کے

بال لمبے لمبے خوب صورت گھونگریالے تھے۔ اور موتیوں کی آب وتاب کو مات کردینے والے دانت اُس کی خوبصورتی کو دوبالا کرتے تھے۔ فینٹائن کے خوب صورت بال اور دانت ہی اُس کی ہم عمر عورتوں کے لئے رشک کا باعث تھے۔

ایک روز اپنے دوستوں کو تنہائی میں بُلا کر فیلکس نے کہا: "دوستو! گذشتہ دو سال سے ہم نے اپنے فرائض کو بھلا رکھا ہے۔ عیش وعشرت میں غرق ہیں اور جہنّم کے مُنہ میں چلے جارہے ہیں۔ ہم انسان ہیں۔ لیکن ان نازنینوں کی محبّت کے جال میں پھنس کر اپنی انسانیت گنوا بیٹھے ہیں۔ اور حیوان بن رہے ہیں۔ آؤ۔ اب بھی سنبھلنے کی کوشش کریں"!

باہم صلاح مشورہ کرنے کے بعد ایک رائے قائم ہوئی۔ کئی روز سے فیلکس نازنینوں سے کہہ رہا تھا۔ کہ کسی روز ہم چاروں دوست مل کر ایک بڑا اچھّا تماشہ کریں گے نازنیں تماشہ دیکھنے کے لئے بے حد بیتاب ہورہی تھیں چنانچہ یہ تجویز ٹھہری کہ اگلے دن پک نِک کا انتظام کیا جائے۔ اور اُسی میں تماشہ بھی دکھلایا جائے۔

دوسرے دن علی الصبح چاروں دوست اور چاروں نازنینیں گاڑی میں سوار ہوکر پیرس شہر سے پانچ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں پہنچے۔ دن خوب صاف تھا آسمان پر ابر کا نام ونشان تک نہ تھا۔ قدرت کی خوب صورتی پر فریفتہ ہوکر نوجوان اپنی اپنی محبوبہ سے ہنسی کی باتیں کرنے لگے۔ ہر طرف خوشی جھلکتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ کبھی جنگل کے مرغزاروں میں کچھ لوگ چھپ جاتے۔ اور باقی اُنہیں تلاش کرتے پھرتے۔ کبھی چاروں دوست مل کر اپنی اپنی محبوبہ کو پھولوں سے سجاکر بن دیویاں بناتے۔ اِسی طرح اس رنگ میں دوپہر گزر گئی۔ کھانے کا وقت ہُوا۔ دوڑ دھوپ سے بھوک بھی لگ گئی تھی۔ کسل اور تکان رفع کرنے کی غرض سے چاروں سہیلیاں اور چاروں دوست ایک کُنج میں جا بیٹھے۔

چاروں سہیلیوں میں فیورٹ سب سے بڑی تھی۔ وہ بار بار فیلکس سے تماشہ دکھانے کی فرمایش کرتی۔ فیلکس جواب دیتا صبر کا ثمر شیریں ہوتا ہے۔ مگر فیورٹ ماننے والی عورت نہ تھی۔ بولی "بے صبری کا پھل کھٹا ہی سہی"۔ یہ سُن

کر سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔
فیلکس نے دوستوں کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ اور ذرا مُسکرایا۔ دوستوں نے بھی مُسکرا کر اُس کا جواب دیا۔ جس تماشہ کو دیکھنے کے لئے نازنینوں نے اس قدر اشتیاق ظاہر کیا تھا اُس کا وقت آپہنچا تھا۔ قواعد کے وقت جس طرح فوج صف باندھ کر کھڑی ہوجاتی ہے۔ اُسی طرح چاروں دوست قطاریں کھڑے ہوگئے۔ سب سے آگے فیلکس تھا۔ اور اُس کے پیچھے تینوں دوست۔ اپنے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر فیلکس نے نازنینوں کو اشارہ کیا۔ کہ کوئی سوال نہ کرنا۔ یہ بھی سمجھادیا کہ اگر کچھ کہوگی بھی تو کسی بات کا جواب نہیں دیا جائے گا۔ چاروں سہیلیاں اُن کی طرف دیکھ دیکھ کر ہنسنے لگیں۔ تماشہ کا آغاز تو دلچسپ تھا۔ انجام دیکھنے کے لئے نازنینیں بیتاب ہو رہی تھیں۔ چاروں دوست اپنی اپنی محبوبہ کو چوم کر ایک قطار میں وہاں سے چل دیئے۔ جب تک وہ نظر آتے رہے نازنینیں مُشتاق نگاہوں سے اُنہیں دیکھتی رہیں۔ فیلکس اور اُس کے دوستوں نے قریب ہی ڈاک گاڑی کے سٹیشن پر پُہنچ کر چار ٹکٹ خریدے اور تیز گھوڑوں کی گاڑی میں سوار

ہو کر آناً فاناً میں غائب ہو گئے + ادھر چاروں سہیلیاں اُن کی واپسی کی منتظر تھیں۔ اُن کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کرنے اور طرح طرح کے خیالی گھوڑے دوڑانے لگیں + جُوں جُوں دیر ہُوئی۔ اُن کا اشتیاق فکر میں تبدیل ہونے لگا۔ اسی اثناء میں ایک شخص ایک خط لے کر آ پہنچا۔ فیورٹ نے اُس کے ہاتھ سے خط لے کر دیکھا۔ سرنامہ پر کسی کا نام نہ تھا۔ یہ خط کس کے نام ہے؟ کس نے بھیجا ہے؟ اس سوال کے جواب میں قاصد نے کہا "میں ڈاک گاڑی کے دفتر کا چپڑاسی ہوں۔ ایک گھنٹہ ہُوا چار شریف آدمی ڈاک گاڑی میں گئے ہیں۔ وہ یہ خط آپ کے پاس پہنچانے کے لئے مجھے دے گئے تھے۔"

فیورٹ نے خط نکال کر پڑھنا شروع کیا!

"عزیز از جان نازنینو!"

"تمہیں معلوم رہے کہ ہم لوگ خود مختار (یا بغیر سرپرستوں کے) نہیں۔ ہمارے والدین ہیں۔ ہم اُنہی کی ناخلف اولاد ہیں۔ اتنے دنوں تک تمہارے پھندے میں پھنس کر اُنہیں بھولے رہے + بس ہو چکا۔ اب اور نہیں۔ اب ہم اپنے اپنے

والدین کی خدمت میں واپس جا رہے ہیں۔ امید کہ تم ہمیں جلدی ہی بھول جاؤ گی۔ اور تھوڑے سے رنج و غم کے بعد نئے چاہنے والے تلاش کر لو گی۔ دو سال تک ہم حتے الوسع تمہیں خوش کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اُسے یاد کر کے ہم سے ناراض نہ ہونا۔

بلیک ریل"
فاموبل"
لسٹولیر"
فیلکس"

خط پڑھا جا چکا تو نازنینیں ایک دوسری کا مُنہ تکنے لگیں۔ کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ وہ یہ بھی نہ سمجھ سکیں کہ یہ سچ ہے یا محض فرضی کارروائی اور مذاق ہے۔ سب نے یہی سمجھا کہ ضرور مذاق ہی ہو گا اور وہ ہنستی ہنستی جھٹ پٹ پیرس کی گاڑی کی تلاش میں روانہ ہو گئیں۔

مذکورہ بالا واقعہ کے ایک گھنٹہ بعد چاروں سہیلیاں اپنے اپنے گھروں میں جا پہنچیں۔ رفتہ رفتہ رات زیادہ گذر گئی۔ فیورٹ۔ جیفن اور ڈالیا تو اپنے اپنے پلنگ پر لیٹ

کہ ہنستی بولتی خواب راحت کی آغوش میں چلی گئیں - مگر فینٹائن کی آنکھوں میں نیند نہ تھی - فینٹائن فیلکس کو در اصل اپنا دِل نذر کر چکی تھی - اور اُس سچّی محبّت کا ثمر اُس کی ایک لڑکی تھی + لڑکی کو سینے سے چمٹا کر فینٹائن بستر پر پڑ رہی - اور مُنہ چھُپا کر رونے لگی +

بے یار و مددگار

پیرس سے تھوڑی دور مونٹ فارمل، نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا+ اس گاؤں کے بیچ میں سے شاہی سڑک گزرتی تھی+ سڑک کے کنارے پر ایک چھوٹی سی سرائے بھی تھی۔ اس سرائے کا مالک تھینارڈ یار تھا۔

گود میں دو سال کی لڑکی لے کر اور پیٹھ پر ایک تھیلا رکھ کر نازنین فینٹائن نے پیرس کو خیرباد کہی۔ اور کام کی تلاش میں اپنے گاؤں کی طرف چلی۔ روتے رہنے اور شب بیداری سے اُس کی آنکھیں لال سُرخ ہو رہی تھیں۔ اور اُس کے بال چہرہ پر بکھرے ہوئے تھے۔ پیرس میں اُسے پناہ نہیں ملی۔ کیا مادر وطن " ایم۔ سُر۔ ایم "۔ (گاؤں کا نام ہیں

بھی اُسے پناہ نہ ملے گی ؟ ضرور ملے گی۔ صرف اسی امید کے سہارے فینٹائن چلی جا رہی تھی ۔

دوپہر کا وقت ہو گیا۔ سفر کی تکان سے نڈھال ہو کر فینٹائن سرائے کے زینہ پر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دُور پر تھینارڈیار کی دو لڑکیاں ایک درخت میں جھولا ڈالے جھول رہی تھیں۔ تھینارڈیار کی بیوی کچھ فاصلے پر بیٹھی۔ اُنہیں دیکھ رہی تھی۔ بچپن میں اپنے پرائے۔ غریب امیر کا کچھ خیال نہیں ہوتا۔ تھینارڈیار کی بیٹیوں نے فینٹائن کی لڑکی کو اپنے پاس بلا لیا۔ اور جھٹ اُسے اپنی سہیلی بنا لیا۔ اُن کے ساتھ کھیل میں محو ہو کر کسیٹ بھی لمحہ بھر کے اپنی شفیق والدہ کو بھول گئی۔ یہ دیکھ کر غم و یاس سے چور ماں کے دل میں بجلی کی سی لہر دوڑ گئی۔ تھینارڈیار کی بیوی کو مخاطب کر کے فینٹائن نے کہا: "آپ بڑی خوش قسمت ہیں! آپ کی بیٹیاں نہایت خوب صورت ہیں۔ آپ کا نام کیا ہے؟"

ایک اجنبی مسافر کی زبان سے اپنی بیٹیوں کی تعریف سُن کر تھینارڈیار کی بیوی بہت خوش ہوئی۔ وہ کونسی ماں ہے جس کا سینہ اپنی اولاد کی تعریف سُن کر مارے خوشی کے

پھُول نہیں اُٹھتا؟

وہ بولی "میرا نام تھینارڈ یار ہے۔ یہ سرائے ہماری ہی ہے۔ آپ کی بچّی بھی بڑی حسین ہے۔ اس کی عمر کیا ہوگی؟"

فینٹائن نے کہا "دو برس"

میڈیم تھینارڈ یار بولی "دیکھئے۔ بچّے کس قدر جلد ایک دوسرے کو اپنا بنا لیتے ہیں۔ اس وقت اِن تینوں بچّیوں کو دیکھ کر کون کہے گا۔ کہ یہ ایک ہی ماں کے پیٹ سے نہیں ہیں؟"

تھوڑی دیر کے لئے ایک ہلکی سی امید کی روشن لکیر نے فینٹائن کے دل کی تاریکی کو دُور کر دیا۔ ہمت باندھ کر فینٹائن نے پُوچھا "آپ میری لڑکی کو بھی اپنے ہاں رکھ لیں گی؟"

میڈیم تھینارڈ یار یہ بات سُن کر حیران رہ گئی۔ اُس نے "ہاں" "یا نہ" کچھ نہیں کہا۔

فینٹائن کہنے لگی "دیکھئے۔ ملازمت کی تلاش میں مجھے کہاں کہاں جانا پڑے۔ میری گود میں بچّہ دیکھ کر مجھے کوئی نوکری نہیں دے گا۔ خدا ہی نے آپ کے ساتھ مُلاقات کرادی۔ آپ کا دل بہت نرم اور مادرانہ شفقت سے بھرا

ہُوا ہے۔ تینوں لڑکیاں مِل جُل کر بہنوں کی طرح رہیں گی۔
میں بھی جلدی ہی واپس آجاؤں گی۔ میری بچّی کو آپ اپنے
ہاں پناہ دیں۔ خدا آپ کا بھلا کرے گا!"

میڈم تھینارڈیار نے جواب دیا" اچھا۔ دیکھا جائیگا۔"

ذرا حوصلہ پا کر فینٹائن نے کہا" میں اس کے کھانے
پینے وغیرہ کے اخراجات کے لئے چھ فرینک ماہوار کا انتظام
کر دوں گی"۔

اسی وقت سرائے کے ایک دریچہ سے ایک مرد کی
آواز آئی" نہیں۔ سات فرینک ماہوار سے کم نہیں ہو سکتا
اور چھ ماہ کا خرچ بطور پیشگی"۔

میڈیم تھینارڈیار نے "چھ ساتے بیالیس" کا پہاڑا
پڑھ کر چھ ماہ کا حساب بتلا دیا۔ پیرس کو خیرباد کہتے وقت
فینٹائن کے پاس جو کچھ تھا۔ اُسے بیچ کھوچ کر اُسے اسّی
فرینک ملے تھے۔ یہ رقم اُس کے پاس ہی تھی۔ میڈیم
تھینارڈیار کی بات پر فینٹائن راضی ہو گئی۔

کھڑکی سے پھر اُس آدمی کی آواز آئی" ۱۵ فرینک
متفرق اخراجات کے لئے بھی"۔

میڈیم تھینارڈیار نے میزان کر کے کہا "بیالیس ۴۲ اور پندرہ ۱۵ ۔ ستاون ۵۷ فرینک"۔

فینٹائن نے جواب دیا "اچھا۔ اتنا ہی دے دوں گی۔ اسّی فرینک میں سے ستاون فرینک دے کر جو کچھ میرے پاس باقی بچے گا۔ اُس سے میں کسی طرح اپنے گھر پہنچ جاؤں گی۔ اُس کے بعد وہاں کام کر کے روپیہ جمع کروں گی اور اپنی عزیز از جان بچّی کو واپس لے جاؤں گی"۔

پھر اُسی آدمی کی آواز آئی "لڑکی کے پاس کپڑے لتے تو ہیں نا"؟

میڈیم تھینارڈیار نے فینٹائن سے کہا "اندر سے میرے شوہر بول رہے ہیں"۔

فینٹائن تو یہ پہلے ہی سمجھ گئی تھی۔ اس نے جواب دیا "ہاں ہاں کپڑے کیوں نہ ہوتے۔ میں بغیر کپڑوں کے اپنی پیاری بچی کو چھوڑ جاؤنگی"؟

مول تول ٹھیک ہوگیا۔ اپنی آنکھوں کی پُتلی کسیٹ کو ڈائن کے ہاتھ میں سونپ کر اور اپنے پاس جو کچھ تھا اُسے کوئیں میں پھینک کر فینٹائن اُس رات سوئی نہیں۔ رات بھر بحرِ فکر میں غوطے کھاتی رہی۔ اگلے روز علی الصبح وہ روتی دھوتی اپنے گاؤں کیطرف روانہ ہوگئی ؛

مسٹر ماؤلن

فرانس کے دار الخلافہ پیرس سے کچھ فاصلہ پر "ایم سرایم" نام کا گاؤں تھا۔ مدت سے یہاں کے باشندے چوڑیوں کے نقلی پتھر کی تجارت کرتے تھے + اس گاؤں میں بعض بڑے دولت مند سوداگر بھی تھے۔ ایم سرایم میں آکر فینٹائن نے دیکھا۔ کہ گاؤں کی حالت ہی بدل چکی ہے۔ نقلی چوڑیوں کا کل کاروبار اب صرف مسٹر ماولن کے ہاتھ میں ہے۔ اُن کا مقابلہ کرنے کی کوشش نے بہت سے سوداگروں کو دیوالیہ بنا دیا ہے + بہت سوں نے چوڑیوں کا کاروبار چھوڑ کر اور کئی قسم کی تجارت شروع کر دی ہے + مسٹر ماؤلن اس گاؤں کے اصلی باشندے نہیں تھے۔ چند سال

سے یہاں آئے تھے۔ تھوڑی سی پونجی سے کاروبار شروع کیا۔ اپنی ان تھک کوشش اور ایک نئے کیمیاوی عمل سے تھوڑے سے ہی عرصہ میں اُنھوں نے خوب روپیہ کما لیا۔ اور نقلی چوڑیوں کی کُل تجارت اُن کے ہاتھ میں آگئی۔ اُن کے کارخانہ کی تیار شدہ چوڑیاں اس قدر نفیس ہوتی تھیں کہ اُن کے سامنے اصلی چوڑیاں بھی مات تھیں۔ اور ان کے پہچاننے میں نامی گرامی جوہری بھی اکثر دھوکا کھا جاتے تھے۔

چند ہی سال کے عرصہ میں مسٹر ماؤلن کی حالت میں حیرت انگیز تبدیلی ہو گئی۔ مگر اُن کو دیکھنے سے کسی کو اس بات کا پتہ نہ لگتا تھا۔ جس روز وہ پہلے پہل اس گاؤں میں آئے تھے۔ جو حالت اُن کی اُس روز تھی۔ آج بھی بعینہٖ وہی حالت ہے۔ بال سفید۔ آنکھیں صاف اور روشن۔ بدن گٹھا ہوا اور دل تفکرات سے گھرا ہوا۔ اُن کی حرکات و سکنات میں بہت متانت تھی۔ لوگوں سے زیادہ گفتگو نہ کرتے تھے۔ ذاتی اخراجات میں بڑی کفایت شعاری سے کام لیتے۔ صبح شام سیر کو جانا اُن کی عادت میں داخل تھا

سیر کے وقت اُن کے ہاتھ میں ہمیشہ ایک بندوق رہتی تھی مگر اُس کا استعمال کبھی نہیں کرتے تھے۔ اگر کبھی چلاتے تو اُن کا نشانہ خطا نہ جاتا + جس وقت وہ باہر نکلتے اُن کی بڑی بڑی جیبیں پیسوں اور نقدی سے بھری رہتیں۔ مگر جب واپس آتے۔ تو بالکل خالی ہوتی تھیں + اُنہیں باہر آتا دیکھ کر گاؤں کے چھوٹے چھوٹے بچے اور لڑکے لڑکیاں شہد کی مکھیوں کی طرح جھٹ چاروں طرف سے انہیں گھیر لیتی تھیں۔ وہ بہت سے رفاہ عام کے کام کرتے تھے۔ مگر کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی تھی۔ کوئی کار خیر کر کے اُسے ڈنکے کی چوٹ مشہور کرنا اُنہیں پسند نہ تھا +

سنہ ۱۸۲۱ء کے شروع میں فرشتہ سیرت پادری مریل کی وفات کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی۔ دوسرے ہی دن مسٹر ماؤلن ماتمی لباس پہنے ہوئے دکھائی دیئے + عوام میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ بعض لوگ کہنے لگے پادری مریل کے ساتھ مسٹر ماؤلن کا بہت گہرا تعلق تھا + ایک بڑھیا سے نہ رہا گیا۔ وہ مسٹر ماؤلن سے

پُوچھ ہی بیٹھی "کیا پادری مریل آپ کے رشتہ دار تھے ؟"
مسٹر مائڈلن نے جواب دیا "نہیں"
بڑھیا نے ہنس کر پھر سوال کیا "تو آپ نے ماتمی لباس کیوں پہنا ہے ؟"
اس پر مسٹر مائڈلن نے جواب دیا "میں لڑکپن میں اُن کے ہاں ملازم تھا"
کچھ ہی ہو۔ مسٹر مائڈلن کا نام اِس قدر مشہور ہوا۔ انہیں اتنی شہرت نصیب ہوئی کہ رفتہ رفتہ اُن کا نام خود شہنشاہ کے کانوں تک جا پہنچا۔ انہی دنوں وہاں میئر کی اسامی خالی ہوئی۔ اور شہنشاہ نے اُس کے لئے مسٹر مائڈلن کو منتخب کیا۔ اس انتخاب سے گاؤں کے سب باشندے خوش ہوئے۔ اگر کوئی خوش نہ ہوا۔ تو صرف ایک شخص۔ وہ پولیس انسپکٹر جابرٹ تھا۔ جابرٹ کو معلوم نہ تھا۔ کہ ایم شر ایم میں چوڑیوں کا کارخانہ کھولنے سے پیشتر مسٹر مائڈلن کی حالت کیا تھی۔ جس وقت مسٹر مائڈلن کا نیّرِ اقبال خوب چمک رہا تھا۔ اور ان کی شہرت چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ انہی دنوں جابرٹ کسی اور مقام سے تبدیل ہو کر یہاں آیا تھا۔ جب وہ مسٹر

ماڈلِن سے پہلی مرتبہ مِلا۔ اُسی وقت اُس کا ماتھا ٹھنکا اور ایک شک اُس کے دل میں جاگزین ہو گیا۔ اُسی لمحہ سے مسٹر ماڈلن پر اُس کی خاص نظر رہنے لگی ۔

اُسی زمانہ کا ذکر ہے۔ کہ اتفاق سے ایک ایسا واقعہ پیش آیا۔ جس سے جابرٹ کا شک یقین میں تبدیل ہونے لگا۔ ایک روز صبح کے وقت مسٹر ماڈلِن حسب معمول سیر کو نکلے۔ کچھ فاصلے پر لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر وہ بڑی تیزی سے وہاں جا پہنچے۔ دیکھا کہ ایک بوڑھا گاڑی بان جس کا نام فکلیونیٹ ہے۔ گاڑی کے پہئے تلے دب گیا ہے۔ راستہ کیچڑ سے اٹا ہوا ہے اور گاڑی بھی ٹھسا ٹھس مال سے لدی ہوئی ہے۔ پہیہ آہستہ آہستہ کیچڑ میں دھنستا چلا جا رہا ہے۔ فکلیونیٹ نہایت درد بھری آواز سے چلّا رہا ہے اور لوگ سناٹے کی حالت میں اُس دردناک سانحہ کو دیکھ رہے ہیں۔ مگر بُڈھے گاڑی بان کو موت کے مُنہ سے نکالنے کی کوشش کوئی نہیں کرتا ۔

سب کو مخاطب کر کے مسٹر ماڈلِن نے کہا "کہیں آس پاس کسی کے ہاں پلٹا نہیں؟"

ایک کسان بولا" پلٹا لانے کے لئے آدمی بھیجا ہے"۔
مسٹر ماؤلن نے پوچھا" کتنی دیر میں واپس آئے گا؟"
ایک شخص نے جواب دیا" آدھ گھنٹہ لگ جائے گا"
پچھلی رات بارش ہوئی تھی۔ راستے میں کیچڑ بہت ہو رہی تھی۔ گاڑی کے پہیے کیچڑ میں دھنستے چلے جا رہے تھے +
" بوڑھا فکلیو نیٹ بہت جلد لقمۂ اجل بن جائے گا۔ آدھ گھنٹہ سے بہت پہلے وہ غریب اس جہان میں نہ ہو گا"۔
مسٹر ماؤلن نے باآواز بلند کہا" بھائیو! یہ شخص آدھ گھنٹہ تک نہ جی سکے گا۔ آدھ گھنٹہ سے بہت پہلے اس کا دم نکل جائے گا + اب بھی وقت ہے۔ اسے بچانے کی کوشش کرنی چاہئے + کیا اتنی طاقت ہم میں سے کسی میں نہیں کہ پہیے کے نیچے کندھا لگا کر گاڑی کو ذرا اونچا اٹھا سکے؟ میں دس لوئیس انعام دوں گا"۔
سب کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ اور سب خاموش تھے۔
مسٹر ماؤلن نے کہا" آؤ۔ بیس لوئیس"۔
سب خاموش!
انسپکٹر جابرٹ وہیں کھڑا تھا۔ اس نے کہا" یہاں

جو لوگ موجود ہیں۔ اُن میں ایک بھی ایسا نہیں۔ جو اِس بدنصیب گاڑی بان کی جان نہ بچانا چاہتا ہو۔ مگر ایک آدمی میں اتنی طاقت کہاں۔ کہ گاڑی کو اوپر اُٹھا سکے۔ اور ایک سے زیادہ آدمیوں کے جانے کی وہاں جگہ نہیں"۔

اِس کے بعد جابرٹ نے ماؤلن کے چہرہ پر ایک تیز نظر ڈالی۔ پھر کہنے لگا "مسٹر ماؤلن! آپ نے جو بات کہی ہے اسے پورا کرنے کی طاقت تمام فرانس میں صرف ایک شخص میں ہے"۔

یہ سُن کر ماؤلن ذرا گھبرائے۔ جابرٹ کی نظریں ماؤلن کے چہرہ پر گڑی تھیں۔ اُس نے پھر کہا "اور وہ شخص ٹولو شہر کے جیل خانہ کا ایک قیدی ہے"۔

ایک لمحہ کے لئے مسٹر ماؤلن کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ اُسی وقت مارے تکلیف فکلیونیٹ کراہ کر بولا "میں مر رہا ہوں۔ مجھے بچاؤ!"

یہ دردناک آہ وزاری سُن کر مسٹر ماؤلن نے چاروں طرف دیکھا۔ سب دم بخود ہیں۔ اور جابرٹ کی تیز اور ہوشیار نگاہ اُن کے چہرہ پر گڑی ہوئی ہے۔ اُنہوں نے جھٹ اپنا

اوورکوٹ اُتار کر پھینک دیا۔ اُن کے طاقتور بازوؤں کی رگیں پھول اُٹھیں۔ بغیر کسی سے کچھ کہے سُنے وہ گاڑی کے نیچے چلے گئے۔ پہیئے کے تلے اپنا کندھا لگا دیا + دو دفعہ اُنھوں نے اپنا سارا زور لگایا۔ مگر پھر بھی وہ گاڑی کو اوپر اُٹھا نہ سکے +

اس پر سب لوگ متفقہ آواز سے چلّا اُٹھے "مسٹر ماؤلن! باہر چلے آیئے ورنہ آپ بھی دب کر مر جائیں گے"!

لقمۂ اجل بوڑھا فکلیونیٹ بڑے مضطرب انداز سے بولا "مسٹر ماؤلن! آپ باہر چلے جایئے۔ میں تو مروں گا ہی۔ آپ کیوں ناحق اپنی جان گنواتے ہیں"؟

ماؤلن نے کوئی جواب نہ دیا۔ یکایک گاڑی اوپر کو اُٹھی۔ پہیہ کیچڑ سے باہر نکلنے لگا۔ ذرا رُکے ہوئے گلے سے ماؤلن بولے:۔

"بھائیو! آؤ۔ اس مرتبہ سب مل کر زور لگا دیں"!

اب سب نے مل کر زور لگایا۔ گاڑی اُٹھ گئی۔ غریب فکلیونیٹ کی جان بچ گئی۔ ماؤلن بھی آہستہ آہستہ باہر نکلے + اُن کا چہرہ زرد اور پسینہ سے شرابور ہو رہا تھا + کپڑے

پھٹ گئے تھے۔ اور کیچڑ سے لت پت تھے + اپنی دلی احسان مندی کے اظہار کے لئے بوڑھا فکلیو نیٹ ماؤلن کے پیروں سے لپٹ گیا۔ اس وقت ماؤلن کے چہرہ پر نور برس رہا تھا۔ نیک کام اپنا انعام آپ ہی ہے + انسپکٹر جابرٹ کی نگاہیں جھک گئیں جیسے وہ اِس نور کو دیکھنے کی تاب نہ لاسکیں ؛

مسٹر ماؤلن نے ایک پالکی منگوائی۔ اور اُس میں فکلیونیٹ کو بٹھا کر اپنے کارخانہ میں لے گئے + کارخانہ کے متعلق جو ہسپتال تھا اُس میں اُس کے علاج اور آرام و آسایش کا انتظام کر دیا + کچھ دنوں کے بعد جب وہ بالکل تندرست ہو گیا۔ تو ماؤلن نے اُسے ملازمت دلوانے کی کوشش کی اور پیرس کے سینٹ انٹائن محلّے میں کنواریوں کی ایک فرودگاہ تھی۔ وہاں باغبانی کی خدمت دلا دی ؛

فینٹائن کارخانہ میں

وطن پہنچ کر فینٹائن نے دیکھا۔ اُسے کوئی پہچانتا تک نہیں۔ اور نہ اُسے کوئی پناہ دیتا ہے۔ مگر مسٹر مائولن کے کارخانہ کا دروازہ ہر شخص کے لئے کُھلا تھا۔ وہاں جاتے ہی فینٹائن کو پناہ مل گئی۔ اُسی روز سے وہ کارخانہ کے زنانہ حصّہ میں ملازم ہو گئی۔ اسے پہلے کبھی کارخانہ میں کام کرنے کا اتفاق نہ ہُوا تھا۔ کام کی مہارت نہ ہونے کے باعث آدمی اچھا کام نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اُجرت بھی کچھ کم ہی ملا کرتی ہے۔ فینٹائن زیادہ کام کرسکتی تھی۔ مگر اُسے جو کچھ ملتا تھا۔ اسی میں اپنا کھانے پینے کا خرچ چلا لیتی تھی۔ جب کسی کام کی مہارت ہوتی جاتی ہے۔ تو اُس

میں دل چسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور دل لگنے کے ساتھ ساتھ آزادی اور ایک قسم کی چستی سی پیدا ہوتی ہے۔ زندگی لطف اندوز اور درحقیقت زندہ رہنے کے قابل چیز معلوم ہونے لگتی ہے۔ فینٹائن بھی آرام کا منہ دیکھنے لگی۔ اس وقت اسے ایک ہی فکر۔ اور وہ کیسٹ کی تھی۔

اپنی شادی کے متعلق کسی سے کیا کہہ سکتی تھی کیسٹ کے بارے میں کسی سے دو لفظ بھی کہتی۔ تو رسوا ہوتی اگر ماں کا دل۔ وقتاً فوقتاً اپنی بیٹی کی خبر ملے بغیر فینٹائن کیسے زندہ رہ سکتی تھی؟ چونکہ خود لکھنا پڑھنا نہ جانتی تھی اس لئے اسے ایک محرّر کی مدد لینی پڑی۔ جب ایک سے دو تک بات پہنچی تو پھر اب کہاں چھپی رہ سکتی تھی؟ فینٹائن کی خط وکتابت کی بنا پر بہت جلد کارخانہ میں ہر طرف سرگوشیاں ہونے لگیں۔ جتنے منہ اتنی زبانیں۔ سب نے اور راز معلوم کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ رفتہ رفتہ یہ بات ظاہر ہو گئی۔ کہ فینٹائن چھوٹی ہی سی عمر میں ایک بچہ کی ماں بن چکی ہے۔ زنانہ حصہ کی منتظمہ نے یہ بات سُن لی۔ چوں کہ فینٹائن اپنے کام میں ماہر نہ تھی اس لئے منتظمہ پہلے ہی

اُس سے ناخوش تھی - اب یہ خبر سُنی تو اور بھی ناراض ہوگئی۔
اور اُسے کارخانہ سے برخاست کر دیا۔ جب فینٹائن چلنے
لگی - تو منتظمہ نے اُس کے ہاتھ میں پچاس فرینک دے کر
کہا "تمہارے کام سے میئر صاحب ناخوش ہیں - اس لئے
اُنہوں نے تمہیں برخاست کر دیا ہے - اور ازراہ عنایت
یہ پچاس فرینک تمہیں بطور امداد عطا کئے ہیں"۔

حقیقت یہ ہے کہ میئر صاحب کو اس قصے کے بارے میں
کچھ بھی علم نہ تھا - کارخانہ کے زنانہ حصّہ کی مختار یہی منتظمہ
تھی - غریب فینٹائن کو کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ کس قصور کی
پاداش میں وہ ملازمت سے برطرف کی گئی ہے۔ اپنی تقدیر
کو کوستی ہوئی وہ کارخانہ سے باہر نکل گئی - بہت دنوں تک
گاؤں میں خادمہ کی اسامی تلاش کرتی رہی - مگر کارخانہ سے
برخاست ہونے کے باعث کہیں بھی اسے کوئی کام نہ
ملا۔ ایک مکان میں کوٹھڑی لے کر اُس نے رہنا شروع
کر دیا تھا - اس کا کرایہ اُس کے ذمّہ چڑھ رہا تھا - اُسے بیکار
بیٹھی دیکھ کر مکان کی مالکہ بہت شور مچاتی - فینٹائن ہر وقت
اسی فکر میں مستغرق رہتی - کہ کرایہ کس طرح ادا کیا جائے۔

اس کے بعد ایک اور فکر تھی۔ کسیٹ کی!

مامتا کی ماری ماں نے سوچا۔ اس بُری حالت میں اگر میری پیاری بیٹی میری گود میں ہو۔ تو میرے سب دُکھ۔ تمام تکلیفیں رفع ہو جائیں"۔ مگر پھر خیال آیا۔ "مجھے تو تکلیف ہوتی ہی ہے۔ اُسے کیوں شریک حال بناؤں؟ اور جاؤں تو تھینارڈیار اُسے دے گا کیوں؟ چار ماہ سے اُس کا خرچ نہیں گیا۔ پھر اُسے لانے کے لئے سفر خرچ کا کس طرح انتظام کروں گی؟"

سردیوں کے آخر میں فینٹائن اپنے کام سے موقوف کی گئی تھی۔ اب دوبارہ سردی آگئی۔ مگر اُسے کوئی کام نہ ملا۔ آہستہ آہستہ قرضخواہوں نے سختی شروع کی۔ تھینارڈیار کے تقاضے سے فینٹائن کانپ اُٹھی۔

ایک روز تھینارڈیار کے خط سے فینٹائن کو معلوم ہوا کہ کافی گرم کپڑے نہ ہونے کے باعث کسیٹ کو سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ اُس کے لئے گرم کپڑے کی قمیصوں کی بہت ضرورت ہے۔ اگر کپڑے نہ ملے۔ تو ممکن ہے۔ سردی لگ جانے سے وہ بیمار ہو جائے۔ کپڑے سلوانے کے لئے

دس فرینک چاہیئے ہیں۔ آج کل فینٹائن کے پاس دس فرینک کا
تو کیا ذکر۔ دس کوڑیاں بھی موجود نہ تھیں۔ دن بھر دہ بار
بار خط نکال کر دیکھتی اور پھر بند کر کے رکھ دیتی۔ پھر نکالتی
پھر بند کر کے رکھ دیتی +

اسی طرح تمام دن گذار کر شام کے وقت وہ باہر نکلی۔
ایک بال بیچنے والے کی دکان پر جا کر اُس نے اپنے بال
کھول دیئے + اس کے خوب صورت نرم بال اُس کی کمر تک
لٹک پڑے۔ دُکاندار نے حیران ہو کر کہا "آہا! کیسے خوبصورت
بال ہیں!"

فینٹائن نے پُوچھا۔ "ان بالوں کی قیمت کیا دو گے؟"

اُس نے جواب دیا۔ "دس فرینک"

فینٹائن بولی "کاٹ لو"

بالوں کی قیمت سے فینٹائن نے کسیٹ کے لئے دو گرم
قمیصیں خرید کر تھینارڈیار کے پاس بھیج دیں + اس سے
تھینارڈیار کے غصّہ کا پارہ اور بھی چڑھ گیا + اُسے قمیصوں
کی ضرورت نہ تھی۔ روپے کی ضرورت تھی قمیصیں اُس نے اپنی
بیٹی ایپونائن کو دے دیں۔ بیچاری کسیٹ جاڑے ہیں کانپتی

رہی ۔

فینٹائن نے سوچا "اب میری بچی سردی سے محفوظ رہے گی۔ اُسے میں نے اپنے بالوں سے ڈھانپ دیا ہے" ۔

چند روز کے بعد فینٹائن کو تھینارڈیار کا ایک اور خط ملا۔ جس میں لکھا تھا "کیسیٹ خطرناک معیادی بخار میں مُبتلا ہے۔ اس کے لئے قیمتی دوائیں خریدتے خریدتے ہمارا تو دیوالہ نکل گیا۔ اب اور ہم سے نہیں ہو سکتا۔ اگر تم یہ خط دیکھ کر چالیس فرینک نہ بھیج دو گی تو تمہاری بیٹی کے جانبر ہونے کی کوئی امید نہیں" ۔

ہنستے ہنستے اور ایک گیت گاتے گاتے فینٹائن باہر نکل آئی۔ اُس کی یہ عجیب و غریب حالت دیکھ کر ایک راہ گیر نے پُوچھا "آج تمہیں کیا مِل گیا۔ جو اس قدر خوش نظر آتی ہو؟"

ہنستے ہنستے فینٹائن نے جواب دیا "انسان کی بیوقوفی دیکھ کر۔ میں کھانے تک کو محتاج ہوں۔ اور ایک شخص نے مجھ سے چالیس فرینک منگوائے ہیں"

راہ گیر نے سمجھا۔ یہ عورت دیوانی ہے ۔

فینٹائن بازار میں سے ہو کر گزر رہی تھی + اس نے دیکھا کہ ایک جگہ بھیڑ لگ رہی ہے۔ اور ایک شخص میز پر کھڑا ہو کر تقریر کر رہا ہے+ وہ بہت سے امراض کے علاج مفت بتا رہا تھا۔ اور برائے نام قیمت لے کر دوائیں بھی تقسیم کر رہا تھا + یوں تو وہ سبھی امراض کا علاج کرتا تھا۔ مگر اُس کا خاص کام دانت نکالنا اور مصنوعی دانت لگانا تھا+ فینٹائن بھی اس بھیڑ میں جا گھسی اور ہنسنے اور مذاق اُڑانے لگی+ ہنستے وقت اُس کے موتیوں جیسے خوب صورت دانت دیکھ کر دندان ساز نے کہا "ہنسنے والی نازنین! تمہارے دانت بہت خوب صورت ہیں۔ سامنے والے دونو دانت بیچو گی؟ دو دانتوں کی قیمت میں دو نیپولین[1] دوں گا"

دندان ساز کی تجویز سُن کر فینٹائن کانپ اُٹھی۔ کیسی خوفناک بات تھی! پاس ہی ایک ضعیفہ کھڑی تھی۔ اس کے دانت گر چکے تھے۔ اُس نے بھی یہ تجویز سُنی۔ بولی "کیسی خوش نصیب ہے یہ عورت! دو دانتوں کی قیمت دو نیپولین!"

دونو ہاتھوں سے اپنے کان بند کر کے فینٹائن وہاں

[1] ایک سونے کا سکہ+

سے سرپٹ بھاگی۔ دندان ساز نے باآواز بلند کہا "خاتون! ایک دفعہ پھر غور کر لو۔ دو نپولین سے تمہارے بہت سے کام نکل جائیں گے۔ منظور ہو۔ تو آج ہی رات کو "ٹل ڈی ارجنٹ" ہیں آ کر مجھ سے ملنا"۔

فینٹائن دوڑی دوڑی سیدھی گھر پہنچی۔ ساتھ کے کمرے ہیں ایک عورت رہتی تھی۔ جس کا نام مارگریٹ تھا۔ اسے بلا کر فینٹائن نے دندان ساز کی یہ سراسر نامناسب تجویز کہہ سنائی۔ پھر اُسے خوب جی کھول کر گالیاں دیں۔ مارگریٹ حد درجہ کی مفلس تھی۔ اس نے ساری عمر اکٹھے دو نپولین نہ دیکھے تھے۔ دل ہی دل ہیں حساب کر کے کہنے لگی "دو نپولین یعنی چالیس فرینک!"

فینٹائن کچھ سوچنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے مارگریٹ سے پوچھا "کچھ معلوم ہے۔ معیادی بخار کیا ہوتا ہے؟ اس کے مریضوں کے لئے کیا بہت قیمتی ادویات کی ضرورت ہوتی ہے؟"

مارگریٹ نے جواب دیا "ہاں"۔

فینٹائن نے پھر پوچھا "کیا بچے اس قسم کے بخار ہیں

اکثر مبتلا ہوتے ہیں؟"

مارگریٹ بولی "ہاں"۔

فینٹائن نے پھر پوچھا "کیا اُس سے بچے بہت مرتے ہیں؟"

مارگریٹ نے جواب دیا "دو چار فی صدی بچتے ہوں گے"۔

یہ کہہ کر مارگریٹ اپنے کمرہ میں چلی گئی۔

شام کی تاریکی گہری ہوگئی۔ بچھونے میں منہ چھپا کر فینٹائن رونے لگی۔ آہستہ آہستہ وہ پلنگ پر سے اُٹھی اور گھر سے نکل کر خراماں "ٹل ڈی ارجنٹ" ہوٹل کی طرف چل پڑی۔

اگلے روز مارگریٹ نے فینٹائن کے کمرہ میں آکر دیکھا کہ وہ ایک میلے رومال سے اپنا منہ چھپائے پلنگ پر بیٹھی ہے۔ رومال خون سے تر بتر ہے۔ بستر پر بھی خون کے داغ ہیں۔ مارگریٹ نے پوچھا "فینٹائن! آج تمہیں کیا ہوگیا؟"

فینٹائن نے اپنے منہ سے رومال ہٹا دیا۔ مارگریٹ نے دیکھا فینٹائن کے سامنے کے دانت نہیں ہیں۔ فینٹائن نے ملول ہنسی ہنس کر اشارے سے میز پر کچھ دکھایا۔ مارگریٹ

نے دیکھا - میز پر دو نیپولین چمک رہے ہیں + باقی حال سمجھ لینا مارگریٹ کے لئے کیا دشوار تھا ۞

فینٹائن نے اپنے دانتوں کی قیمت اُسی روز تھینارڈیار کے پاس بھیج دی۔ دراصل کسیٹ کو کوئی عارضہ نہ ہُوا تھا۔ تھینارڈیار نے فینٹائن سے کچھ روپیہ اینٹھنے کے لئے ہی یہ چال چلی تھی ۞

فینٹائن جو کبھی بے حد خوب صورت تھی۔ آج دانتوں اور بالوں سے محروم ہو کر بھدّی منظر آنے لگی + اب اُس کی شکل دیکھ کر ڈر لگتا تھا۔ جس فینٹائن کو دیکھ کر ایک روز راہ گیر چلتے چلتے رُک جاتے تھے ۔ جس کے خوب صورت سیاہ گھنے بال اور موتیوں کی آب و تاب کو شرمندہ کرنے والے دانت بھی دوسری عورتوں کے لئے باعث رشک تھے۔ آج اُس کی ڈراؤنی شکل دیکھ کر لوگوں کو نفرت ہوتی ہے + کسی زمانے میں اپنا خوبصورت چہرہ آئینہ میں دیکھ کر فینٹائن مارے خوشی کے پھولی نہ سماتی تھی۔ آج اُسی آئینہ میں اپنی خوفناک شکل دیکھ کر وہ خود ڈرنے لگی۔ اُس آئینہ کو فینٹائن نے کھڑکی کی راہ باہر پٹک دیا۔ آئینہ چُور چُور ہو گیا ۞

قعرِ ذلت

فینٹائن کے پاس جو کچھ باقی تھا۔ قرض خواہوں نے لے لیا۔ تھینارڈیار کی طرف سے پھر خط پر خط موصول ہونے لگے۔ مگر ڈاک کے ٹکٹ کے لئے پیسہ نہ تھا فینٹائن جواب بھی نہ بھیج سکی + تھینارڈیار غصّہ کے مارے پاگل ہو گئی +

آخر کار اُس نے لکھا :- "کئی مہینوں سے تم نے پھوٹی کوڑی تک نہیں بھیجی۔ اتنی مدّت تک بغیر خرچ کے ہم نے تمہاری بیٹی کو رکھا۔ اُس خط کو دیکھ کر اگر تم ایک سو فرینک روانہ نہ کرو گی۔ تو کسیٹ کو ہم گھر سے نکال دیں گے۔ پھر وہ جیئے یا مرے ہم ذمّہ دار نہ ہوں گے"۔

ایک سو فرینک! فینٹائن کانپ اُٹھی۔ ایسا کونسا کام

ہے۔ جسے کر کے مجھے ایک ہی روز میں ایک سوفرینک مل جائیں ؟ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گئی + پھر ایک لمبی سرد آہ بھر کر خود بخود بولی "اچھا! خدا کی یہی مرضی ہے تو جو کچھ میرے پاس باقی ہے میں اُسے بھی بیچ ڈالوں گی + اگر نیک راہیں میرے لئے بند ہو گئی ہیں۔ تو اب میں دوزخ ہی کی راہ لوں گی"+

قسمت کی ماری فینٹائن نے "بازاری عورت" کا پیشہ اختیار کر لیا +

فینٹائن کی تاریخ کیا ہے ؟ سوسائٹی کا غلام خریدنا ؟ کس سے ؟ افلاس سے۔ بھوک پیاس سے۔ سردی سے۔ بیکسی سے۔ قربانی سے مصیبت سے +

یسوع مسیح کا پاک قانون ہماری تہذیب پر ضرور حکومت کرتا ہے۔ مگر اُس کے اندر سرایت نہیں کر گیا + یہ کہنا کہ یورپین تہذیب سے غلامی نکل گئی ہے۔ غلط ہے ابھی تک موجود ہے۔ اور اب صرف عورت ذات اس کا شکار ہوتی ہے۔ اسی کا نام ہے زنِ بازاری کا پیشہ!

اس الم ناک ناٹک کے اُس مرحلے پر جہاں ہم اب

پہنچے ہیں۔ فینٹائن کا کچھ بھی باقی نہ رہا + اُس کا جو کچھ تھا وہ سب
لُٹ گیا۔ قعرِ ذلت میں گر کر وہ پتھر بن گئی + اُس کا ملوث
چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔ زندگی اور سوسائٹی نے اُس پر اپنا
آخری فتوے لگا دیا۔ اُس نے سب کچھ برداشت کیا۔
سبھی تکلیفیں جھیلیں۔ سب کچھ گنوایا۔ اور سب کے لئے
آنسو بہائے + اب وہ بے خوف ہو کر سب سے ملتی ہے۔
کسی سے نہیں ڈرتی۔ ہر ایک کالی گھٹا اُس کے سر پر
برستی ہے۔ اور سارے سمندر کا پانی اُس پر سے ہو کر نکل
جاتا ہے۔ مگر اُس کے لئے اب اُس کی حقیقت کیا ہے؟
وہ پہلے ہی قعرِ ذلت کی تہ میں جا چکی ہے +

اُس کا یہ خیال ایک وہم تھا۔ کہ انسان اپنے مقسوم
کو بدل سکتا ہے + آہ! اِس مقسوم کے راز کو کون سمجھ سکتا
ہے؟ جو اُسے سمجھتا ہے۔ وہ سب کچھ سمجھتا ہے۔ اُس کی
ذات واحد ہے۔ اُسی کا نام خدا ہے +

جاڑے کے دن ہیں۔ راستے برف سے ڈھکے ہوئے
ہیں۔ خریداروں کے انتظار میں فینٹائن اپنے برآمدے
کے نیچے کھڑی ہے۔ ریشمی کپڑے زیب تن ہیں اور سر کے

بال پھولوں سے سجا رکھے ہیں ؛

عمدہ قیمتی پوشاک زیب تن کئے ایک شخص قریب کے ہوٹل سے باہر نکلا۔ اُس نے کپڑوں کے اوپر ایک گرم اوورکوٹ پہن رکھا تھا۔ سر پر فیلٹ ٹوپی تھی۔ مُنہ میں پائپ تھا فینٹائن کو دیکھ کر وہ طعن آمیز لہجہ میں بولا "سُنو۔ تم بہت بدصورت ہو۔ کیا اس امر کو چھپانے کی کوشش کر رہی ہو؟ تمہارے اگلے دو نو دانت نہیں ہیں"؛

فینٹائن نے اس مذاق کی طرف کچھ توجہ نہ کی۔ ان سُنی کر گئی۔ اور چُپ چاپ ٹہلنے لگی۔ اُس شخص نے طرح طرح کے مذاق کرنے شروع کئے۔ بدقسمت فینٹائن چپ چاپ سب کچھ برداشت کرتی رہی۔ جب اُس شخص نے دیکھا۔ میری باتوں کا فینٹائن پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ تو اُس نے اُسے اشتعال دلانے کی ایک اور ترکیب سوچی + ٹہلتے ٹہلتے جب فینٹائن اس شخص کے پیچھے سے مڑی۔ تو اس نے راستے میں سے تھوڑی سی برف اُٹھا کر فینٹائن کے کندھے پر رکھ دی۔ برف کے ٹکڑے اُس کے کندھے پر پگھلے۔ اور پیٹھ پر سے ہوتے ہوئے کمر کے نیچے گرنے لگے + اس کا

سارا جسم بھیگ گیا۔ صبر کا پیمانہ چھلک گیا۔ فینٹائن شیرنی کی طرح جھپٹ کر ایک ہی چھلانگ میں اُس آدمی پر آپڑی۔ گرج کر اُسے اپنے ناخنوں سے نوچنے لگی اور اُس کی ٹوپی چھین کر کیچڑ میں پھینک دی ؛

اس تماشہ کو دیکھنے کے لئے اچھی خاصی بھیڑ جمع ہو گئی تھی۔ اُس بھیڑ میں سے پولیس کی وردی پہنے ایک شخص باہر نکلا اور اُس نے فینٹائن کو گرفتار کر لیا۔ متکبرانہ انداز سے اُس نے فینٹائن کو کہا "میرے ساتھ چلو"۔ فینٹائن پولس انسپکٹر جابرٹ کو خوب پہچانتی تھی۔ اس لئے بغیر کچھ کہے سُنے اُس کے پیچھے پیچھے چل دی۔ کوتوالی تک لوگ ان کے پیچھے پیچھے گئے۔ وہاں پہنچ کر انسپکٹر جابرٹ اور ملزمہ کوتوالی کے اندر چلے گئے ؛

دسواں باب

رہائی

جابرٹ نے نہایت سنجیدہ لہجہ میں فینٹائن سے کہا۔
"تم جس جُرم کی مُرتکب ہُوئی ہو۔ اس کی پاداش میں تُمہیں چھ ماہ کے لئے سزائے قید دی جائے گی"۔
جابرٹ کی بات سُن کر فینٹائن تھرّا اُٹھی۔ اُس نے انسپکٹر کے قدموں میں لوٹ کر کہا "چھ ماہ! چھ ماہ کی قید! میری کسیٹ کا کیا حال ہوگا؟"
بدنصیب ماں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ جابرٹ کے حکم سے دو سپاہی فینٹائن کو پکڑ کر حوالات میں لے جانے کے لئے زور سے کھینچنے لگے۔ فینٹائن نے بیکسی سے جابرٹ کے پیر پکڑ لئے۔ اور اُسے مخاطب کر کے کہنے لگی "انسپکٹر صاحب!

مجھ بدنصیب پر رحم کیجئے۔ میں آپ سے سچ کہتی ہوں۔ میرا کوئی قصور نہیں۔ آپ شروع سے وہاں موجود نہ تھے۔ اِس لئے مجھے مُلزم سمجھتے ہیں۔ میں نے اُس شریف آدمی کو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ پہلے اُنھوں نے مجھے پریشان کیا۔ میرے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا۔ مگر میں چپ چاپ سب کچھ برداشت کرتی رہی۔ اور کچھ نہ بولی۔ جب اُنھوں نے میرے کندھے پر برف رکھ دی۔ اُس وقت مجھے بڑا غصّہ آیا۔ میں ضبط نہ کرسکی۔ جناب! مجھ ایسی غریب بازاری عورتوں کے پاس ایک ہی نفیس جوڑا ہوا کرتا ہے۔ اُسی کو پہن کر ہم رات کے وقت باہر نکلا کرتی ہیں۔ کوئی اسی جوڑے کو خراب کردے۔ تو غصّہ آجانا لازمی ہے۔ خیر! جو ہوگیا سو ہوگیا اس مرتبہ آپ مجھے معاف کردیں۔ اگر میں جیل خانہ میں چلی گئی۔ تو میری پیاری بچّی کسیٹ ضرور مرجائے گی۔ از راہ کرم اِس دفعہ مجھے چھوڑ دیجئے۔ تادم زیست میں دوبارہ ایسا کام کبھی نہ کروں گی"۔

جابرٹ رُوکھے انداز سے بولا "جو کچھ تمہیں کہنا تھا وہ ختم ہوگیا؟ اب جاؤ تمہیں چھ ماہ قیدخانہ میں رہنا ہوگا"

جابرٹ نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ سپاہیوں نے آکر فینٹائن کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اُسے وہاں سے لے جانے لگے ۔

تھوڑی دیر پہلے ایک شخص بغیر کسی کے دیکھے اس کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔ اور دروازہ بند کر کے وہاں کھڑا کھڑا تمام کارروائی دیکھ رہا تھا۔ جب سپاہی مل کر فینٹائن کو لے جانے لگے۔ تو وہ آگے بڑھ کر بولا "ذرا ٹھہرو"۔

جابرٹ نے آنکھیں اُٹھا کر دیکھا۔ دیکھتے ہی پہچان گیا: مسٹر ماڈلین ہیں۔ میئر کو دیکھتے ہی جابرٹ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بڑے ادب سے سلام کر کے بولا "میئر صاحب! میری گستاخی معاف کیجئے۔ مجھے معلوم نہ ہوا۔ آپ کمرہ میں کس وقت تشریف لائے"۔

میئر کا لفظ سنتے ہی فینٹائن اُچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس سے بیشتر کہ سپاہی اُسے روک سکیں۔ اُس نے مسٹر ماڈلین کے سامنے جا کر آسیب زدہ کی طرح ایک بڑے زور کا قہقہہ لگایا۔ اور کہا "اخاہ! تم ہی میئر ہو"۔

پھر ہنس کر مسٹر ماڈلین کے مُنہ پر تھوک دیا۔ مسٹر ماڈلین

نے جیب سے رومال نکالا۔ اور اپنا منہ پونچھ کر جابرٹ سے کہا
"انسپکٹر جابرٹ! اس عورت کو بھی چھوڑ دو"۔
جابرٹ کے منہ میں گویا زبان نہ رہی۔ میئر کی یہ توہین!
اسی میئر کی جسے سوسائٹی گویا دیوتا سمجھ کر پوجتی تھی۔ جابرٹ
کو کبھی خواب میں بھی اس بات کا خیال نہیں آیا تھا۔ مگر آج
اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا + طرفہ یہ کہ میئر صاحب ملزم کو بغیر سزا
دیئے چھوڑ دینے کا حکم صادر کر رہے ہیں! جابرٹ ہکا بکا رہ
گیا اُس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔
میئر کے الفاظ کا فینٹائن پر بھی معمولی اثر نہ ہوا۔ وہ بید
لرزاں کی طرح کانپتی ہوئی آہستہ آہستہ بولی۔ مجھے چھوڑ
دیں گے؟ میں چھ ماہ کے لئے اب جیل خانہ نہ جاؤں گی؟
مجھے کس نے رہائی دلائی ہے؟ یقیناً مجھے رہائی دلانے والا
راکھشس کا اوتار میئر نہیں ہے + یہی شخص میری ذلت کا
موجب ہے۔ کارخانہ کے بعض ملازموں کے ورغلانے سے
اُس نے مجھے نکال دیا تھا۔ مسٹر جابرٹ! ذرا غور تو کیجئے۔
کتنا ظلم تھا۔ ایک بیکس غریب کو جو ایمان داری سے اپنا
کام کر رہی ہو۔ برخاست کر دیا۔ اُسی دن سے میرا زوال

شروع ہوگیا۔ میں نیچے گرنے لگی۔ مسٹر جابرٹ۔ آپ بڑے رحم دل ہیں۔ آپ نے غالباً سمجھ لیا ہے کہ جو واقعہ آج پیش آیا ہے۔ اس میں میرا قصور نہیں۔ آپ پولیس کے آدمی ٹھہرے کیا کرتے؟ کوئی فساد ہوجائے تو آپ کا فرض آپ کو مجبور کرتا ہے کہ ملزم کو گرفتار کریں۔ اسی لئے مجھے بھی گرفتار کیا تھا۔ مگر جب دیکھا کہ میں بے قصور ہوں تو مجھے چھوڑ رہے ہیں"

فینٹائن اُٹھی۔ اپنے کپڑے ٹھیک کرکے باہر جانے کے لئے دروازہ کی طرف بڑھی۔ جوں ہی اُس نے دروازہ کھولنے کے لئے چٹخنی پر ہاتھ رکھا۔ جابرٹ نے سپاہیوں کو مخاطب کرکے کہا "دیکھتے نہیں۔ ملزمہ فرار ہوئی جاتی ہے۔ اُسے کس نے چھوڑا ہے؟"

سپاہی ایک دوسرے کے مُنہ کی طرف دیکھنے لگے۔

مسٹر ماڈلن بولے "میں نے!"

جابرٹ کے الفاظ سُنتے ہی فینٹائن نے چٹخنی سے اُسی طرح ہاتھ اُٹھایا۔ جس طرح چور پکڑے جانے پر مال مسروقہ سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔ وہ دروازہ سے ہٹ گئی۔ اور کبھی جابرٹ اور کبھی مسٹر ماڈلن کو بیکسی سے تکنے لگی ؂

انسپکٹر جابرٹ نے کہا "میئر صاحب! ملزمہ کو بری نہیں کیا جا سکتا۔ اُس نے ایک شریف آدمی کی توہین کی ہے"۔

مسٹر ماؤلن بڑے ضبط اور استقلال سے کام لے کر بولے "انسپکٹر جابرٹ! میری بات سنئے۔ آپ عقل مند آدمی ہیں۔ آپ کو سمجھانے میں مجھے زیادہ تکلیف نہیں ہوگی۔ سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر میں نے اپنی آنکھوں سے تمام واقعات دیکھے ہیں۔ اور جو لوگ وہاں موجود تھے۔ ان میں سے بعض کی شہادت بھی لی ہے۔ میں جانتا ہوں آپ نے اصلی مجرم کو چھوڑ دیا ہے۔ اور اس بے قصور عورت کو گرفتار کر لیا ہے"۔

جابرٹ نے کہا "اس نے آپ کی بھی تو توہین کی ہے"۔

مسٹر ماؤلن نے جواب دیا "اپنی توہین کی بابت میں خود سمجھ لوں گا"۔

جابرٹ بولا "آپ کی میئر صاحب کی ہتک عدالت کی توہین ہے"۔

مسٹر ماؤلن نے کہا "انسپکٹر جابرٹ! سب سے بڑی عدالت انسان کا اپنا ضمیر ہے۔ یہ واقعہ میرا چشم دید ہے اور میں خوب سوچ سمجھ کر یہ حکم دے رہا ہوں"۔

جابرٹ نے جواب دیا۔" میں اپنا فرض ادا کروں گا۔ میرا فرض کہتا ہے کہ اس عورت کو چھ ماہ کے لئے سزا بھگتنی پڑے گی"
مسٹر ماڈلن نے حسب معمول پُرسکون لہجے میں کہا۔" انسپکٹر صاحب! سُن لیجئے۔ یہ عورت ایک روز کے لئے بھی جیل خانہ نہیں جائے گی"
جب جابرٹ نے دیکھا۔ کہ میئر کے رویہ میں ذرا بھی تبدیلی نہیں ہوئی۔ تو اُنہیں تیز نظروں سے گھورنے لگا۔ اور بولا۔" میری بڑی بدقسمتی ہے۔ کہ جو کام میں نے آج تک نہیں کیا تھا۔ وہ مجھے آج کرنا پڑ رہا ہے۔ مجھے اس بات کا بڑا افسوس ہے کہ میں آپ کے ساتھ اِس طرح پیش آنے پر مجبور ہوں۔ لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ میں انصاف اور ایمان کے رستہ پر چل رہا ہوں۔ اِس عورت نے ایک معزز آدمی کی توہین کی ہے۔ اور اس کا فیصلہ میں ہی کر سکتا ہوں"
مسٹر ماڈلن نے نہایت سنجیدہ لہجہ میں جواب دیا۔" انسپکٹر جابرٹ! تم غلط سمجھے ہو۔ اس معاملہ کا فیصلہ سٹریٹ پولس نہیں کر سکتی۔ اس کا فیصلہ کرنے کا اختیار میونسپل پولس ہی کو

حاصل ہے۔ مطابق دفعات ۱۱۔ ۱۵۔ اور ۶۶۔ ضابطہ فوجداری یہ معاملہ میرے ہی سامنے پیش ہونا چاہئے۔ اور میں حکم دیتا ہوں۔ یہ عورت فوراً رہا کردی جائے ؟"

جابرٹ نے آخری کوشش کی۔ اُس نے کہا "مگر میئر صاحب !"

ماؤلن قطع کلام کرکے بولا" میں آپ سے بزور درخواست کروں گا کہ آپ ۱۳ دسمبر ۱۷۹۹ء کے پاس شدہ قانون کی دفعہ ۸۱ ضرور دیکھیں۔ اُس میں آپ کو پتہ لگے گا۔ کہ حبس بیجا کی کیا سزا ہے ؟"

جابرٹ "براہ کرم میری"

ماؤلن "میں ایک لفظ نہیں سُننا چاہتا"

جابرٹ "تاہم"

ماؤلن "اِس کمرے سے باہر جاؤ"

جابرٹ فرشی سلام کرکے سر جُھکائے کمرہ سے باہر نکل گیا۔

جابرٹ کے چلے جانے پر مسٹر ماؤلن نے بڑی مشکل سے اپنے آنسوؤں کو ضبط کیا۔ اور فینٹائن سے یُوں مخاطب ہوئے "شریف خاتون! میں نے تمہاری سب باتیں سُنی

ہیں۔ تم نے جو کچھ کہا۔ اُس کا مجھے مطلق علم نہ تھا۔ مگر مجھے یقین
ہے۔ کہ وہ سچ ہے۔ تم نے میرا کارخانہ چھوڑ دیا ہے۔
اِس کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔ جب تمہیں برخاست
کیا گیا۔ اُس وقت تم نے مجھے لکھا کیوں نہیں؟ خیر اب
میں سب کچھ سمجھ گیا۔ اب میں تمہارا تمام قرضہ بیباق کر
دوں گا اور تمہاری بیٹی کو تمہارے پاس بلوا دوں گا۔
خواہ یہاں خواہ پیرس میں جہاں تمہارا جی چاہے رہو۔
میں تمہارے کُل اخراجات کے لئے روپیہ دیتا رہوں گا
جب تمہیں سُکھ چین نصیب ہوگا۔ تو تُم پھر ایمان دار بن
جاؤ گی۔ ایک بات اور سُنو۔ انسان کی نگاہوں میں تم ذلیل
و خوار اور قابلِ نفرت ہو سکتی ہو مگر خدا کی نظروں میں تم ہمیشہ
پاکیزہ اور نیک رہی ہو"۔

فینٹائن کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ وہ عالم بیداری میں ہے
یا عالم خواب میں۔ وہ سوچتی تھی۔ کیا سچ مچ خدا نے میری
تقدیر میں اتنی خوشی۔ اِس قدر آرام لکھا ہے؟ کیا سچ مچ
میں گناہوں کا راستہ چھوڑ کر راستی اور نیکی کی راہ پر چل
سکوں گی؟ کیا درحقیقت میری عزیز از جان بیٹی کسیٹ

پھر میری گود میں واپس آجائے گی؟"

فینٹائن کا کمزور دماغ مستقبل کی خوشی کے خیالات بھی برداشت نہ کرسکا۔ احسان مندی کے جوش میں اُس نے دوڑ کر ماڈلین کے پیر پکڑ لیئے اور اُنہیں چومنے لگی۔ اُس سے پیشتر کہ مسٹر ماڈلین اُسے اُٹھانے کی کوشش کریں۔ وہ بیہوش ہو گئی ۰

تیمارداری

مسٹر ماؤلن فینٹائن کو اپنے ہسپتال میں لے گئے اور اُس کے آرام و آسایش کا پُورا پُورا انتظام کر دیا۔ فینٹائن کو بڑے زور کا بُخار چڑھ گیا۔ جس سے وہ رات بھر ہذیان میں مبتلا رہی مگر صبح کے وقت وہ آرام سے سو گئی۔

دوپہر کے وقت جب وہ جاگی تو اُس نے اپنی چارپائی کے قریب ہی کسی کے سانس لینے کی آواز سُنی۔ جب پردہ ہٹایا تو دیکھا کہ مسٹر ماؤلن پاس ہی بیٹھے اُوپر کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اُن کی محبّت آمیز نگاہیں رحم و حلم کے جذبات سے معمور تھیں۔ دیوار پر صلیب کی ایک تصویر لٹک رہی تھی۔ فینٹائن نے دیکھا کہ اُن کی نگاہیں اُسی صلیب

پر جمی ہوئی ہیں۔ اور وہ شاید خدا سے دعا مانگ رہے ہیں +
تھوڑی دیر تک فینٹائن چُپ چاپ اُن کی طرف دیکھتی
رہی۔ پھر ڈرتی ڈرتی بولی "آپ کیا کر رہے ہیں؟"
مسٹر ماڈلن تقریباً ایک گھنٹہ سے اُس کے جاگنے
کا انتظار کر رہے تھے۔ اُنہوں نے فینٹائن کی نبض دیکھی
اور پُوچھا "تم کیسی ہو؟"
فینٹائن نے جواب دیا "بہت اچھّی طرح ہوں مجھے
نیند آگئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے اب میں اچھّی ہو رہی ہوں"+
فینٹائن کے پہلے سوال کا جواب مسٹر ماڈلن نے دیا۔
وہ سوال اُس نے ابھی کیا تھا "میں اُس شہید سے جو آسمان
پر ہے دعا مانگ رہا تھا" اور اپنے دل میں کہا۔ اُس شہید
کے لئے جو زمین پر ہے +
مسٹر ماڈلن شام سے صبح تک فینٹائن کی سرگذشت
سُنتے رہے۔ اب انہیں شروع سے لے کر آخر تک فینٹائن
کی ساری تاریخ معلوم ہو گئی +
فینٹائن کو مخاطب کر کے انہوں نے کہا "افوہ! تُم
نے بہت تکلیف اُٹھائی۔ اب غم و الم مت کرو۔ یہی وہ راستہ

ہے۔ جس پر چل کر انسان فرشتے بن جاتے ہیں۔ وہ دوزخ جس میں سے ہو کر تم آئی ہو بہشت کی پہلی سیڑھی ہے"۔

مسٹر ماؤلن نے بہت جلد تھینارڈیار کو خط لکھا فینٹائن کے ذمہ ۱۲۰ فرینک باقی تھے۔ اُنھوں نے ۳۰۰ فرینک بھیج کر لکھا کہ اپنا روپیہ جمع کر لو۔ اور لڑکی کو فوراً ایم شُر ایم پُہنچا جاؤ۔

خط پڑھ کر تھینارڈیار کی حیرت کا ٹھکانہ نہ رہا۔ اپنی بیوی کے پاس جا کر بولا" واہ! اب اس لڑکی کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ اب تو یہ ہمارے لئے پارس پتھر بن جائے گی۔ معلوم ہوتا ہے۔ ماں نے کسی کو پھنسا لیا ہے"۔

اُس نے ماؤلن کے خط کے جواب میں ۵۰۰ فرینک کا بل بھیج دیا۔ ان ۵۰۰ فرینک میں سے ۳۰۰ فرینک اُس کی دو بیٹیوں ایونائن اور زیلما کی بیماری پر خرچ ہوئے تھے۔ کیسیٹ بیمار نہ ہوئی تھی صرف بل میں نام بدل دیا گیا تھا۔ بل کے نیچے تھینارڈیار نے لکھ دیا" ۳۰۰ فرینک وصول ہو گئے"۔

مسٹر ماؤلن نے ۳۰۰ فرینک اور بھیجے۔ اور لکھا کہ

کسیبٹ کو جلدی لے آؤ ٭
ادھر تھینا رڈیار نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا۔ کہ لڑکی کو ہرگز جانے نہیں دوں گا ٭
فینٹائن ابھی تک تندرست نہیں ہوئی تھی اور بدستور شفاخانہ میں تھی۔ مسٹر ماؤلن ہر روز صبح شام دو دفعہ اُسے دیکھنے کے لئے آتے تھے۔ اور فینٹائن بار بار یہی پوچھتی تھی "میری کسیٹ آجائے گی؟"
ماؤلن جواب دیا کرتے "شاید کل ہی۔ ہر وقت اُس کے آنے کا منتظر ہوں"۔
یہ سُن کر ماں کا چہرہ ماہ تاباں کی طرح چمک اُٹھتا۔ وہ کہتی "مجھے کتنی خوشی ہوگی!"
ہم نے ناظرین کو بتلایا تھا۔ کہ فینٹائن ابھی تک تندرست نہ ہوئی تھی۔ بلکہ اُس کی حالت روز بروز خراب ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر نے اُس کے پھیپھڑے کا معائنہ کر کے سر ہلایا۔
ڈاکٹر نے دریافت کیا "کیا اُس کا کوئی بچہ ہے جسے دیکھنے لئے یہ اس قدر بیتاب ہو رہی ہے؟"
مسٹر ماؤلن نے جواب دیا "ہاں۔ ہے"٭

ڈاکٹر بولا "تو اُسے جلد منگوائیے"۔

مسٹر باؤلِن کانپ اُٹھے۔

فینٹائن نے پُوچھا "ڈاکٹر نے کیا کہا ہے؟"

مسٹر باؤلِن نے مُسکرانے کی کوشش کی اور کہا۔ "اُنہوں نے کہا ہے کہ تمہاری بچّی کو فوراً آ جانا چاہئیے۔ اس سے تمہاری صحت پر بہت اثر ہوگا"۔

فینٹائن نے کہا "سچ کہتے ہیں۔ مگر تھینارڈیار نے میری بچّی کو کیوں مجھ سے جُدا کر رکھا ہے؟ وہ آ رہی ہے اب میں سُکھ کی گھڑیاں دیکھ رہی ہوں"۔

تھینارڈیار نے کیسیٹ کو نہ آنے دیا۔ سینکڑوں حیلے بہانے پیش کئے۔ کیسیٹ کی جسمانی حالت بہت کمزور ہے۔ وہ سردی کے موسم میں باہر نہیں بھیجی جا سکتی۔ اس کے علاوہ ابھی کئی چھوٹے چھوٹے قرضوں کی ادائیگی باقی ہے۔ جن کے بل جمع کئے جا رہے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

مسٹر باؤلن نے فینٹائن سے کہا "کیسیٹ کو لانے کے لئے میں کسی کو بھیج دوں گا۔ اور اگر ضرورت درپیش ہوئی تو خود چلا جاؤں گا"۔

فینٹائن کی رائے سے اُنھوں نے مندرجہ ذیل خط لکھا۔
جس پر فینٹائن نے اپنے دستخط کر دیئے:۔

"مسٹر تھینارڈیار۔

براہ کرم کسبیٹ کو حامل رقعہ ہذا کے ساتھ روانہ کر دیجئے۔
آپ کا جو کچھ میرے ذمہ باقی ہوگا یہ ادا کر دیں گے"۔

"فینٹائن"

بارھواں باب

جابرٹ کی پشیمانی

خواہ کتنی ہی کوشش و جانفشانی اور کیسے روشن رنگوں میں ہم اپنی زندگی کی پُراسرار تصویر اپنے سامنے کھینچیں۔ تقدیر کی سیاہ لکیر اُس چمک میں اپنا رنگ بھر دیتی ہے ÷

ایک روز کا ذکر ہے مسٹر باؤلن اپنے دفتر میں بیٹھے سرکاری کاغذات کا ملاحظہ کر رہے تھے۔ ایسے کئی ضروری کام باقی تھے جنہیں پورا کئے بغیر اُن کا کسیٹ کو لانے کے لئے جانا بڑا مشکل تھا۔ اگر وہ نہ جائیں۔ تو کسیٹ کا تھینارڈیا کے پنجہ سے باسانی چھٹکارا پانا مشکل تھا÷ یہی وجہ تھی کہ وہ جلدی جلدی اپنا کام ختم کر رہے تھے۔ اُسی وقت ایک

ملازم نے کمرہ میں داخل ہو کر کہا "انسپکٹر جابرٹ آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں" +

جابرٹ کا نام سنتے ہی مسٹر باؤلن کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اُنہوں نے ملازم سے کہا "کہو۔ اندر آ جائیں" +

اندر آ کر جابرٹ نے بڑے ادب سے میئر کو سلام کیا۔ اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ آج جابرٹ کے چہرے کی حالت بالکل بدلی ہوئی تھی۔ اُس پر غصے نفرت یا شک ان میں سے کسی چیز کا بھی نشان نہ تھا + جو چہرہ کبھی پتھر کی طرح بے حس معلوم ہوا کرتا تھا۔ جو جذبات کے رنگ سے خالی ہوتا تھا اور جسے دیکھ کر کوئی اُس کے دل کی حالت ذرا بھی معلوم نہ کر سکتا تھا۔ آج اس چہرے پر غم والم کی گھٹا چھائی ہوئی تھی +

میئر نے جابرٹ سے کہا "آیئے مسٹر جابرٹ! کیا خبر ہے؟"

جابرٹ لمحہ بھر کے لئے خاموش رہا گویا سوچ رہا ہے کہ بات کس طرح شروع کروں + پھر بولا۔ جناب! میں آپ سے ایک مجرم کے مقدمہ کے فیصلہ کی درخواست کرنے

آیا ہوں - ایک حقیر ملازم نے اپنے افسرِ اعلیٰ کی سخت توہین کی ہے اور اُن پر شک کیا ہے ۔"

مسٹر ماؤلن نے پُوچھا ۔" وہ مجرم کون ہے ؟"

جابرٹ نے جواب دیا ۔" میں !"

مسٹر ماؤلن نے دریافت کیا ۔" وہ کون سا افسر ہے جس کی تم نے توہین کی ہے ؟"

جابرٹ بولا ۔" جناب ! آپ ہی وہ افسر ہیں ۔ مجھ سے ایک بڑا قصور سرزد ہوا ہے ۔ میں انسپکٹری کے لایق نہیں ۔ آپ مجھے موقوف کر دیجئے ۔"

ماؤلن صاحب کچھ نہ سمجھ سکے کہ دراصل معاملہ کیا ہے ۔ کچھ جواب دینا ہی چاہتے تھے کہ جابرٹ نے پھر یوں کہنا شروع کیا :-

" میئر صاحب ! آپ شاید کہیں گے کہ جب تم استعفےٰ داخل کر سکتے تھے ۔ تو پھر برخاست کیوں ہونا چاہتے ہو ؟ اس کا سبب یہی ہے کہ اگر میں عزّت سے استعفےٰ دے دوں ۔ تو پھر مجھے اپنے جرم کی سزا کہاں ملی ؟"

مسٹر ماؤلن بولے ۔" جابرٹ ! تمہاری بے معنی باتوں کا

مطلب کیا ہے؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ میرے ساتھ تم نے کوئی ناواجب سلوک روا نہیں رکھا"۔

جابرٹ کہنے لگا "جناب! آپ کی شکل وشباہت ایک مفرور قیدی سے مشابہ سمجھ کر میں آپ ہی کو وہ قیدی خیال کرتا رہا ہوں۔ چنانچہ میں آپ کو نفرت اور شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ آپ کی غیر معمولی جسمانی طاقت۔ فکلیونیٹ کو گاڑی کے پہیہ کے نیچے سے نکالنا۔ آپ کا بے خطا نشانہ اور رنگ ڈھنگ دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا تھا۔ کہ خوفناک ڈاکو ژبلجین آپ کے سوا اور کوئی نہیں ہے محض اسی پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ میری گستاخی اس سے بھی تجاوز کر گئی۔ میں نے اس بات کو پیرس میں اپنے افسر اعلیٰ کے پاس بھی لکھ بھیجا"۔

مسٹرماؤلن نے کسی قدر بے التفاتی سے پوچھا "افسر نے کیا جواب دیا"؟

جابرٹ بولا "انہوں نے تحریر فرمایا ہے۔ کہ میں دیوانہ ہوں۔ کیونکہ اصلی ژبلجین گرفتار ہو چکا ہے۔ وہ بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔ اور اپنا نام چیمپ میتھو بتلاتا تھا۔ تھوڑے دن

ہوئے وہ سیب چُراتا ہوا پکڑا لیا گیا۔ تحقیقات کے بعد اُس
کے اصلی نام کا پتہ لگ گیا۔ اور اب آراس کی عدالت میں
اس پر مقدمہ چلایا جا رہا ہے۔ بلجین کے ساتھ کے ایک
قیدی نے جس کا نام بریویٹ ہے۔ اُسے شناخت کر لیا
ہے۔ پولس کمشنر صاحب نے مجھے بھی طلب کیا تھا۔ میں
نے بھی جا کر اُسے پہچان لیا۔ اور میری بڑی مہلک غلطی
رفع ہو گئی۔ اب میں سمجھ گیا ہوں کہ میں پولس کے کام کے
لائق نہیں۔ میں نے اپنے دل میں عہد کر لیا ہے کہ آپ سے
سب باتیں مفصّل طور پر عرض کر دوں گا۔ اور تمام عمر کے لئے
پولیس کے کام سے کنارہ کشی اختیار کر لوں گا۔ جناب! میرا
قصور معاف فرمائیے اور مجھے محکمۂ پولس سے برخاست
کر دیجئے۔ تاکہ میں اپنے گذشتہ اعمال کی توبہ کر سکوں۔"

مسٹر [illegible] نے بے رُخی سے جواب دیا۔ "ان باتوں
کی بنا پر خواہ شور مچانا لاحاصل ہے۔ خیر! معلوم ہوتا
ہے کہ اس مقدمہ میں شہادت دینے کے لئے تمہیں بھی
آراس جانا پڑے گا؟"

جابرٹ نے کہا۔ "جی ہاں۔ آج ہی رات کو مجھے جانا ہوگا

کل وہاں حاضری ہے"۔

مسٹر ماؤلن نے پوچھا "مقدمہ کل ہی ختم ہوجائے گا؟"

جابرٹ نے جواب دیا "جی نہیں۔ مگر میں اجلاس کے اختتام تک نہیں ٹھہروں گا۔ جس وقت میری شہادت ہو چکے گی۔ چلا آؤں گا"۔

یہ سُن کر مسٹر ماؤلن ذرا فکرمند سے نظر آئے۔ اُنہوں نے کہا "جابرٹ! تم نے کوئی ایسا قصور نہیں کیا۔ جس کے لئے اس قدر پشیمان ہو رہے ہو۔ ملازمت چھوڑ دینے کا ارادہ ترک کردو۔ اطمینان کے ساتھ جا کر اپنا فرض ادا کرو۔ مجھے شروع ہی سے یقین تھا۔ کہ تم فرض شناس افسر ہو۔ اب وہ یقین اور بھی مضبوط ہوگیا۔ اب تم جا سکتے ہو۔ پھر ملیں گے"۔

مسٹر ماؤلن نے مصافحہ کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ مگر جابرٹ پیچھے ہٹ گیا۔ اُس نے میئر کے ہاتھ کو چھُوا تک نہیں۔ نہایت عاجزی سے بولا "میئر صاحب! آپ مجھے معاف فرمائیں۔ میں آپ کا ہاتھ چھُونے کے لائق نہیں ہوں۔ آپ میئر ہیں اور میں ایک حقیر جاسوس"۔

دور ہی سے میئر کو سلام کرکے جابرٹ کمرے سے

باہر چلا گیا ؎

جب تک جابرٹ نظر آتا رہا۔ مسٹر ماڈلن اُس کی طرف دیکھتے رہے۔ جس وقت وہ نظر سے اوجھل ہو گیا مسٹر ماڈلن ایک لمبی سرد آہ بھر کر بیٹھ گئے ؎

ضمیر کی آواز

جس روز صبح کے وقت جا برٹ آیا تھا۔ اُس دن حسب معمول شام کے وقت ماؤلن صاحب فینٹائن کو دیکھنے گئے۔ یُوں تو فینٹائن ہر روز مسٹر ماؤلن کا انتظار کیا کرتی اور کہتی جس وقت ماؤلن صاحب میرے پاس ہوتے ہیں۔ اس وقت میں زندہ ہوتی ہوں۔ مگر آج اُسے شدّت کا بخار چڑھا ہوا تھا۔ جوں ہی مسٹر ماؤلن کمرہ میں داخل ہوئے فینٹائن نے پوچھا۔

کسیٹ کہاں ہے؟"

مسٹر ماؤلن نے مُسکرا کر کہا" بہت جلد آئے گی"۔

مسٹر ماؤلن حسب معمول فینٹائن سے باتیں کرتے رہے آج اُنہوں نے بجائے نصف گھنٹہ ٹھہرنے کے ایک گھنٹہ

زیادہ ٹھہر کر فینٹائن کی دلجوئی کی۔ پھر ہر شخص کو یہ تاکید کرنے کے بعد کہ فینٹائن کو کسی قسم کی تکلیف یا کمی محسوس نہ ہو وہ اپنے دفتر میں واپس چلے گئے۔ اور جو سڑک پیرس کو جاتی تھی۔ اُس کا نقشہ دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر تک اُس کا ملاحظہ کرنے کے بعد نوٹ بک میں کچھ یادداشت درج کی اور پھر مکان سے باہر نکل آئے۔

وہ اپنے مکان سے نکل کر سیدھے شہر کے آخری اصطبل میں پہنچے اور اصطبل کے مالک کو پکار کر پوچھا "ماسٹر سکفیر! تمہارے پاس کوئی اچھا گھوڑا ہے؟"

اصطبل والے نے جواب دیا "میئر صاحب! میرے سبھی گھوڑے اچھے ہیں۔ اچھے گھوڑے سے آپ کا کیا مطلب ہے؟"

مسٹر مائولن نے کہا "میرا مطلب ایسے گھوڑے سے ہے جو دن میں ساٹھ میل چل سکتا ہو۔ اور اگر ضرورت پڑے تو اگلے ہی دن واپس آنے کے قابل بھی ہو۔"

اصطبل کے مالک نے جواب دیا "جی ہاں۔ آپ جیسا گھوڑا چاہتے ہیں میرے پاس موجود ہے۔ مگر وہ گھوڑا زین

کی سواری میں نہیں جائے گا۔ ٹم ٹم میں چلے گا۔ آپ ٹم ٹم ہانکنا جانتے ہیں ؟"

مسٹر ماؤلن :- "ہاں"۔

اصطبل والا :- "آپ کو اکیلے جانا پڑے گا۔ اور ساتھ وزنی سامان بھی نہ لے جاسکیں گے"۔

ماؤلن :- "بہت اچھا"۔

اصطبل والا :- "۳۰ فرینک روزانہ مجھے دینے ہوں گے اور جس روز گھوڑا بیٹھا رہے گا اُس دن کے بھی ۳۰ فرینک لوں گا۔ گھوڑے کی خوراک بھی آپ ہی کے ذمّہ ہو گی"۔

ماؤلن :- "مجھے منظور ہے"۔

جیب سے بٹوا نکال کر اور ۶۰ فرینک میز پر رکھ کر مسٹر ماؤلن بولے :- "لو دو روز کا کرایہ پیشگی دیتا ہوں۔ صبح کو ٹھیک ساڑھے چار بجے ٹم ٹم میرے مکان پر پہنچ جائے"۔

اصطبل کے مالک نے جواب دیا "بہت بہتر"۔

ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ مسٹر ماؤلن ہی بلجین ہیں۔

گھر واپس آنے پر ماؤلن کو نیند نہ آئی۔ ہزاروں تفکّرات نے اُن کے دماغ میں ایک زبردست طوفان برپا کر دیا۔

اُن کے سینہ میں جذبات کے درمیان کشمکش ہونے لگی۔ ایک لمبی آہ بھر کر وہ اپنے دل میں کہنے لگے "مجھے کس کا خوف۔ کس کا فکر ہے؟ میرے عہد گزشتہ کے زمانہ حال تک آ جانے کی صرف ایک راہ تھی۔ اب وہ راہ بھی بند ہوگئی۔ سایہ کی مانند میرا تعاقب کرکے جابرٹ نے میری زندگی کو عذاب بنا رکھا تھا۔ آج اُس کا شک و شبہ کامل طور پر رفع ہو گیا اُس نے سمجھ لیا۔ کہ اصلی ہلجین گرفتار ہو گیا! میرے متعلق اس بے بنیاد یقین کو دل میں جگہ دے کر اور پولس کی ملازمت چھوڑ کر جابرٹ اب چلا ہی جائے گا۔ اس میں میرا قصور کیا ہے؟ یہ جو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک جھوٹا۔ اور فرضی۔ ناٹک کھیلا جا رہا ہے اس کا ذمہ دار کون ہے؟ میں تو اس کے کسی حصّہ کے ایکٹنگ کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ ضرور خدا ہی کی مرضی سے ایسا ہو رہا ہے۔ کیا میں اپنی خوشی سے گرفتار ہونے کے لئے جاؤں؟ گرفتار ہو کر اُس کارساز کی مرضی کے خلاف اس چشمہ کی لہر کا رُخ دوسری طرف کیوں تبدیل کروں؟ اُسی کی مرضی پوری ہو! میں چپ چاپ کھڑا تماشہ دیکھوں"۔

اس کے بعد وہ پھر بحر فکر میں ڈوب گیا۔ تھوڑی دیر بعد گومگو کے لہجہ میں خود بخود کہنے لگا:۔ اور اگر میں اقبال کرلوں تو کیا ہوگا؟ اوّل تو ایک بے گناہ شخص قانون کے ہاتھوں سخت سزا پانے سے بچ جائے گا۔ دوسرے مجھے ضمیر کی لعنت ملامت اور اُس کے بچھّو کے سے نیش سے نجات مل جائے گی۔ تیسری میری عاقبت سدھر جائیگی۔ دوزخ کی راہ میرے لئے ہمیشہ کے واسطے بند ہو جائے گی۔ مگر دنیا کو کس قدر ناقابل تلافی نقصان پُہنچے گا؟ بُوڑھا چیمپ تو ضرور قانون کے پنجہ سے رہائی پا جائے گا۔ مگر مجھے اپنی باقی عمر جیل خانہ میں سڑنا پڑے گا۔ میرے ساتھ ہی اس عظیم الشّان کاروبار اور کارخانہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ ہزارہا مزدور اور اُن کے بال بچّے جو میرے بھروسہ پر اسی کارخانہ کی بدولت جی رہے ہیں۔ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے؟ یہ خوش حال شہر خاک میں مل جائے گا۔ یہ بے شمار کھیلیں اور کارخانے جن کی چمنیوں سے دن رات دھواں نکلتا رہتا ہے۔ یہ غریب مزدور جو آج مزے دار کھانوں سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ یہ سب کچھ

کس کے طفیل ہے؟ میری بدولت۔ میں نے ہی اس شہر کی قسمت کا آفتاب چمکایا۔ میں نے ہی روپیہ پیدا کرنے کی اور اُس کی حفاظت اور ترقی کی ترکیبیں ڈھونڈ نکالیں۔ میں نے ہی ایک رو بہ تنزل اور قریب قریب مُردہ کاروبار کو دوبارہ زندہ کر دکھایا۔ میرے ساتھ ہی یہ کاروبار ختم ہو جائے گا۔ یہ کارخانے مٹی میں مل جائیں گے۔ اس کے بعد یہ قسمت کی ماری فینٹائن جس کی تباہی اور بدقسمتی کا سب سے بڑا سبب میں ہوں۔ جس کی حفاظت کرنے کا میں نے عہد کیا ہے۔ جس کی نورِ نظر کسیٹ کو لا دینے کا میں ارادہ اور وعدہ کر چکا ہوں۔ اُس کا پھر کیا حال ہو گا؟ بدنصیب فینٹائن کے متعلق کیا میرا کوئی فرض نہیں ہے؟ میں چلا جاؤں گا تو اُس کی کیا حالت ہو گی؟ شکستہ دل ماں مر جائے گی۔ اور بے یار و مددگار بیٹی ماری ماری پھرے گی۔

علاوہ ازیں اگر میں اقبال نہیں کرتا تو اُس سے نقصان کیا ہے؟ نقصان صرف یہی ہے کہ بوڑھا چیمپ قید ہو جائے گا۔ اس نے چوری کی ہے۔ چوری کا ثبوت بہم پہنچنے پر وہ جیل خانہ جائے گا۔ اُس سے دنیا کو کیا نفع نقصان ہو سکتا

ہے؟ مجھے کیا فائدہ یا نقصان ہے؟ میں دنیا میں رہ کر اپنے کاروبار کو فروغ دوں گا۔ دس سال کے عرصہ میں دس کروڑ روپے پیدا کروں گا۔ اور اُس رقم کو کارخانہ کی ترقی میں خرچ کر کے دُنیا کو فایدہ پہنچانے کی کوشش کروں گا۔ اس سے کارخانوں کی تعداد میں اضافہ ہو گا۔ مزدوروں کی مالی حالت میں اصلاح ہوگی۔ ہزارہا کُنبوں کے لئے ذریعہ معاش کا دروازہ کُھل جائے گا۔ افلاس دُور ہو گا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ چوری۔ خون۔ قتل و غارت گری بہت سی خرابیاں دنیا کے تختہ سے اُٹھ جائیں گی"۔

ماؤلن اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ متفکرانہ انداز سے کمرہ میں ٹہلنے لگا۔ ٹہلتے ٹہلتے یک لخت رُک گیا۔ کہنے لگا "نہیں۔ بس اب اَور نہیں۔ اس معاملہ کو زیادہ طول نہ دوں گا۔ میرے ساتھ بلجین کا رشتہ جو باقی ہے۔ اُسے آج قطع کر دوں گا۔ اسی مکان میں میرے ہاتھوں کے قریب اور میری آنکھوں کے سامنے بہت سی ایسی اشیاء موجود ہیں جو اُس رشتہ کی خاموش شہادت دیتی ہیں۔ میں اُنہیں اسی لمحہ تباہ کر دوں گا"

ماؤلن نے اپنی جیب سے بٹوا نکالا۔ اور اس میں سے

ایک چھوٹی سی چابی لے کر ایک الماری کھولی۔ اور اُس میں سے کچھ پھٹے پُرانے کپڑے نکالے + ان میں ایک پھٹا ہوا نیلے رنگ کا کوٹ۔ ایک کچھ جلا ہوا پائجامہ۔ ایک جھولی اور ایک موٹی چھڑی تھی۔ ماہ اکتوبر ۱۸۱۵ء میں ڈی شہر سے جاتے وقت بلجین کو جس کسی نے دیکھا ہوگا وہ فوراً پہچان لے گا۔ کہ یہ کُل سامان ڈاکو بلجین ہی کا ہے۔ + ماؤلن نے خوف زدہ نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازہ بند تھا۔ دیوار کے قریب انگیٹھی میں آگ دہک رہی تھی + ماؤلن نے ڈاکو بلجین کے متعلق خاموش شہادت دینے والی اشیاء کو آگ کے حوالے کر دیا۔ آگ بھڑک اُٹھی۔ سارا کمرہ روشن ہوگیا۔ آگ کی طرف سے نظر پھیر کر ماؤلن صاحب کمرہ میں چکر کاٹنے لگے۔ یکایک اس کی نظر انگیٹھی پر پڑی۔ پادری مریل صاحب کے دیئے ہوئے دونو شمع دان اس پر رکھے تھے۔ روشنی میں خوب چمک رہے تھے۔ اُسے خیال آیا۔ ٹھہرو۔ اُن میں بھی بلجین ہے۔ اُنہیں بھی ختم کرنا چاہیئے چنانچہ اس نے دونو شمع دانوں کو اُٹھا کر آگ میں پھینک دیا + یکایک اُسے ایسا محسوس ہُوا جیسے کوئی پکار رہا ہے۔

بلجین! بلجین!

مارے خوف کے وہ کانپ اُٹھا۔ آواز آنے لگی" بیشک ٹھیک ہے۔ اُن شمع دانوں کا نشان تک صفحۂ ہستی سے فنا کردو۔ اُس یادگار کو مٹا ڈالو۔ پادری کو بھول جاؤ چیمپ میتھو کی زندگی برباد کردو۔ یہی ٹھیک ہے۔ وہ بُوڑھا آدمی جسے یہ بھی معلوم نہیں کہ لوگ اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ جو شاید بالکل بیقصور ہے۔ جس کی بدقسمتی کا باعث تمہارا ہی نام ہے۔ تمہارے بجائے سزا پائے گا۔ اپنی زندگی غم والم میں گُذار دے گا + خوب! تم خوب ایمان دار بن جاؤ۔ میئر رہو۔ معزز بنو۔ شہر کو خوش حال اور فارغ البال بناؤ۔ غریبوں کی مدد کرو۔ خوش رہو۔ نیک اور پاک کہلاؤ۔ تعریف کی دھڑیاں لُوٹو۔ اور اُدھر تمہاری سُرخ قمیص پہنے تمہارے نام پر تمہارے اعمال کے باعث ایک شخص جیل خانہ میں سڑے! ہاں بہت خوب ہے! اُف! ارے بیدرد قسائی!

ماؤلین کی پیشانی سے پسینہ چھُوٹ نکلا۔ وہ شمع دانوں کی طرف دیکھنے لگا۔ ابھی ضمیر کی آواز آرہی تھی" بلجین! چاروں طرف اپنی تعریف سُنو گے۔ تمہیں لوگ دعائیں بھی دیں گے۔ مگر تاریکی

ہیں تمہارے سر پر بد دعاؤں کی بارش ہوگی۔ انہیں کوئی نہ سن سکے گا۔ لیکن او ملوث گنہگار انسان! سب دعائیں یہیں رہ جائیں گی۔ اور تیرے ساتھ بد دعائیں خدا کے پاس پہنچیں گی"

پہلے یہ آواز بہت دھیمی تھی۔ مگر رفتہ رفتہ بلند تر گئی۔ ماؤلن نے سوچا کہ یہ میری اپنی آواز تو نہیں؟ آخری الفاظ اس قدر صاف تھے۔ کہ وہ سہم کر کمرے میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔

اس نے زور سے پوچھا "یہاں کون ہے؟"

پھر خود بخود کہنے لگا "کیسا احمق ہوں۔ یہاں کون ہے؟"

وہاں کوئی تھا تو ضرور۔ مگر ایسا نہ تھا جو ان آنکھوں سے نظر آسکتا۔ شمع دانوں کو آگ میں سے نکال کر ماؤلن نے انگیٹھی پر رکھ دیا۔ خود کمرہ میں ٹہلنے لگا۔ ٹہلنے سے اُسے ذرا تسکین حاصل ہوئی۔ اس وقت تین بجے تھے۔ اور وہ متواتر پانچ گھنٹہ سے اسی حالت میں ٹہل رہا تھا۔ آخر کرسی پر بیٹھ گیا۔ سوچتے سوچتے ذرا آنکھ جھپک گئی مگر بُرے بُرے خوابوں نے سونا دشوار کر دیا۔

انگیٹھی کی آگ بجھ چکی تھی۔ شمع کوئی دم کی مہمان تھی۔ مگر

رات اب بھی تاریک تھی + وہ اُٹھا اور کھڑکی کے پاس گیا۔ سڑک صاف نظر آتی تھی۔ ستارے ڈوب چکے تھے۔ نیچے سے کچھ آواز آ رہی تھی۔ اس نے اِس طرف نگاہ پھیری۔ دو سرخ ستارے نظر آئے۔ اُن کی روشنی رات کی تاریکی میں گھٹتی اور بڑھتی دکھائی دیتی تھی + نیم خوابیدہ حالت میں اُسے خیال آیا۔ آسمان پر تو اب ستارے نہیں ہیں۔ شاید ذہن پر آ گئے ہیں"

پھر آواز آئی۔ جس سے وہ اچھی طرح بیدار ہو گئے۔ اور دیکھ لیا۔ کہ وہ ستارے نہیں ہیں۔ بلکہ ٹُم ٹُم کے دو لمپ ہیں۔ اور جو آواز سنائی دیتی تھی۔ وہ ٹُم ٹُم کے گھوڑے کی کی ٹاپ تھی +

اُس نے سوچا "اس ٹُم ٹُم کا کیا مطلب؟ اس قدر سویرے کون آ سکتا ہے؟"

عین اسی وقت کوئی شخص آکر دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ ماؤلین مارے ڈر کے لرز اُٹھا۔ زور سے چلّا کر پوچھا "کون ہے؟"

ماؤلن نے سُنا۔ باہر سے کوئی شخص جواب دے رہا ہے "جناب! میں ہوں"

ماڈلن سمجھ گیا کہ یہ اُن کی خادمہ کی آواز ہے ؎

"جناب! ٹم ٹم آئی ہے۔"

"کس کی ٹم ٹم؟"

"آپ نے کرایہ کی ٹم ٹم کا بندوبست کیا تھا۔ اصطبل کا سائیس ٹم ٹم لایا ہے" ؎

"کون سا اصطبل؟"

"ماسٹر سکفیر کا اصطبل" ؎

یہ سُن کر ماڈلن یکایک کانپ اُٹھا۔ جیسے اس کی آنکھوں کے آگے بجلی کوند گئی تھی۔ اُس نے بے تعلقی سے کہا۔ "ہاں ماسٹر سکفیر!" اور پھر کسی فکر میں غرق ہو گیا ؎

جب کوئی جواب نہ ملا۔ تو خادمہ نے پھر پوچھا۔ "میر صاحب! اُسے کیا جواب دوں؟"

ماڈلن نے کہا۔ "اُسے کہو میں ابھی چلوں گا" ؎

چودھواں باب

آراس کے رستے میں

علی الصبح ایک ڈاک گاڑی بڑی تیز رفتار سے ایم سُر ایم کی طرف چلی آ رہی تھی۔ ادھر مسٹر ماڈلن دیوانہ وار بڑے زور سے ٹم ٹم ہانکتے دوسری طرف جا رہے تھے۔ یکایک ڈاک گاڑی کا بمب آ کر ٹم ٹم سے ٹکرایا۔

ٹم ٹم ٹوٹی تو نہیں۔ مگر کچھ پرزے ڈھیلے ہو گئے۔ ماڈلن کی ادھر توجہ نہ تھی۔ تیزی سے ٹم ٹم ہانکتے چلے گئے۔

ڈاک گاڑی کے کوچوان نے گو مگو لہجہ میں کہا "معلوم ہوتا ہے اس آدمی کو کہیں پہنچنے کی بہت جلدی ہے"۔

جو سڑک آراس کو جاتی تھی۔ اُس پر ایم سُر ایم سے کچھ فاصلہ پر ہیڈن نام کا ایک گاؤں تھا۔ یہاں ایک سرائے

دیکھ کر ماؤلن نے ٹم ٹم روک لی۔ سوچا کہ گھوڑے کو کچھ کِھلا پلا کر۔ اور تھوڑی دیر آرام کر کے آگے چلیں گے۔ دِن چڑھ گیا تھا۔ دھوپ نکل آئی تھی۔ ٹم ٹم میں بیٹھے بیٹھے اُنھوں نے سرائے کے سائیس کو گھوڑے کے لئے دانہ لانے کو کہا۔ دانہ لاکر سائیس گھوڑے کو کِھلانے گیا۔ ٹم ٹم کی حالت دیکھ کر بولا۔ "اِس ٹم ٹم پر آپ کتنی دور سے آرہے ہیں؟"

"پندرہ میل سے!"

"اوہ!"

"کیوں؟ تعجب کیوں کرتے ہو؟"

سائیس نے ٹمٹم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اس ٹم ٹم پر آپ پندرہ میل آئے ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے اب آپ ایک میل آگے نہ جاسکیں گے"۔

اصل میں ایک پرزہ ناکارہ ہوگیا تھا۔ ٹم ٹم سے اُتر کر ماؤلن صاحب نے دیکھا۔ تو واقعی ایسی ٹم ٹم چلانا خطرناک تھا۔ سرائے کے سائیس سے پوچھا یہاں آس پاس کوئی مستری رہتا ہے؟

سائیس نے جواب دیا۔ "جی ہاں۔ مستری کو بلاؤں کیا؟"

ماسٹر بول گلارڈ!"

ماسٹر بول گلارڈ دروازے پر ہی کھڑا تھا۔ سائیس کی آواز سن کر فوراً چلا آیا اور ٹم ٹم کو خوب غور سے دیکھنے لگا۔

ماؤلن نے پوچھا "تم اس کی مرمت کر سکتے ہو؟"

"جی ہاں"

"میں کس وقت سفر کر سکوں گا۔

آپ کل دوپہر سے پہلے تو کسی حالت میں نہیں جا سکتے۔ پورے ایک دن کا کام ہے۔ آپ کو بہت جلدی ہے کیا؟"

"جلدی؟ ایک گھنٹہ سے زیادہ تو میں کسی صورت نہیں ٹھہر سکتا۔"

"ناممکن! کل سے پہلے آپ نہیں جا سکتے۔"

"یہاں کرایہ کی کوئی ٹم ٹم مل سکتی ہے؟"

"نہیں۔"

"خریدی جا سکتی ہے؟"

"نہیں۔"

"آراس جانے والی ڈاک گاڑی یہاں کس وقت پہنچتی ہے؟"

"رات کے ایک بجے"۔

"اس گاؤں میں کوئی اور لوہار ہے؟"

"نہیں"۔

ماؤلن کو خوشی ہوئی۔ سمجھا اس میں خدا کی کوئی مصلحت ہے۔ جو ٹم ٹم راستے میں ٹوٹ گئی + اسے مشیت ایزدی سمجھنا چاہئے۔ آدھی راہ طے کر چکنے کے بعد میری رفتار رُک گئی۔ یہ اسی کریم کارساز کی مرضی ہے"۔

ماؤلن اسی ادھیڑ بن میں محو تھے۔ کہ ایک بڑھیا نے آکر کہا۔ "جناب! میرا بیٹا کہتا ہے۔ اگر آپ کو کرایہ پر ٹم ٹم چاہئے؟ تو میرے پاس موجود ہے۔ آپ اُسے لے جائیں"۔

ماؤلن پر سنسنی طاری ہو گئی۔ اُنہیں اس بات کا احساس ہُوا۔ کہ خدا کی مرضی تو کچھ اور ہے۔ وہ اپنے تئیں آزاد خیال کر رہے تھے۔ مگر نہیں۔ جس ہاتھ نے اُنہیں چھوڑ دیا تھا اس نے پھر اُنہیں خوب مضبوطی سے اپنے پنجہ میں پکڑ لیا + اب اُنہوں نے فضول وقت گنوانا مناسب نہ سمجھا۔ اور بڑھیا کی ٹم ٹم لے کر بڑی تیز رفتار سے آراس کو روانہ ہو گئے۔

شام ہو گئی تھی۔ ماؤلن صاحب ٹنکوبس نام کے ایک

موضع میں پہنچے۔ مگر وہاں آرام نہ کیا۔ گاؤں سے باہر نکل کر آراس کا راستہ لیا۔ وہاں سڑک کی مرمت ہو رہی تھی۔ کنکر بچھائے جا رہے تھے۔ اُنہوں نے ٹم ٹم کو روک لیا اور ایک مزدور سے پُوچھا "یہاں سے آراس کتنی دُور ہے؟"

"۲۱ میل سے کچھ زیادہ۔"

یہ کیوں؟ ڈاک خانہ کی کتاب میں تو صرف ۱۵ میل لکھا ہے۔"

"اس میں ٹھیک ہی لکھا ہے۔ سیدھے راستے جاؤ تو پندرہ ہی میل ہے۔ مگر اس وقت آپ ادھر سے نہیں جا سکیں گے۔ سڑک کی مرمت ہو رہی ہے۔ دوسرے راستہ سے جانا پڑے گا اور وہ راستہ بہت چکّر کھا کر گیا ہے۔"

"شاید اندھیرے میں راہ سے بھی بھٹک جاؤں؟"

"بہت ممکن ہے۔ جناب! اگر آپ میری بات مانیں تو اس وقت ٹنکولیس کو واپس چلے جائیں۔ وہاں ایک اچھّا ہوٹل بھی ہے۔ رات بھر وہاں آرام کیجئے۔ صبح اُٹھ کر چلے جایئے گا۔"

"ناممکن۔ خواہ کسی طرح ہو مجھے آج ہی رات کو آراس پہنچنا ہے۔"

"آپ کی مرضی۔"

ماؤلن نے گھوڑے کے خوب زور سے چابک مارا۔ وہ ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ سڑک پر جو مزدور کام کر رہے تھے۔ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے ❊

ادھر جب فینٹائن نے سنا۔ کہ ماؤلن صاحب کسی ضروری کام پر دو تین روز کے لئے ایم سُر ایم سے باہر تشریف لے گئے ہیں۔ تو اُسے یقین ہو گیا۔ وہ ضرور کسیٹ کو لانے کے لئے مونٹ فارمل گئے ہیں۔ فینٹائن کا دن بڑی خوشی سے گذرا۔ رات کو اُس کا بخار تیز ہو گیا۔ ساری رات جاگتی رہی۔ اُسے ذرا نیند نہیں آئی۔ اگلے دن صبح کو جب ڈاکٹر اُسے دیکھنے کے لئے آیا۔ تو اس پر ہذیان کی حالت طاری تھی۔ ڈاکٹر گھبرایا۔ جاتے وقت دایا سے کہتا گیا "مریضہ کی حالت اچھی نہیں ہے مسٹر ماؤلن کے واپس پہنچتے ہی انہیں اس امر کی اطلاع دے دی جائے" ❊

صبح کے وقت فینٹائن کا دل غم و فکر کی کالی گھٹاؤں سے گھرا ہوا تھا۔ وہ کبھی اپنے پلنگ کی چادر کو مٹھی میں سمیٹ کر گرہ لگاتی۔ کبھی اُسے کھول دیتی۔ کبھی آپ ہی آپ کچھ بڑبڑانے لگتی۔ گویا کچھ حساب کر رہی ہے۔ اسکی آنکھوں میں وہ

پہلی سی چمک نہ تھی - بہت کم پلک جھپکتی تھی۔ البتہ کبھی کبھی اُس کی آنکھوں میں ایک نُور سا پیدا ہو جاتا تھا - اور وہ تاروں کی مانند چمک اُٹھتی تھیں + معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت کے وقت جب دنیا کسی چیز کو اپنے نور سے محروم کر دیتی ہے۔ تو بہشت اُسے اپنے نور سے معمور کر دیتا ہے + جب کبھی بڑی دا یا سمپلس پوچھتی "فینٹائن! تم کیسی ہو؟" جواب دیتی "بہت اچھی ہوں - مسٹر ماؤلن کب تک آئیں گے؟"

ڈھائی بجے کے قریب فینٹائن بہت مضطرب ہو گئی -
۲۰ منٹ کے بعد اُس نے دایا سے پوچھا "کیا وقت ہے؟" گھڑی نے تین بجائے - یا تو وہ اس قدر کمزور ہو گئی تھی کہ کسی دوسرے کی امداد کے بغیر کروٹ بھی نہ بدل سکتی تھی - یا یکایک چارپائی پر اُٹھ کر بیٹھ گئی - سُوکھے ہوئے پتلے پتلے ہاتھوں کو سینہ پر رکھ کر ایک ایسا لمبا سانس لیا - کہ معلوم ہُوا اس سانس کے ساتھ اس کے بدن کی ہڈیاں تک چُور چُور ہو گئیں + اس کے بعد وہ منتظر نگاہوں سے دروازہ کی طرف دیکھنے لگی - گویا کسی کے آنے کی منتظر ہے مگر کمرہ میں کوئی نہ آیا - کسی نے دروازہ نہیں کھولا - اسی حالت

میں پندرہ منٹ گذر گئے ؎

فینٹائن ٹکٹکی لگائے دروازہ کی طرف تک رہی تھی نگاہیں دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ اور وہ سانس تک نہیں لیتی تھی۔ خادمہ اس کی یہ حالت دیکھ کر گھبرا گئی۔ گھڑی نے پون گھنٹہ بجایا۔ فینٹائن تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔ آدھ گھنٹہ گذر گیا۔ اس کے بعد ایک گھنٹہ اَور گذر گیا اور فینٹائن اپنے خیالات میں ڈوب کر سو گئی ؎

اقبال

رات کے آٹھ بجے مسٹر ماؤلن آراس پہنچے۔ ٹم ٹم کے گھوڑے کا بدن پسینے سے شرابور تھا۔ اور وہ ہانپ رہا تھا اُنھوں نے ایک مسافر خانہ کے دروازہ پر ٹم ٹم روک لی اور نوکر کو بلا کر اُسے حکم دیا۔ کہ میرا بیگ اندر لے جاؤ اور گھوڑے کو ٹھنڈا کر کے کچھ کھلاؤ + مسٹر ماؤلن نے خود دم تک نہیں لیا۔ سیدھے عدالت کی طرف چل دیئے +

آراس کا سیشن کورٹ آج کھچا کھچ آدمیوں سے بھرا ہوا ہے۔ خوفناک ڈاکو بلجین گرفتار کر لیا گیا ہے۔ آج اُس کے مقدمہ کا فیصلہ کیا جائے گا + عدالت میں اتنے آدمی مقدمہ کی کارروائی دیکھنے کے لئے آئے ہیں۔ کہ تِل دھرنے کو جگہ

نہیں۔عوام کے داخلہ کے لئے عدالت کا جو دروازہ ہے۔ وہ
بند کر دیا گیا ہے۔اس وقت صرف ایک دروازہ کھلا ہے۔
اُس دروازہ میں سے بیرسٹروں اور عدالت کے عملے کے سوائے
کسی کو آنے جانے کی اجازت نہیں۔ باؤلن صاحب سوچنے
لگے کہ میں کس طرح اندر جاؤں؟ آخر اُنھوں نے اپنی جیب
میں سے یادداشت کی کتاب نکالی۔ اور اُس میں سے ایک
ورق پھاڑ کر اُس پر اپنا نام اور خطاب وغیرہ لکھا اور چپڑاسی
کو دیکھ کر کہا "یہ کارڈ جج کے پاس لے جاؤ"۔

چپڑاسی کارڈ لے گیا۔ کارڈ پڑھ کر چیف جسٹس نے
ایک کاغذ پر کچھ لکھا۔ اور اُسے چپڑاسی کے ہاتھ میں دے
کر کہا "اُنہیں اندر لے آؤ"۔

ججوں کے پہلو میں مسٹر باؤلن کے لئے ایک کرسی بچھا
دی گئی۔

وہ بد نصیب آدمی جس کے سوانح کی بنا پر اس ناول کو
ترتیب دی جا رہی ہے۔ عدالت کے دروازہ پر عین اُسی
حالت میں۔ بے حس و حرکت کھڑا تھا جس حالت میں اُسے چپڑاسی
چھوڑ کر گیا تھا۔ چپڑاسی نے آکر بڑے ادب سے اُنہیں سلام

کیا اور جج صاحب نے جو کاغذ کا پُرزہ دیا تھا۔ پیش کیا۔ چپڑاسی کے سلام سے اُن کا سلسلۂ خیال ٹوٹ گیا۔ پُرزہ لے کر پڑھا۔ اور بے رخی سے اُس کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔ عدالت میں پُہنچ کر وہ اپنی کرسی پر جا بیٹھے ٭

عدالت میں کسی نے اُن کی طرف توجّہ نہ کی۔ سب کی نگاہوں کا مرکز صرف ایک ہی شخص تھا۔ اور وہ ملزم بلیجین تھا۔ جب ہاؤلن اندر پہنچے اس وقت ملزم کا وکیل اپنی بحث ختم کر کے بیٹھنے کو تھا۔ اُس نے مُدلّل ثبوت اور ناقابل تردید دلائل پیش کر کے ثابت کیا تھا۔ کہ اُس کے موکل نے سیب نہیں چرائے۔ راستہ میں سیب پڑے تھے۔ اُس نے صرف انہیں اُٹھا لیا تھا۔ نیز اس کا موکل بلیجین نہیں۔ اور چیپ میتھو پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا ٭

وکیل سرکار نے اُٹھ کر جوابی تقریر کی اور ملزم کے وکیل کے دلائل کو رد کرنے لگا۔ سرکار کی طرف سے خاص گواہ انسپکٹر جابرٹ تھا۔ اُس کا تحریری بیان خوب زور زور سے پڑھ کر عدالت کو سُنایا گیا۔ حلف اُٹھا کر جابرٹ نے اس مقدمہ کے متعلّق بیان کیا تھا "میں ملزم کو خوب اچھی طرح

سے پہچانتا ہوں۔ ملزم کا نام چیمپ میتھو نہیں ہے۔ یہ وہی خطرناک ڈاکو ہلجین ہے۔ اُنیس سال تک یہ ٹولو جیل میں قید رہا۔ اُنیس سال سے میں اُسے دیکھتا آرہا ہوں۔ پانچ چھ مرتبہ وہ جیل سے فرار ہُوا ہے۔ اور پھر گرفتار کر کے جیل میں لایا گیا ہے۔ آخرکار جب اُس کی سزا کی میعاد ختم ہوگئی تو اپنی مرضی کے خلاف گورنمنٹ کو اُسے رہا کر دینا پڑا۔ اِس کے بعد ڈی شہر کے پادری کے ہاں اُس نے چوری کی اور اتنی مدّت تک پولیس کی آنکھوں میں خاک جھونک کر اِدھر اُدھر بھاگتا پھرا۔ میں اُسے بہت اچھی طرح پہچانتا ہوں"۔

جابرٹ کا بیان ختم ہوگیا۔ تو سرکار کی طرف سے تین گواہوں کی شہادتیں قلم بند کی گئیں۔

پہلے گواہ بریویٹ نے کہا:۔ "میں ملزم کو پہچانتا ہوں۔ میں ٹولو جیل میں ہلجین کے ساتھ قید تھا۔ اِس وقت یہ اپنے آپ کو بیوقوف بنا رہا ہے۔ مگر بڑا چالاک آدمی ہے۔ میں اسے شناخت کرتا ہوں"۔

دوسرے گواہ نے جس کا نام چنسلڈیو تھا۔ اور جسے کسی جرم میں قید کی سزا مل چکی تھی۔ ملزم کو شناخت کر لیا۔ تیسرے

گواہ نے بھی جو بلجین کے ساتھ قید رہ چکا تھا۔ اور جس کا نام کوچ پیل تھا۔ ملزم کو شناخت کر لیا۔

چیف جسٹس نے ملزم کو مخاطب کر کے کہا "ملزم! تمہارے خلاف سرکار کی طرف سے جو شہادتیں پیش ہوئی ہیں وہ تم نے سُن لیں۔ اب تمہیں جو کچھ کہنا ہو تم کہہ سکتے ہو۔"

مُلزم بولا "واہ! خوب انصاف ہے۔"

ملزم کا بے معنی جواب سُن کر حاضرین بے اختیار ہنس پڑے۔ عدالت میں ہر طرف سے مسلسل قہقہوں کی آوازیں آنے لگیں۔ اسی وقت چیف جسٹس کے پسِ پُشت کچھ شور سا ہُوا۔ کوئی شخص زور سے چلا اُٹھا "بریویٹ! چینسلڈیو! کوچ پیل! ایک بار اِدھر دیکھو۔" آواز سے اس قدر اضطراب ظاہر تھا۔ کہ جو لوگ عدالت میں موجود تھے۔ سب کی نگاہیں اس طرف اُٹھ گئیں۔

جج جیوری۔ سرکاری وکیل وغیرہ جتنے آدمی اُنہیں پہچانتے تھے سب متفقہ آواز سے بول اُٹھے "مسٹر ماڈلین!"

واقعی یہ شخص مسٹر ماڈلین کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ ججوں کے پاس سے اُٹھ کر وہ ملزم کے کٹھرہ کے قریب جا کھڑے

ہوئے۔ اُن کے چہرہ پہ اس وقت عجیب وغریب نُور برس رہا تھا۔ مسٹر ماؤلن نے ججوں اور جیوری کو مخاطب کر کے کہا "صاحبان یہ شخص بے گناہ ہے۔ اُسے چھوڑ دیجئے۔ آپ لوگ جس شخص کی تلاش میں ہیں۔ وہ یہ نہیں ہے۔ بلیجن میں ہوں"۔

جج سے لے کر عام تماشائیوں تک سب کے سانس رُک گئے۔ سب ششدر تھے۔ سب نے خیال کیا۔ ماؤلن کا دماغ بگڑ گیا۔ خود چیف جسٹس کا بھی خیال تھا۔ اُنہوں نے سرکاری وکیل کی طرف دیکھا۔ اور ان کے دلی جذبات بھانپ گئے۔ کہا "یہاں کوئی ڈاکٹر ہے؟"

اس کے بعد سرکاری وکیل نے کھڑے ہو کر کہا۔ حضرات! آپ سب ایم سُر ایم کے مشہور عالم میئر مسٹر ماؤلن سے واقف ہیں۔ یہاں شاید ہی کوئی شخص ایسا ہوگا۔ جس نے اُن کا نام یا تعریف نہ سنی ہو۔ یک بیک اُن کی طبیعت بگڑ گئی ہے۔ اگر ناظرین میں سے کوئی صاحب طبابت پیشہ ہوں۔ تو آگے آکر مسٹر ماؤلن کی امداد فرمائیں"۔

سرکاری وکیل کی بات ختم ہونے سے پیشتر ہی ماؤلن صاحب بڑے ضبط اور شریفانہ انداز سے بولے "اس

عنایت کے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مگر میں دیوانہ نہیں ہوں۔ یہ بات آپ کو ابھی معلوم ہو جائے گی۔ آپ لوگ ایک مہلک غلطی کا شکار ہو رہے ہیں۔ میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں + میں سچ کہتا ہوں۔ وہ ذلیل بلجین میں ہی ہوں۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ خدا کو حاضر ناظر جان کر سچ کہہ رہا ہوں۔ اور اُس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ میرے متعلق صرف یہی بات کافی ہے۔ اسی وقت آپ مجھے گرفتار کر سکتے ہیں۔ اور اسی غرض سے میں یہاں آیا ہوں + دنیا میں میں نے شریف بن کر رہنے کی کوشش کی۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ خدا کو کچھ اور منظور ہے۔ میں نے اپنا نام تبدیل کیا۔ روپیہ کمایا۔ اور میئر تک بن گیا۔ میں نے شریف آدمیوں سے مل کر شریف ہونے کی دل وجان سے سعی کی۔ مگر میں دیکھتا ہوں۔ یوں نہیں ہو سکتا۔ میں نے پادری کے مکان میں چوری کی تھی۔ اس میں ذرا بھی شک وشبہ کی گنجایش نہیں۔ کہ بلجین اگرچہ اپنے تمام مذموم اعمال کا ذمہ دار نہیں ہے۔ تاہم بہت خطرناک آدمی ہے۔ حضرات سنیئے۔ مجھ سی قابل نفرت زندگی بسر کرنے والے انسان کا سوسائٹی کو کچھ نصیحت کرنا مضحکہ خیز

بات ہے۔ مگر جس کے سر پر گذر چکی ہو۔ اُس کی بات نہ ماننا
بھی مناسب نہیں۔ میں کہنا چاہتا ہوں جس بدنامی سے
میں بچنا چاہتا تھا۔ وہ نقصان دہ ہے۔ مگر جیل خانے جرایم پیشہ
لوگ پیدا کرنے کی کلیں ہیں۔ تو جیل میں جانے سے پیشتر
میں صرف ایک غریب کسان تھا۔ مگر جیل خانہ سے پکّا رہزن
بن کر نکلا۔ پہلے میں بے سمجھ تھا۔ مگر بعد میں بدمعاش بن گیا۔
اِس کے بعد نیک چلنی اور شرافت نے اُسی طرح میری
حفاظت کی جس طرح کہ بیدردی اور سنگدلی نے مجھے برباد
کیا تھا۔ بدی کا راستہ چھوڑ کر میں نے نیکی کی راہ اختیار کی۔
میں نے شیطان کے پنجہ سے مخلصی پائی۔ مگر معاف کیجئے۔
معلوم ہوتا ہے۔ آپ میرے دلی جذبات سمجھ نہیں سکے۔
خیر! مجھے جو کچھ کہنا تھا۔ کہہ دیا۔ اب مجھے کچھ نہیں کہنا۔ مجھے
گرفتار کیجئے۔ تعجب کی بات ہے۔ کہ میرے قید کے تینوں
ساتھی بھی مجھے نہیں پہچان سکے۔ اس وقت اگر جابرٹ
یہاں موجود ہوتا تو وہ ضرور مجھے پہچان لیتا۔"

پھر بریویٹ کو مخاطب کرکے کہا "بریویٹ! میں تو تمہیں
پہچانتا ہوں۔ تم مجھے کیوں نہیں پہچانتے؟ اچھا۔ تمہیں یاد

ہے۔ جب تم جیل خانہ میں تھے۔ اُن دنوں تم ہمیشہ رنگین گیلس پہنا کرتے تھے؟"

یہ سُن کر بریویٹ کی حیرت کی انتہا نہ رہی اور اُس نے ماؤلن کو ایک دفعہ سر سے پاؤں تک بغور دیکھا۔

مسٹر ماؤلن نے پھر کہنا شروع کیا "چینلڈیو! تمہارے داہنے شانے پر جلنے کا نشان ہے؟ تمہیں یاد ہے کہ تم نے اپنے شانے پر کھدے ہوئے حروف .T.F.D کو مٹانے کے لئے اپنا شانہ دہکتے ہوئے کوئلوں میں رکھ دیا تھا؟ اُسی کا نتیجہ یہ نشان ہے۔ یاد کرو۔ کیا میں سچ نہیں کہہ رہا؟"

چینلڈیو بولا "ہاں سچ ہے"۔

پھر مسٹر ماؤلن نے تیسرے گواہ کو مخاطب کرکے کہا۔ "کوچ پیل! تمہارے بائیں ہاتھ کے ٹلطی کے قریب ایک تاریخ لکھی ہوئی ہے۔ وہ شہنشاہ سلامت کی شہر کین میں تشریف آوری کی تاریخ یعنی یکم مارچ ۱۸۱۵ء ہے۔ وہاں سے اپنی آستین ہٹاؤ!"

کوچ پیل نے آستین ہٹائی۔ ایک سپاہی نے وہاں روشنی

کی۔ اور سب نے دیکھ لیا۔ کہ ہاؤلن نے جو کچھ کہا ہے۔ بالکل ٹھیک ہے + ہاؤلن کے بیان کی صداقت کی تصدیق ہو گئی ؀

مسٹر ہاؤلن ذرا ہنسے اور پھر بولنے لگے " معلوم ہوتا ہے۔ اب آپ لوگ سمجھ گئے ہیں - کہ میں ہی بلجین ہوں + بہتر! اب میں آپ کا بیش قیمت وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا میں گرفتار ہونے کے لئے آیا تھا مگر آپ نے مجھے گرفتار نہیں کیا۔ آپ مجھ سے واقف ہیں۔ جب چاہیں مجھے آکر گرفتار کر لیں " ؀

مسٹر ہاؤلن اُٹھ کر دروازہ کی طرف چلے۔ کوئی کچھ نہ بولا نہ کسی نے مزاحمت کی۔ لوگوں نے اُن کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔ وہ آہستہ آہستہ عدالت کے احاطہ سے باہر چلے گئے ؀

ہاؤلن صاحب کے جانے کے بعد ممبران جیوری نے متفقہ فتویٰ دیا "جیمپ میتھو بالکل بےقصور ہے"۔ وہ رہا کر دیا گیا۔ عدالت کی کارروائی دیکھ کر اس غریب کی عقل ماری گئی تھی۔ وہ باہر نکل گیا۔ جاتے وقت اُس کے دل میں خیال آیا۔ "دنیا کے سب لوگ پاگل ہیں" ؀

فینسٹائن کے پلنگ کے پاس مائولن صاحب

رات گذر گئی۔ صبح صادق کا نور نمودار ہوا۔ فینسٹائن کو تمام رات نیند نہ آئی۔ مگر رات بھر اُسے اچھے اچھے خواب دکھائی دیتے رہے۔ صبح کے وقت وہ کچھ کسل مندسی تھی۔ مناسب موقعہ دیکھ کر بہن سمپلس اُسے نئی دوا پلانے کا انتظام کرنے لگی۔ یک بیک اُس کی نگاہ دروازہ کی طرف گئی اور وہ چونک اُٹھی۔ مسٹر مائولن چپ چاپ کمرے میں داخل ہوگئے تھے۔ اور اُس کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ گھبرا گئی اور پوچھا۔ آپ کب واپس آئے؟"

مسٹر مائولن نے آہستہ سے کہا۔ ابھی آرہا ہوں فینسٹائن کیسی ہے؟"

سمپلس نے جواب دیا۔" اِس وقت تو اس کی حالت کچھ اچھی ہے مگر کل ہم سب بہت پریشان رہے۔ اسے تمام دن بہت تیز بخار رہا۔ اور وہ ہذیان میں مبتلا رہی۔ اُسے خیال تھا۔ کہ آپ اس کی بیٹی کو لانے کے لئے مونٹ فارل گئے ہیں۔ اِسی خیال نے اُسے بہت شاد اور مسرور رکھا۔ ہم سب بھی اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے"۔

ماؤلن نے کہا۔" یہ تم نے اچھا کیا"۔

بہن سمپلس بولی۔" اس وقت آپ کو دیکھتے ہی وہ اپنی بیٹی کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کرے گی۔ پھر آپ کیا جواب دیں گے"؟

چند لمحہ سوچ کر ماؤلن صاحب نے کہا۔" خدا میری رہنمائی کرے گا۔ اور مجھے مناسب جواب سمجھا دے گا"۔

آفتاب کی شعاعوں سے سارا کمرہ روشن ہو گیا تھا۔ سمپلس کی نگاہ ماؤلن کے سر پر پڑی۔ تو وہ حیران رہ گئی۔ بولی۔" جناب! آپ کو کیا ہو گیا؟ آپ کا سارا سر سفید ہو گیا ہے"۔

پاس کی الماری سے ایک آئینہ نکال کر سمپلس نے ماؤلن کے ہاتھ میں دیا۔ ماؤلن نے اُس میں دیکھا۔ کہ اُن کے سب

بال سفید ہو گئے ہیں۔ اِس عجیب غریب تبدیلی کا سبب اُنہوں نے کچھ نہ بتلایا۔ سمپلس سمجھ گئی کہ اس کی تہ میں ضرور کوئی خوفناک سانحہ یا کوئی بڑی گہری فکر ہے۔

مسٹر ماؤلن نے پوچھا "فینٹائن سے اس وقت مل سکتا ہوں؟"

سمپلس نے کہا "اُس کی بیٹی کو نہ منگوا دیں گے؟"

مسٹر ماؤلن نے جواب دیا "ضرور منگوا دوں گا۔ مگر اس کے آنے میں کم از کم تین چار دن لگیں"۔

سمپلس بولی "اگر آپ آج فینٹائن سے نہ ملیں۔ اور کسیٹ کے آجانے پر ہی اُس سے ملیں تو کیا کوئی ہرج ہے"؟

تھوڑی دیر تک کچھ سوچ کر مسٹر ماؤلن نے بڑے نرم لہجہ میں کہا "نہیں بہن! میں اُسے آج ہی ملوں گا۔ دیر ہو گئی تو ممکن ہے میں پھر اُسے بالکل نہ مل سکوں"۔

سمپلس نے کہا "اگر یہ بات ہے تو آپ ابھی اُس سے مل لیجیے۔ مگر معلوم ہوتا ہے شاید فینٹائن اس وقت سو رہی ہے"۔

مسٹر ماؤلن دبے پاؤں بہت آہستہ آہستہ فینٹائن کے کمرہ میں داخل ہوئے۔ اور پلنگ کے پاس جا کر ذرا سی

مسہری ہٹائی۔ فینٹائن سو رہی تھی۔ سانس آتے جاتے وقت اس قسم کی غیر قدرتی آواز آ رہی تھی۔ جیسی صرف تپدق کے مریضوں سے سانس سے پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ اُسے سانس لینے میں اس قدر تکلیف ہو رہی تھی۔ مگر پھر بھی اس کے چہرے پر سکون و اطمینان برس رہا تھا۔ اس کا زرد رنگ اب سفید ہو گیا تھا۔ اس کی بڑی بڑی خوب صورت آنکھیں جن میں اُس کے شباب کا تھوڑا سا حسن باقی رہ گیا تھا اگرچہ اس وقت بند تھیں۔ مگر کچھ حرکت کر رہی تھیں۔ اُس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ گویا اس کے پر ہیں۔ اور وہ اُنہیں پھیلا کر فوراً ہی اُڑ جائے گی۔ پھول توڑتے وقت جب انسان ہاتھ بڑھاتا ہے۔ تو درخت کی شاخ کانپنے لگتی ہے اسی طرح جب اجل اپنا پُراسرار ہاتھ بڑھا کر جسم سے روح کا پھول توڑتی ہے۔ جسم کانپ اُٹھتا ہے۔ مگر اس کی موجودہ حالت سے کوئی مایوس نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ موت کی علامات نظر نہ آتی تھیں۔ اور وہ اس پری کے مانند دکھائی دیتی تھی۔ جو اُڑنا چاہتی ہو۔

مائولن صاحب مریضہ کے پاس کھڑے ہو کر اُس کے

چہرہ کی طرف اور اُس کے سرہانے دیوار پر جو صلیب لٹک رہی تھی اُس کی طرف دیکھنے لگے۔ فینٹائن جاگ اُٹھی باؤلن کو اس حالت میں دیکھ کر اُس نے ذرا ہنستے ہنستے پُوچھا۔
"میری کیسیٹ؟"
آج فینٹائن کا سینہ خوشی سے لبریز تھا۔ مگر اُس مسرت میں جوش و اضطراب نہ تھا۔ ماؤلن سے اس کو بے حد عقیدتمندی تھی اس کا کل دار و مدار اسی پر تھا۔ جلدی میں ماؤلن صاحب نے کیا کہا اُنہیں خود بھی معلوم نہ تھا۔ مگر اسی وقت ڈاکٹر آ پہنچا اور جواب دینے میں ماؤلن کو مدد مل گئی۔

ڈاکٹر نے کہا "تسلّی رکھو۔ تمہاری بچّی یہیں ہے"۔
ڈاکٹر کی بات سُن کر فینٹائن کا دل خوشی سے ناچ اُٹھا۔ بولی "ڈاکٹر صاحب! آپ کے پیروں پڑتی ہوں، اُسے لا کر میری گود میں بٹھا دیجئے"۔
مامتا بھری ماں کی دردناک محبت! وہ سمجھتی تھی کہ اُس کی کیسیٹ آج بھی دو برس کی ننھی سی بچّی ہے! اس کے ناتوان اور ٹھنڈے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر ماؤلن دردھر

دل سے بولے "ڈاکٹر صاحب کی بات سنو۔ اس قدر مت گھبراؤ۔ تمہاری کسیبٹ یہیں ہے۔ وہ بہت اچھی طرح سے ہے۔ تم زیادہ نہ بولو۔ کھانسی بڑھ جائے گی"۔

درحقیقت ایک ایک لفظ بولنے پر فینٹائن کو کھانسی آتی تھی۔ اس وقت بھی اس کا ہاتھ ماؤلن کے ہاتھ میں تھا۔ صحن میں کسی مزدور کی ایک چھوٹی سی لڑکی کھیل رہی تھی۔ اُس کی آواز سُن کر فینٹائن بول اُٹھی "میں اس کی آواز سُن رہی ہوں۔ ہاں سُن رہی ہوں۔ آہا وہ ہے۔ میری کسیبٹ۔ میں اُس کی آواز پہچانتی ہوں۔ اب ہم دونوں کس قدر خوش ہوں گی۔ میرے نصیب میں کس قدر سُکھ ہوگا۔ مسٹر ماؤلن نے مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ کسیبٹ کے آجانے پر ہمیں ایک چھوٹا سا باغ عنایت کریں گے۔ میری کسیبٹ اس میں پھولوں سے اور درختوں پر سے تتریاں اُڑا اُڑا کر کھیلا کرے گی"۔

بولتے بولتے وہ یک لخت خاموش ہوگئی۔ اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔ اُس کا دم رُک گیا۔ اُس کا چہرہ ڈراؤنا نظر آنے لگا۔ حیرانی سے ٹکٹکی باندھ کر وہ دروازے کی طرف تکنے لگی۔

ماؤلن نے بہت حیران ہو کر پوچھا "فینٹائن تمہیں کیا

ہو گیا؟"

فینٹائن نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور نہ اپنی آنکھیں اس طرف سے پھیریں۔ اُس نے اپنے ایک ہاتھ سے ماڈلن کا ہاتھ پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے اُنہیں پیچھے دیکھنے کا اشارہ کیا ؎

ماڈلن نے مُنہ پھیر کر دیکھا۔ دروازے پر پولس انسپکٹر جبابرٹ کھڑا تھا ؎

سترھواں باب

فینٹائن کی وفات

جابرٹ یہاں کس طرح آیا؟

ناظرین کو یاد ہوگا مسٹر ماؤلن کے آراس کی عدالت سے چلے آنے پر جج اور ممبران جیوری خاموش بیٹھے رہے تھے۔ نہ کسی نے اُنہیں کچھ کہا اور نہ روکنے کی کوشش کی۔ وہ اس وقت یہ فیصلہ نہ کر سکے۔ کہ کیا کرنا چاہئیے۔ مگر ماؤلن صاحب کے چلے آنے کے بعد باہمی مشورہ سے افسران عدالت کی یہی رائے ٹھہری کہ عدالت کی مُہر سے مسٹر ماؤلن کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری کیا جائے۔ اور انسپکٹر جابرٹ کو حکم دیا جائے کہ وہ ماؤلن کو گرفتار کرے۔ چنانچہ اسی تجویز پر عمل کیا گیا۔

اگلے دن صبح ہی ماؤلن کے نام کا وارنٹ اور اُنہیں گرفتار کرنے کا حکم نامہ جابرٹ کو ملا۔ کئی دن کا بھوکا شیر جس طرح اپنے شکار کو دیکھ کر اُس پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ کسی بات کی پرواہ نہیں کرتا۔ وہی حالت جابرٹ کی ہوئی۔ اُسی وقت چار پانچ سپاہیوں کو ساتھ لے کر وہ ماؤلن کے مکان پر جا دھمکا۔ بکار سرکار جابرٹ ہمیشہ ہی میئر کے ہاں آیا جایا کرتا تھا۔ اس لئے اسے اتنے سویرے آتے دیکھ کر کسی کے دل میں کسی قسم کا شک نہیں گزرا۔ اُس نے ماؤلن کے بارے میں ملازموں سے دریافت کیا۔ اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ وہ فینٹائن کے کمرہ میں ہیں تو وہ سپاہیوں کو صحن میں تعینات کر کے خود اُس طرف چلا گیا۔ دیکھا دروازہ بند ہے۔ وارنٹ کے ملزم کے ساتھ نرمی یا شرافت کا سلوک کرنا جابرٹ کے اصول کے خلاف تھا۔ دیوار میں لگی ہوئی چابی گھما کر اُس نے دروازہ کھولا اور آہستہ آہستہ کمرہ میں داخل ہوگیا۔ فینٹائن دروازہ کی طرف مُنہ پھیرے لیٹی تھی۔ اس لئے پہلے اُسی نے جابرٹ کو دیکھا۔ اپنے سامنے فرشتہ اجل کو کھڑا دیکھ کر وہ مارے خوف کے چلّا اُٹھی "مسٹر ماؤلن! مجھے بچائیے"۔

بلجین (آیندہ ہم اُس کو اِس کے اصلی نام ہی سے مخاطب کریں گے) اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے فینٹائن سے کہا۔ "ڈرو مت وہ تم کو پکڑنے نہیں آئے ہیں"

اُس کے بعد جابرٹ کی طرف پلٹ کر کہا۔ "میں جانتا ہوں تم کیا چاہتے ہو۔"

جابرٹ بڑے روکھے لہجہ میں بولا۔ "آؤ۔ جلدی کرو۔"

فینٹائن پر خوف طاری ہوگیا۔ اُس نے چلاّ کر کہا۔ "میئر صاحب!"

جابرٹ ایک زور کا قہقہہ لگا کر بولا۔ "میئر صاحب یہاں کوئی نہیں۔" پھر بلجین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ "معلوم ہوتا ہے تم آسانی سے ہاتھ نہیں آؤ گے۔ اور مجھے طاقت کا استعمال کرنا پڑے گا۔"

یہ کہہ کر وہ شیر کی مانند بلجین پر جھپٹا اور اُن کی قمیص کا گریبان پکڑ لیا۔ بلجین نے قطعی مزاحمت نہ کی۔ صرف اتنا کہا "جابرٹ!"

جابرٹ بولا۔ "مجھے انسپکٹر صاحب کہہ کر مخاطب کرو۔"

بلجین نے کہا۔ "میں تنہائی میں تم سے دو ایک باتیں کرنا

چاہتا ہوں "۔

جابرٹ سختی کے لہجہ میں بولا "تمہارے جیسے آدمیوں کے ساتھ میں تنہائی میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا"۔

بلجین کہنے لگا "اچھا پھر میری ایک درخواست منظور کرو مجھے تین دن کی مہلت دو۔ اس اثنا میں میں اس بدنصیب عورت کی اکلوتی بیٹی کسیٹ کو لے آؤں گا۔ اگر تم میری یہ بات مان لوگے۔ تو جو چاہو گے تمہیں دے دوں گا۔ اگر تمہاری مرضی ہو تو میرے ہمراہ چلے چلو"۔

جابرٹ ہنسنے لگا۔ پھر بولا "واہ! کیا خوب مذاق ہے! اب تم میری آنکھوں میں خاک نہیں جھونک سکتے۔ تین دن کی مہلت! ایک بار نکل جانے پر بھلا پھر کس کی مجال ہے جو تمہیں دوبارہ پکڑ سکے!"

فینٹائن پھر چلا اٹھی۔ کسیٹ۔ کسیٹ کو لادوں؟ تو کسیٹ یہاں نہیں ہے؟ کسیٹ کہاں ہے؟ مجھے کسیٹ چاہئیے مسٹر ماڈلین!"

جابرٹ نے زمین پر پیر پٹک کر کہا "بازاری عورت چپ رہ! اب دوسرا ناٹک شروع ہو رہا ہے۔ خوب! دردر کی

ٹھوکریں کھانے والی ذلیل عورتوں کی شہزادیوں کی طرح خدمت ہو رہی ہے اور مفرور قیدی منصف بنے بیٹھے ہیں!"

پھر زور سے بلجین کا کالر پکڑ کر اور فینٹائن کی طرف ٹکٹکی باندھ کر جابرٹ بولا "سن۔ یہاں مائولن یا میئر کوئی نہیں ہے۔ یہاں ایک ڈاکو۔ چور اور قیدی ہے جس کا نام بلجین ہے اور جسے میں نے اب پکڑ لیا ہے"۔

فینٹائن کا رشتۂ زندگی صرف ایک ہلکی سی امید کی شعاع کے سہارے اب تک قطع نہ ہوا تھا۔ جب اُس نے سُنا کہ ابھی تک کسیٹ نہیں آئی۔ تو وہ مایوسی کے اس پہاڑ کا بوجھ برداشت نہ کر سکی۔ ایک ہی وار نے اُس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ ایک ہی گہرے سانس نے اُس کی شمع زندگی کو گل کر دیا!

جس طرح کوئی نوجوان کسی بچہ کے ہاتھوں کو جھٹک کر اپنے آپ کو چھڑا لیتا ہے۔ اُسی طرح بلجین نے جابرٹ کی گرفت سے مخلصی حاصل کر لی۔ اور جابرٹ سے کہا "تم نے اس عورت کو مار ڈالا!"

جابرٹ غصہ میں بھر کر بولا "بس میں یہاں گالیاں سُننے

کے لئے نہیں آیا ہوں۔ نیچے سپاہی کھڑے ہیں۔ آؤ چلو ورنہ تمہیں ہتھکڑی پہناؤں گا"۔

کمرہ کے ایک کونے میں لوہے کا ایک پلنگ رکھا تھا آہستہ آہستہ بلجین اُس طرف گیا۔ اور بات کی بات میں اُس کا ایک چھڑ توڑ لیا۔ چھڑ ہاتھ میں لے کر بلجین نے جابرٹ کو دیکھا۔ جابرٹ دروازہ کی طرف پیچھے کو ہٹنے لگا۔ چھڑ ہاتھ میں لئے بلجین فینٹائن کی چارپائی کے پاس آیا۔ اور بہت دھیمے لہجے میں بولا "اپنا بھلا چاہتے ہو۔ تو اس وقت مجھے نہ ستاؤ"۔

جابرٹ ڈر کے مارے کانپ اُٹھا۔ پہلے اُس نے سوچا۔ نیچے جا کر سپاہیوں کو بلاؤں۔ پھر خیال آیا کہ اس اثناء میں ملزم فرار ہو جائے گا۔ آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ یہیں ڈٹے رہنا چاہیئے۔

بلجین فینٹائن کے پلنگ پر بیٹھ گیا اور پیشانی پر ہاتھ رکھ کر سامنے پڑی ہوئی فینٹائن کے متعلق کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر تک وہ انہی خیالات میں غرق خاموش بیٹھا رہا اس وقت اس کے چہرے یا اُس کے رنگ ڈھنگ سے

رحم و لُطف کے جذبات کے سوا کچھ ظاہر نہ ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ذرا جُھک کر ماؤلن نے دھیمی آواز میں فینٹائن کو کچھ کہا۔ مگر اُس شخص نے جسے سب نے چھوڑ دیا تھا اُس عورت سے جو مر چکی تھی کیا کہا۔ دنیا میں کسی نے نہ سُنا۔ مگر کیا اُس مردہ عورت نے سُنا تھا؟

بہن سمپلس نے جو شروع سے لے کر آخر تک ساری کارروائی اپنی آنکھوں سے دیکھتی رہی تھی اس امر کی شہادت دی ہے۔ کہ جب بلجین فینٹائن کے کان میں کچھ کہہ رہا تھا اس وقت اُن کی بڑی بڑی آنکھوں اور زرد ہونٹوں پر تبسّم کھیل رہا تھا۔ بلجین نے فینٹائن کا سر اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ اور اُسے تکیئے پر اس طرح رکھ دیا۔ جس طرح ماں بچے کا سر رکھتی ہے۔ اُس کے کپڑوں کو ٹھیک کر کے آہستہ سے اس کی آنکھیں بند کر دیں۔ اس وقت فینٹائن کا چہرہ چمک اُٹھا۔ ایک روشن اور منوّر ملک میں جانے کا نام موت ہے۔ اجل کی گھاٹی میں چاروں طرف نُور ہی نُور ہے۔ فینٹائن کا ایک ہاتھ پلنگ کے باہر لٹک رہا تھا۔ بلجین گھٹنوں کے بل اُس کی طرف بیٹھ گیا اور آہستہ سے اُسے

اُٹھا کر چوم لیا۔ اس کے بعد وہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اور جابرٹ کو مخاطب کر کے بولا" اب تم مجھے گرفتار کر سکتے ہو۔ مین تیار ہون"۔

جابرٹ بلجین کو پکڑ کر لے گیا۔ اور اُسے مقامی جیل خانہ بین قید کر دیا ؂

اٹھارھواں باب

بلجین پھر فرار!

مسٹر باؤلن کی گرفتاری کی خبر سے ایم سُرایم ہیں سنسنی پھیل گئی۔ مگر جب لوگوں کو یہ معلوم ہُوا۔ کہ وہ دوسرا بھیس بدلے ہوئے ڈاکو بلجین تھے۔ تو کسی نے بھی اُن کے ساتھ اظہار ہمدردی نہ کیا۔ جتنے کار خیر انہوں نے کئے تھے وہ سب ہوا ہیں اُڑ گئے۔ اُن کی خوبیوں کا کسی کو خیال تک نہ آیا۔ برخلاف اس کے اُن کے نقائص اور کمزوریوں پر ہر کس و ناکس کی نگاہ پڑنے لگی + باؤلن کی اس ناگہانی مصیبت پر اور تو کسی کے دِل کو تکلیف نہیں ہوئی۔ صرف تین چار اشخاص کو دُکھ ہُوا۔ جن ہیں باؤلن کی بوڑھی خادمہ بھی تھی +

جس روز ماؤلن کی گرفتاری عمل میں آئی اُس روز کارخانے کا کام بند ہو گیا۔ اُسی دن کا ذکر ہے کہ شام کے وقت بُوڑھی خادمہ اپنے معمول کے مطابق اپنے آقا کے کمرہ میں لیمپ روشن کر کے اور دروازہ میں چابی لٹکا کر بیٹھی تھی۔ گویا اُس کے آنے کا انتظار کر رہی ہے۔ اُسی وقت اُس نے دیکھا۔ کوئی شخص ہاتھ بڑھا کر کھڑکی کھول رہا ہے۔ تھوڑی دیر وہ خاموش رہی۔ پھر بغور دیکھا۔ تو اُس نے جھٹ پہچان لیا کہ وہ انگلیاں ہاتھ اور کوٹ کی آستین اُس کے آقا ماؤلن کی ہے۔ وہ حیران رہ گئی اور بولی "یہ کون؟ میرے آقا! آپ کیونکر آ گئے؟ میں خیال کر رہی تھی"

بلجین نے اس کی بات کاٹ کر کہا "کہ میں جیل خانہ میں ہوں اِسے شک! ایسا ہی تھا مگر میں جیل کی کھڑکی کا ایک سیخچہ اُکھاڑ کر نکل آیا ہوں۔ میں اپنے کمرہ میں جا رہا ہوں۔ جلد سمپلس کو بلا لاؤ"

سمپلس جھٹ آ پہنچی۔ جس وقت سے ماؤلن گرفتار کیئے گئے تھے۔ وہ زار و قطار روئے جا رہی ہے۔ اُس کا مُنہ سُوکھ گیا تھا۔ اور ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ بلجین نے

ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر سمپلس کو دیا اور کہا "یہ پادری صاحب کو دے دینا۔ تم اسے پڑھ سکتی ہو؟"

اُس چٹھی میں مندرجہ ذیل عبارت مرقوم تھی:-

"میں پادری صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ یہاں آکر میری تمام جائداد منقولہ وغیر منقولہ پر قبضہ کر لیں۔ اُس میں سے فینٹائن کے آخری رسومات ادا کرنے کے بعد جو کچھ باقی بچے غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیں"۔

سمپلس کچھ کہنا چاہتی تھی مگر مارے جوش و اضطراب کے اُس کا گلا بھر آیا۔ بڑی کوشش کے بعد بولی "فینٹائن کو تو آخری مرتبہ دیکھتے جاؤ"۔

بلجین نے کہا۔ "نہیں۔ بہن! میں جیل خانہ سے بھاگا ہُوا قیدی ہوں۔ اس بات کا پتہ لگ گیا ہے۔ مجھے گرفتار کرنے کے لئے پولس کے آدمی چھوڑے جا چکے ہیں"۔

بلجین نے یہ الفاظ بمشکل ختم کئے تھے کہ کمرے کے باہر آدمیوں کے پیروں کی آواز سُنائی دی اور کچھ شور بھی سُننے میں آیا۔ غل غپاڑے میں ماؤلن کی بوڑھی خادمہ کی آواز بھی شامل تھی "جناب! میں قسم کھا کر کہتی ہوں۔ دن بھر یہاں کوئی

نہیں آیا۔ میں تمام دن یہاں بیٹھی رہی ہوں۔ ایک منٹ کے لئے بھی اِدھر اُدھر نہیں گئی"۔

ایک شخص بولا" مگر کمرے میں روشنی ہے"۔

بلجین۔ نے آواز پہچان لی۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ شخص جابرٹ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس کمرے کی ایک دیوار میں ایک ایسی جگہ تھی۔ کہ باہر ایک کمانی دبانے پر اس ایک الماری نکل آتی تھی۔ باہر کی کمانی دبا کر بلجین الماری میں گھس گیا اور اندر کی کمانی دبا دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ یکایک لمحہ سے غائب ہو گیا۔ سمپلس نے دو زانو ہو کر خدا کی عبادت کا ڈھونگ رچا۔ کمرے میں آکر جابرٹ حیران رہ گیا۔ اُسے یقین تھا۔ کہ بلجین یہیں ہے۔ وہاں اکیلی سمپلس کو عبادت میں مشغول دیکھ کر وہ بہت شرمندہ ہوا اور سمپلس کو مخاطب کر کے پوچھا" کیا آپ اس مکان میں اکیلی ہیں"؟

سمپلس نے جواب دیا" یہ تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں"۔

جابرٹ بولا" اگر یہ بات ہے تو آپ مجھے معاف کیجئے۔ میرے فرض نے مجھے آپ کو تکلیف دینے پر مجبور کیا"۔

اس واقعہ کے ایک گھنٹہ بعد ایک شخص کہیں تیزی

سے اُڑا ہوا ایم سُر ایم سے پیرس کی طرف بھاگا جا رہا تھا +
اُس کے بدن پر ایک ڈھیلی قمیص تھی۔ اور کندھے پر ایک گٹھڑی۔ یہ شخص بلجین تھا +

بدنصیب فینٹائن کے متعلق ہم ایک آخری لفظ کہہ دینا چاہتے ہیں۔ زمین ہی ہم سب کی ماں ہے اور فینٹائن اُسی ماں کی گود میں واپس پہنچ گئی۔ پادری نے بلجین کے مقبوضات کا ایک بہت بڑا حصّہ غریبوں کے لئے رکھ چھوڑا۔ اور بہت تھوڑے خرچ میں فینٹائن کی تجہیز و تکفین کی رسومات ادا کر دیں تیرہ بخت غریبوں کے قبرستان کے نزدیک ہی بدنصیب فینٹائن کو دفن کر دیا گیا +

تھینارڈیار

ناول کی ترتیب کے متعلق بعض ضروریات ہمیں مشہور عالم واٹرلُو کے میدان جنگ میں لے جاتی ہیں۔ جنگ کے روز شام کو انسانوں کی آہ بکا اور خونخوار درندوں کی چیخ پکار سے میدان جنگ گونج رہا ہے۔ رات بہت اندھیری ہے۔ انگریزوں نے فرانسیسوں کے کیمپ پر قبضہ کر لیا ہے اور وہ فتح کی خوشی کے نشّے میں سرشار۔ جشن منا رہے ہیں ڈیوک آف ویلنگٹن اپنے خیمے میں اکیلے بیٹھے لارڈ باتھرسٹ کے لئے جنگ کی رپورٹ لکھ رہے ہیں ؂

آدھی رات کا وقت ہے۔ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ایک شخص رینگتا ہوا میدان جنگ میں کوئی چیز تلاش کر رہا

ہے۔ وہ نہ انگریز معلوم ہوتا ہے نہ فرانسیسی۔ نہ وہ کسان ہے نہ سپاہی۔ حق تو یوں ہے کہ اُس کے انسان ہونے میں بھی شبہ ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ انسان کے لہو کی بُو کسی جن کو دوزخ سے اس جہان میں کھینچ لائی ہے اور جنگ کے مردوں اور زخمیوں کی چیزیں چُرانا اُس کا کام ہے + اس کے بدن پر ایک ڈھیلا ڈھالا کرتہ ہے جو لبادے کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ وہ بہت چوکنّا ہو کر چلتا ہے۔ اور چلتے وقت اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں دیکھتا جاتا ہے۔ یہ شخص کون ہے؟ پُراسرار رات کے سوا کون بتا سکتا تھا؟ کیوں کہ دن کے وقت وہ کبھی نظر نہیں آتا۔ اُس کے ہاتھ میں کوئی بیگ نہیں البتہ اس کے قمیص میں بڑی بڑی تھیلیاں ضرور ہیں۔ بعض اوقات کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اُسے کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے چاروں طرف نظریں دوڑاتا ہے۔ پھر نیچے جھک جاتا ہے اور کسی خاموش۔ ساکت شے کو اُلٹ پلٹ کر آگے بڑھ جاتا ہے +

یہ رات کا جانور ایک دفعہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ زمین پر خون کی ندی بہہ رہی تھی اور اُس

کے دونو پیر اُس میں تر تھے۔ یکایک بجلی چمک اُٹھی۔ اُس چمک میں کچھ دیکھ کر وہ ٹھہر گیا۔ پھر بجلی چمکی۔ اُس نے دیکھا آدمیوں اور گھوڑوں کی لاشوں کے درمیان ایک ہاتھ باہر نکلا ہُوا ہے اور اس کی ایک اُنگلی میں کوئی چیز جگمگا رہی ہے + وہ وہاں جا پہنچا۔ اور ہاتھ بڑھا کر اُنگلی میں سے جھٹ انگوٹھی نکال لی۔ آگے بڑھا ہی چاہتا تھا کہ پیچھے سے کسی نے زور سے اُس کی قمیص پکڑ لی + اور کوئی ہوتا تو مارے خوف کے ضرور کانپ اُٹھتا مگر وہ ہنستا ہُوا بولا "اوہو! کوئی مردہ ہے۔ میرے لئے تو سپاہی کی نسبت بھوت ہی اچھے ہیں"۔ پکڑنے والے نے کُرتہ چھوڑ دیا۔ اس کو خیال آیا "یہ مردہ زندہ تو نہیں؟ دیکھنا چاہئیے"+

اُس نے لاشوں کو اِدھر اُدھر ہٹا دیا۔ اور اس زخمی کو باہر نکالا۔ دیکھا کوئی اعلےٰ مرتبہ کا افسر ہے۔ سینے پر طرح طرح کے تمغہ جات اور دیگر عزّت کے نشانات زیب دے رہے ہیں۔ اُس نے سب چیزیں نکال کر اپنی لمبی لمبی تھیلیوں میں بھر لیں۔ جیب میں دیکھا گھڑی ہے۔ وہ بھی نکال لی۔ دوسری جیب میں ایک تھیلی تھی۔ اُسے بھی نکال کر جھٹ

اپنی بڑی تھیلی میں اُلٹ لیا۔ چلنے ہی کو تھا کہ اتنے میں اُس افسر کو ہوش آ گیا۔ اُس نے نہایت ہلکی آواز میں کہا "شکریہ!"

لٹیرے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور سر اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ کسی کے پاؤں کی آہٹ سُنائی دی۔ شائد کوئی پہرے دار آ رہا تھا۔ افسر نے بڑی دھیمی آواز میں کہا۔ "جنگ میں کس کی فتح ہوئی؟"

لُٹیرے نے جواب دیا "انگریزوں کی"۔

افسر بولا "میری جیب میں دیکھو۔ گھڑی اور تھیلی ہے وہ تم لے لو"۔

اگرچہ اُس لُٹیرے نے سب چیزیں پہلے ہی اُڑا لی تھیں۔ مگر پھر ایک دفعہ اس کی جیبیں دیکھ کر بولا "نہیں۔ جیبوں میں کچھ نہیں ہے"۔

افسر نے کہا "تو معلوم ہوتا ہے شائد کسی نے چُرا لی ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ وہ چیزیں تمہیں دے دوں"۔

پہرے دار کے پیروں کی چاپ اب صاف طور پر سُنائی دے رہی تھی۔ لٹیرا چلنے کو تیار ہو کر بولا "کوئی آ رہا ہے"۔ افسر نے بصد مشکل اپنا ہاتھ اُٹھا کر اُسے ٹھہرنے

کا اشارہ کیا اور کہا "تم نے میری جان بچائی ہے۔ تم کون ہو؟"

لیٹبرے نے بڑی جلدی میں آہستہ سے کہا "تمہاری طرح میں بھی فرانسیسی سپاہ کا آدمی ہوں۔ اب جاتا ہوں۔ اگر پکڑا گیا تو فوراً مجھے گولی مار دی جائے گی۔ میں نے تمہاری جان بچائی ہے۔ اب تم جلدی یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

"تم کیا کام کرتے ہو؟"

"میں سارجنٹ ہوں۔"

"تمہارا نام؟"

"تھیسارڈ بار۔"

افسر نے کہا "میں اس نام کو کبھی نہ بھولوں گا۔ تم بھی میرا نام یاد رکھو گے؟ میرا نام پینٹ مرسی ہے۔"

کسیٹ ڈائن کے پنجے میں

واٹرلو کے میدان جنگ کی لوٹ سے تھینارڈیار نے مونٹ فارمل میں ایک ہوٹل اور ایک دکان کھول لی تھی + ناظرین کو یاد ہوگا تقریباً چھ سال کا عرصہ ہوا - بدقسمت فینٹائن کسیٹ کو تھینارڈیار کے ہاں چھوڑ گئی تھی - ماں تو اجل کی گود میں آرام کی نیند سو رہی ہے - اور یتیم بچی کسیٹ یہاں کتوں سے بھی بدتر زندگی گذار رہی ہے + جو کچھ تھوڑا بہت روکھا سوکھا اُسے کھانے کو دیا جاتا ہے - اُس کے معاوضہ میں اُسے دن رات بیل کی طرح کام کرنا پڑتا ہے - مونٹ فارمل کوہستان ٹالو کے دامن میں واقع ہے - وہاں سخت سردی پڑتی ہے - پانی ہوٹل سے ایک میل کے فاصلہ پر ملتا ہے -

ہوٹل میں جس قدر پانی کی ضرورت پڑتی ہے سب کسیٹ ہی کو بھر کر لانا پڑتا ہے۔ اُس کے سوا دوسرا کوئی خادم یا خادمہ نہیں۔ اب کے بڑے دنوں کے میلہ پر مونٹ فارمل میں خوب دھوم دھام رہی۔ تھینارڈیار کے ہوٹل میں بھی بہت بھیڑ تھی۔ کسیٹ کا پانی لانے کا کام کسی طرح ختم نہ ہوتا تھا۔

بڑے دن کی شام ہے۔ ہوٹل اور شراب خانہ میں بڑی بھیڑ ہو رہی ہے۔ آٹھ بجے رات کو چار مہمان اور آگئے کسیٹ کا دل مارے ڈر کے کانپ اُٹھا۔ پانی نہیں رہا۔ اب رات کو جا کر چشمہ سے پانی لانا ہوگا۔

نو وارد اشخاص نے آتے ہی گھوڑوں کے لئے پانی مانگا۔ میڈیم تھینارڈیار نے کسیٹ کو پانی دینے کے لئے کہا۔ کسیٹ نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا "بہت پانی نہیں ہے"۔

میڈیم تھینارڈیار نے غصے میں ناگن کی طرح بل کھا کر کہا "کیوں نہیں ہے؟ دن کے وقت سب برتن بھر کر نہیں رکھا کرتی ؟ اچھا پھر اپنی کرتوت کا مزہ چکھ۔ جا۔ ابھی اندھیرے میں چشمے سے پانی لا۔ ورنہ تیری خیر نہیں"۔

دیوار پر ایک چابک لٹک رہا تھا۔ میڈیم تھینارڈیار نے

ایک بار اُس کی طرف دیکھا۔ پھر تیز نگاہوں سے قصوروار کسیدٹ کی طرف دیکھا۔ کسیدٹ کا کُل حال سمجھنے میں اب کوئی کسر نہیں رہی۔ مارے خوف کے وہ قریب ہی ایک میز کے نیچے چھپ گئی۔

میڈیم تھینارڈیار چلّا کر کہنے لگی "اگر جان کی خیر چاہتی ہے۔ تو وہاں سے فوراً نکل اور جا کر چشمہ سے ایک بالٹی پانی کی لا"۔

عدول حکمی کی سزا سے کسیدٹ ناواقف نہیں تھی۔ کیا کرتے غریب مرے یا جئے۔ یہ حکم ماننا ہی پڑے گا۔ لگاتار تکلیف اور بھوک سے آنکھوں کے گرد جو حلقے پڑ گئے تھے۔ آنسوؤں سے بھیگ گئے۔ اُسے روتا دیکھ کر میڈیم تھینارڈیار کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ شیرنی کی طرح اُچھل کر کسیدٹ کا گلا جا دبوچا۔ اور اسے میز کے نیچے سے نکال کر پیٹنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد اُس کے ہاتھ میں ایک بالٹی دی اور دھکّا دے کر گھر سے باہر نکال دیا۔ بولی "جا۔ جلدی جا کر بالٹی بھر لا۔ واپس آتے وقت روٹی والے کی دُکان سے روٹی بھی خریدتی لانا"۔

روٹی کے لئے پیسے دے کر میڈیم تھینارڈیار نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔

کسیٹ رو رہی تھی۔ مارے جاڑے کے اُس کا بدن کانپ رہا تھا۔ اُس نے روٹی کی قیمت کوٹ کی اوپر کی جیب میں رکھ لی اور چشمہ کی طرف روانہ ہو گئی۔

پہلی مُلاقات

جیل خانہ کی کھڑکی کا سیخچہ توڑ کر اور پہرے داروں کی آنکھوں میں خاک جھونک کر بلجین بھاگ گیا۔ اسے پکڑنے میں جابرٹ وغیرہ مشہور پولس افسروں کی تمام کوششیں رائیگان ثابت ہوئیں۔ بلجین گرفتار نہ ہوسکا۔ بلجین بھاگا ضرور ہے مگر کسی ذاتی مفاد کے لئے نہیں۔ آج اُس کے سر پر ایک اہم ذمہ داری ہے۔ وہ غریب فینٹائن کی آخری خواہش پوری کرنے کا عہد کرچکا ہے۔ کئی ماہ تک بھیس بدل کر ادھر اُدھر پھرتا رہا۔ آخر جب دیکھا کہ پولس اُس کے پکڑنے میں ناکام رہی ہے۔ اور تھک کر بیٹھ گئی ہے۔ تو وہ آہستہ آہستہ مونٹ فارمل پہنچا۔

اتفاق سے مونٹ فارمل میں داخل ہوتے ہی بلجین کو بغیر کوشش یا سردردی کے اس چیز کا پتہ لگ گیا جس کی تلاش میں وہ یہاں آیا تھا۔ کسیٹ چشمہ سے پانی کی بالٹی بھر کر اندھیرے میں بڑی تکلیف سے ہوٹل کو واپس جا رہی تھی۔ جب تھک جاتی تو بالٹی کو نیچے رکھ دیتی۔ ذرا تازہ دم ہو کر پھر آگے بڑھتی۔ بلجین اُس کے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ جب اُس نے لڑکی کا یہ حال دیکھا تو اس سے رہا نہ گیا۔ آہستہ سے قریب آکر اُس نے پیچھے سے بالٹی کو سہارا دے دیا۔ اور چپ چاپ ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ یکایک وزن میں کمی محسوس ہونے پر کسیٹ کو بڑا تعجب ہوا۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ مگر ڈری نہیں۔

بلجین نہایت شیریں لہجہ میں بولا "بچّی! پانی کی بالٹی بہت بھاری ہے نا؟"

کسیٹ نے جواب دیا "جی ہاں"۔

بلجین بولا "مجھے دے دو۔ میں لے چلوں گا"۔

کسیٹ نے بالٹی چھوڑ دی۔ بلجین بالٹی اپنے ہاتھ میں لے کر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

بلجین نے کہا "سچ مچ بہت بھاری ہے۔ تمہاری عمر

کیا ہو گی؟"

"آٹھ سال"

"تمہارا مکان یہاں سے کتنے فاصلہ پر ہے؟"

"یہاں سے تقریباً پندرہ منٹ کا راستہ ہو گا۔"

بلجین چند لمحے خاموش رہا۔ پھر بولا "تو معلوم ہوتا ہے تمہاری ماں نہیں ہے۔"

لڑکی نے جواب دیا "مجھے معلوم نہیں۔ دوسری لڑکیوں کے تو مائیں ہیں مگر میری ماں نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے پہلے بھی کبھی نہیں تھی۔"

لڑکی کی سادگی پر بلجین بے اختیار سا ہو گیا۔ اُس کا دل ایک ناقابل اظہار محبت سے معمور ہو گیا۔ اُس نے بالٹی زمین پر رکھ دی۔ اور اپنے دونو ہاتھوں سے لڑکی کو اُوپر اُٹھا کر اُس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ پوچھا "تمہارا نام کیا ہے؟"

"کسیٹا۔"

بلجین کے بدن میں بجلی سی دوڑ گئی۔ اُس نے دوبارہ اُس کے منہ کی طرف دیکھا۔ لڑکی کو نیچے اُتار کر بالٹی اُٹھالی

اور دونوں چلنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد بلجین نے سوال کیا "بچی!
تم کہاں رہتی ہو؟"
"مونٹ فارمل میں۔"
"کیا اس وقت ہم وہیں جا رہے ہیں؟"
"جی ہاں۔"
بلجین تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر پوچھنے لگا "اس وقت
تمہیں پانی بھرنے کس نے بھیجا ہے؟"
"میڈیم تھینارڈیار نے۔"
"وہ کون ہے؟"
"وہی میری مالکہ ہے۔ اس کا ہوٹل ہے۔"
"ہوٹل؟ تو میں وہیں قیام کروں گا۔ مجھے رستہ بتا دو۔"
"ہم وہیں جا رہے ہیں۔"
اگرچہ بلجین بڑی تیز رفتار سے چل رہا تھا۔ مگر اس کا ساتھ
دینے میں کسیٹ کو کچھ تکلیف نہ ہوئی۔ اب اُسے تکان بھی محسوس
نہ ہو رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ ایک بے پایاں عقیدتمندی کی
نگاہ سے بلجین کو دیکھ لیتی تھی۔ خدا کی طرف دیکھنے کی تعلیم
تو اُسے کبھی دی نہیں گئی تھی۔ مگر اب اُس کے دل میں

ایک ایسا جذبہ پیدا ہو گیا۔ جو کچھ اُمید اور خوشی سے ملتا جُلتا تھا اور خُدا کی طرف جاتا نظر آتا تھا۔ چند منٹ گُزر جانے کے بعد بلجین نے پُوچھا: "تھینارڈیار کے نوکر چاکر نہیں ہیں؟ تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہے؟"

"اپونائین اور زیلما نام کی دو لڑکیاں ہیں"۔

"وہ کون ہیں؟"

"میڈم تھینارڈیار کی بیٹیاں ہیں"۔

"وہ کیا کرتی ہیں؟"

"وہ کیا کرتیں؟ کھیلتی ہیں کھاتی ہیں۔ مزے اُڑاتی ہیں۔ اُن کے پاس کیسے اچھّے اچھّے کھلونے ہیں!"

"اور تم کیا کرتی ہو؟"

"میں سارا دِن کام کرتی ہوں"۔

"سارا دِن؟"

لڑکی نے سر اُٹھایا۔ اُس کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ وہ شیریں لہجے میں بولی: "جی ہاں۔ مجھے تمام دن کام کرنا پڑتا ہے۔ کبھی کبھی جب میں اپنا سب کام ختم کر لیتی ہوں۔ اور وہ مجھے چھُٹی دے دیتی ہیں تو میں بھی کھیل

لیتی ہوں۔ مگر کھیلوں کیا؟ میرے پاس کھلونے تو ہیں نہیں
ایونائن اور زیلما مجھے اپنے کھلونوں سے کھیلنے نہیں دیتیں۔
میرا کھلونا صرف اس اُنگلی کے برابر ایک سیسے کی تلوار ہے۔"
یہ کہہ کر اُس نے اپنی چھوٹی سی اُنگلی دکھلائی۔
اسی طرح باتیں کرتے کرتے وہ ہوٹل کے قریب جا پہنچے
کیسیٹ نے کہا "جناب! ہوٹل اب قریب ہی ہے۔ بالٹی
مجھے دے دیجئے۔ ورنہ وہ بہت ناراض ہوں گی۔"
بلجین نے بالٹی دے دی۔ چونکہ کیسیٹ کے آنے میں
کچھ دیر ہو گئی تھی اس لئے میڈیم تھینارڈیار آگ بگولہ ہو
رہی تھی۔ کیسیٹ کمرے میں داخل ہوئی۔ تو اُسے گالی دے
کر بولی "بدنصیب! ایک بالٹی پانی لانے میں اتنی دیر!
معلوم ہوتا ہے راستے میں کھیلنے لگی تھی۔"
ڈرتے ڈرتے کیسیٹ نے کہا "یہ شریف آدمی ٹھہرنے
کے لئے ایک کمرہ چاہتے ہیں۔"
آگ پر پانی پڑ گیا۔ ایک لمحے کے لئے میڈیم تھینارڈیار
کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ سُرخ انگارا سی آنکھوں میں مصنوعی
ہنسی کی جھلک نظر آئی۔ نووارد کا لباس اور اُس کا سامان

دیکھ کر میڈیم تھینارڈیار کی خوشی پھر ہوا ہوگئی۔ بلجین کو مخاطب کرکے بولی "اندر آئیے۔ جناب!"

بلجین اندر چلا آیا۔ میڈیم تھینارڈیار نے پھر ایک دفعہ اُسے دیکھا۔ اس کے لباس اور چہرے کو بغور دیکھ کر اپنے خاوند تھینارڈیار سے جو پاس ہی ایک میز پر بیٹھا شراب پی رہا تھا کچھ مشورہ کیا۔ اشاروں ہی اشاروں میں تھینارڈیار نے کہہ دیا کہ شکار ٹھیک نہیں ہے۔ اِسے چلتا کردو۔ چنانچہ اُس نے بلجین سے کہا "جناب! یہاں کوئی کمرہ خالی نہیں۔ آپ دوسری جگہ تشریف لے جائیں۔"

بلجین نے جواب دیا "مجھے اصطبل میں یا چھت پر جہاں جی چاہے جگہ دے دیجئے۔ کرایہ کمرے ہی کا دوں گا۔" میڈیم تھینارڈیار نے دُونا کرایہ بڑھا کر کہا۔ "چالیس سُو[1] کرایہ ہوگا۔"

بلجین نے جواب دیا "اتنا ہی دوں گا۔"

یہ کہہ کر اُس نے اپنی جھولی اور چھڑی کونے میں رکھ دی۔ اور میز کے نزدیک ایک تپائی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ ہوٹل

---

[1] ایک فرانسیسی سکہ۔

کے مالک کے حکم سے کسیبٹ نے ایک بوتل شراب اور ایک گلاس لا کر اُس کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ بلجین کی اُس طرف توجہ نہ تھی۔ وہ بغور تمام کسیبٹ کے چہرہ کو دیکھ رہا تھا۔

یک بیک میڈیم تھینارڈیار نے کسیبٹ سے پُوچھا۔ "رُوٹی کہاں ہے؟"

کسیبٹ کو روٹی لانا بالکل یاد نہ رہا تھا۔ خوف زدہ بچے کی مانند جھوٹ کا سہارا لے کر بولی "روٹی والے کی دُوکان بند ہو گئی تھی۔"

"دروازہ کیوں نہیں کھٹکھٹایا؟"

"کھٹکھٹایا تھا۔ کسی نے سنا نہیں۔"

تھینارڈیار کی بیوی کو یقین نہ آیا۔ بولی۔ اچھا کل صبح میں روٹی والے سے دریافت کروں گی۔ پھر تجھے مزا چکھاؤں گی۔ لا میرے پیسے دے۔"

لڑکی نے جھٹ جیب میں ہاتھ ڈالا۔ مگر جیب میں ہاتھ ڈالتے ہی اُس کے چہرہ کا رنگ بدل گیا۔ پیسے جیب سے نکل کر گر پڑے تھے + جب کسیبٹ چشمے پر پانی بھر رہی تھی

اُس وقت بار بار جھک کر دیکھتی تھی۔ کہ بالٹی بھر گئی یا نہیں پیسے اُس کی اوپر کی جیب میں تھے۔ غالباً اسی وقت کہیں چشمے میں گر پڑے اور کسیٹ کو معلوم نہ ہو سکا۔

کسیٹ کو متامل دیکھ کر میڈیم تھینارڈیار گرج کر بولی "شریر لڑکی! اب چوری کرنا بھی سیکھ رہی ہے"

لڑکی سر جھکا کر رونے لگی۔ اب تو میڈیم تھینارڈیار کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا وہ دیوار سے چابک اُتار کر کسیٹ کو مارنے کے لئے تیار ہو گئی۔

اسی وقت بلجین بول اُٹھا "ذرا ٹھہریئے۔ میں نے اُس کے جیب سے کوئی چیز گرتی دیکھی ہے" اور اُٹھ کر زمین پر کچھ ڈھونڈنے لگا۔ تھوڑی دیر میں اپنے جیب سے چند پیسے نکال کر اور اُن کے مل جانے کا بہانہ کر کے کہنے لگا "ہاں ہاں۔ یہ دیکھئے۔ یہی پیسے تو نہیں ہیں؟"

میڈیم تھینارڈیار نے جواب دیا "ہاں۔ یہی ہیں"

پھر کسیٹ کو مخاطب کر کے کہا "دیکھو۔ خبردار! پھر ایسا کام نہ کرنا"

اپنے محسن کو ایک بار احسان مندانہ نگاہوں سے

دیکھ کر کسیٹ کو نے بیں اپنی جگہ پر جا بیٹھی اور تھینارڈ یار
کی لڑکیوں کے لئے موزے بُننے لگی۔ وہ بار بار بلجین کی
طرف دیکھتی تھی۔ اور کام سے اُس کی توجہ ہٹ جاتی تھی۔
کسیٹ کی کام میں بے توجہی دیکھ کر میڈیم تھینارڈیار
نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ کہا "دیکھ۔ میں نے تجھے پکڑ لیا۔
اگر اس طرح کرے گی تو تجھے اچھا بک سے کام کرانا پڑیگا"
اس پر بلجین نے میڈیم تھینارڈیار سے پوچھا۔
"لڑکی کو بھی کھیلنے نہیں دیتیں؟"
اگر کسی بڑے آدمی کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے تو
ممکن تھا کہ میڈیم تھینارڈیار اسے خوش کرنے کے لئے
کوئی بات بناتی مگر اس پھٹے ہوئے کوٹ اور ٹوٹی ہوئی
ٹوپی پہننے والے غریب کو خواہ مخواہ دخل دیتے دیکھ کر وہ
بے اختیار ہنس پڑی اور بولی "کام نہ کرے گی تو کھائے
گی کہاں سے؟"
"اِس وقت کیا کر رہی ہے؟"
"میری لڑکیوں کے لئے موزے بُن رہی ہے"۔
"کب تک موزے تیار کرے گی؟"

"اس سست لڑکی کو چار پانچ روز لگیں گے"۔
"موزہ بنا جائے گا تو اس کی قیمت کیا ہو گی"؟
"کم از کم تیس سُو"۔
میں ان موزوں کے ۵ فرینک دیتا ہوں۔ انہیں میرے ہاتھ فروخت کردیں"۔
اگرچہ تھینارڈیار اپنے یاردوستوں کے ساتھ شراب پی رہا تھا۔ اور بظاہر ہنسی مذاق میں مشغول تھا مگر للچائی ہوئی نگاہوں سے بلجین کے سب کام دیکھ رہا تھا۔ موزے کی خرید و فروخت کی بات سن کر جھٹ بول اُٹھا۔ نقد دام ملتے تو ہم لوگ مہمانوں کی تمام خواہشات پوری کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ۵ فرینک دے کر آپ موزہ لے سکتے ہیں"۔
بلجین نے ۵ فرینک کا سکّہ نکال کر میز پر رکھ دیا اور میڈیم تھینارڈیار سے کہا "یہ لیجئے موزے کی قیمت"۔
اس کے بعد اُس نے کسیٹ کو مخاطب کر کے کہا۔
"بچّی! تمہاری محنت کا معاوضہ میں نے دے دیا ہے۔ اب تم جا کر آزادی سے کھیلو"۔
تھینارڈیار اپنی جگہ سے اُٹھا اور میز پر سے روپیہ اُٹھا

کر آہستہ سے جیب میں ڈال لیا۔ میڈیم تھینارڈیار خاموش تھی۔ کسیٹ نے بید کی مانند کانپتے ہوئے اُس سے پوچھا۔ میں کھیلوں ؟

میڈیم تھینارڈیار نے کڑک کر کہا "جا کھیل"۔

تھینارڈیار جا کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر شراب کا دور چلنے لگا۔

میڈیم تھینارڈیار نے آہستہ آہستہ جا کر اُس کے کان میں کہا۔ "یہ کون ہے؟"

تھینارڈیار نے اس انداز سے جواب دیا۔ گویا وہ سب کچھ جانتا تھا۔ "میں نے کئی کروڑپتی دیکھے ہیں جو یوں ہی غریبوں کی طرح رہتے ہیں"۔

کسیٹ نے موزہ بننے کا سامان ایک طرف رکھ دیا۔ اور لکڑی کا ایک صندوقچہ نکالا۔ اُس میں بہت سے چیتھڑے اور ایک ہی چھوٹی سی سیسے کی تلوار تھی۔ اس کو لے کر اُس نے کھیلنا شروع کر دیا۔ بلجین بیٹھا ہوا سیدھی سادی لڑکی کا کھیل دیکھ رہا تھا۔

کمرے میں ایک طرف تھینارڈیار کی دو نوں بیٹیاں ایوائن

اور زیلما ایک بلّی پکڑ کر اور اُسے طرح طرح کی پوشاکیں پہنا کر کھیل رہی تھیں۔ اُن کا ایک کھلونا میز پر رکھا تھا۔ کسیٹ نے دیکھا کہ سب اپنے اپنے کام میں مشغول ہیں۔ میری طرف کوئی بھی نہیں دیکھتا۔ اس کا دل چاہا کھلونا اٹھا لوں۔ رہا نہ گیا دبے پاؤں میز کے پاس گئی۔ چپ چاپ کھلونے کو اُٹھا کر چوم لیا۔ پھر اُس کے ساتھ کھیلنے لگی۔ تھوڑی دیر تک تو کسی نے اُس کی طرف نہیں دیکھا مگر یکایک زیلما کی نگاہ اُس پر پڑ گئی۔ اس نے ایوناٸن سے کہا "بہن! دیکھو"۔

کسیٹ کی یہ حرکت دیکھ کر دونو بہنیں ششدر رہ گئیں۔ کسیٹ اُن کے کھلونے کے ساتھ کھیل رہی ہے! اُس کی اتنی مجال!

ایوناٸن اپنی ماں کے پاس جاکر بولی "ماں! ذرا کسیٹ کو تو دیکھو"۔

میڈیم تھینارڈ یار نے کڑک کر کہا "کسیٹ!"

لڑکی کانپ اُٹھی۔ کھلونا زمین پر رکھ دیا اور سر جھکا کر اپنے کیے کی سزا بھگتنے۔ چار پانچ تھپڑ کھانے کو تیار ہو گئی۔ بلجین نے ہوٹل کے مالک سے پوچھا "کیا بات ہے؟"

کیا ہو گیا ہے؟"

میڈیم تھینارڈیار نے کہا "دیکھئے نا اس چھوکری کی دیدہ دلیری ہمیری بچیوں کے کھلونے سے کھیل رہی ہے!!"

بلجین بغیر کچھ کہے سنے اٹھا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ میڈیم تھینارڈیار نے موقع غنیمت سمجھا۔ اور ٹھوکر مار کر کسیٹ کو میز کے نیچے گرا دیا۔ کسیٹ زور زور سے رونے لگی۔ بلجین تھوڑی ہی دیر میں واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ریشمی کپڑوں میں ملبوس ایک نہایت خوشنما بڑی سی گڑیا تھی۔ گڑیا لا کر اس نے کسیٹ کے سامنے رکھ دی اور کہا تم یہ لے لو۔"

کسیٹ کھوئی سی گئی۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ کیا کرے۔ وہ کبھی گڑیا کی طرف دیکھتی اور کبھی بلجین کی طرف اس خوب صورت گڑیا کو چھونے کی اسے ہمت نہ پڑتی تھی۔ میڈیم تھینارڈیار دل میں تو لو وار دیر بہت جھنجھلائی۔ مگر اپنے اصلی جذبات کو چھپا کر کسیٹ سے بولی "کسیٹ! یہ صاحب تمہیں گڑیا دے رہے ہیں۔ تمہارے لئے لائے

ہیں۔ لے لو"
ڈرتے ڈرتے کسیٹ نے گڑیا کی طرف دیکھا۔ گو ابھی تک اُس کے چہرے پر آنسوؤں کے نشان تھے۔ مگر صبح صادق کے آسمان کی طرح اُس کی آنکھوں سے مسرت کی شعائیں نکل رہی تھیں۔
اس نے میڈیم سے پوچھا "میں لے لوں؟"
میڈیم تھینارڈیار بولی "کیوں نہیں؟ وہ تمہیں دے رہے ہیں تو تمہاری چیز ہے"
کسیٹ بولی "سچ مچ؟ گڑیا میری ہے؟"
بلجین کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اُس کا جوش اب اس حد تک پہنچ گیا تھا جب آدمی صرف اس وجہ سے نہیں بولتا۔ کہ کہیں رو نہ پڑے۔ اُس نے کسیٹ کو اپنے پاس بُلایا اور گڑیا اُس کے ہاتھ میں دے دی۔
میڈیم تھینارڈیار نے اپنی لڑکیوں کو سونے کے لئے بھیج دیا۔ اور کسیٹ کو بھی سونے کا حکم دیا۔ کسیٹ نے گڑیا گود میں لے کر احسانمندی کے انداز سے بلجین کی طرف دیکھا۔ اور چلی گئی۔ رفتہ رفتہ رات زیادہ گذر گئی

اور سب خریدار چلے گئے ۔

بلجین اسی طرح کرسی پر بیٹھا تھا۔ پاؤں میز پر رکھے ہوئے تھے۔ تھینارڈیار نے اپنی بیوی کو علیحدہ لے جا کر کہا: "تمہیں دکھائی نہیں دیتا؟ یہ شخص کروڑپتی ہے۔ بظاہر اُس کی خوب خاطر تواضع کرو۔ مجھے یہ شخص بہت پُراسرار معلوم ہوتا ہے۔ مالدار لوگ اسپنج کی طرح ہوتے ہیں۔ جن میں پگھلا ہوا سونا بھرا ہو۔ جب دبایا تھوڑا سا سونا نکال لیا!"

شوہر کا یہ مشورہ بیوی کو بہت پسند آیا۔ وہ آہستہ آہستہ بلجین کے پاس گئی اور بولی: "جناب! رات بہت گذر گئی ہے آپ آرام نہیں فرمائیں گے؟"

بلجین نے کہا: "بہت اچھا۔ سونے کے لئے جگہ بتا دیجئے!"

تھینارڈیار اور اُس کی بیوی آگے آگے چلے۔ پیچھے پیچھے بلجین تھا۔ ہوٹل کی بہترین خواب گاہ میں لے جا کر بیگم تھینارڈیار بولی: "میرے ہوٹل میں سب سے اچھا اور آراستہ کمرہ یہی ہے۔ یہ کمرہ آپ جیسے معزز صحاب

کے تشریف لانے پر ہی استعمال میں لایا جاتا ہے۔ آپ یہاں آرام کریں"۔

اس کے بعد میاں بیوی دونوں وہاں سے چلے گئے بلجبین ایک کرسی آگے کھینچ کر اس پر بیٹھ گیا۔ اور فکر کے گھوڑے دوڑانے لگا۔

بائیسواں باب

کسیٹ کا چھٹکارا

بلجبین نے ساری رات بیٹھے بیٹھے کاٹ دی۔ اُسے نیند بالکل نہ آئی۔ تمام رات وہ یہی سوچتا رہا۔ کہ ان ظالم بیدرد میاں بیوی کے ہاتھ سے معصوم کسیٹ کو کس طرح چھٹکارا دلایا جائے۔ علی الصبح وہ پلنگ پر سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اور نیچے اترا۔ میڈیم تھینارڈ یار پہلے سے صحن اور کمروں کی صفائی میں مشغول تھی۔ بلجبین کو آتا دیکھ کر بڑی تعظیم سے سلام کیا۔ اور بولی "کیوں صاحب! اتنے سویرے چلنے کے لئے تیار ہو گئے؟"

بلجبین نے جواب دیا "ہاں مجھے رات کے قیام کا کتنا کرایہ دینا ہو گا؟"

میڈیم تھینارڈیار اپنے شوہر کے کمرہ میں گئی۔ وہاں سے ایک لمبا چوڑا بل تیار کرلائی۔ اور بلجین کے ہاتھ میں دے دیا۔ ساتھ ہی بڑے شیریں لہجہ میں بولی۔

"نیئس فرینک"۔

بلجین کی توجہ بل کی طرف نہ تھی۔ اس کا دل کسی اور ہی فکر میں رکھ رہا تھا۔ بے توجہی سے کہا "معلوم ہوتا ہے ان دنوں آپ کا کاروبار خوب چل رہا ہے"۔

مالکہ بولی "ایک طرح سے چلا جا رہا ہے۔ آپ جیسے مالدار اصحاب بہت کم تشریف لائے ہیں۔ غریب طبقہ کے لوگ زیادہ آتے ہیں۔ خرچ بہت ہے۔ اس چھوٹی لڑکی کی پرورش ہی میں بہت سارو پیہ خرچ ہو جاتا ہے"۔

"کون سی چھوٹی لڑکی"؟

"یہی۔ کسیٹ"؟

بلجین بظاہر بے پرواہی سے بولا "اگر آپ کو اس سے آزاد کرا دیا جائے"؟

میڈیم تھینارڈیار ہنس پڑی "بہت بہتر۔ آپ اُسے ابھی لے جائیں۔ ہمارا چھٹکارا ہو جائے گا۔ کیوں لے

جائیں گے کیا؟"

"ہاں"

"ابھی"؟

"ابھی"

"تو اُسے بلاؤں کیا؟"

"ضرور"

میڈیم تھینارڈیار نے زور سے پکارا "کسیٹ!"

بلجین نے جیب سے ۵-۵ فرینک کے ۵ سکے نکال کر میز پر رکھ دیئے اور کہا۔ "یہ لیجئے اپنے بل کا روپیہ ۲۳ فرینک۔ باقی دو فرینک خدمتگاروں کو انعام دے دیجئے۔ اب جا کر لڑکی کو لے آئیے"۔

اسی وقت تھینارڈیار وہاں آ گیا۔ اور کمرے کے وسط میں کھڑا ہو کر اپنی بیوی سے کہنے لگا۔ "نہیں۔ اِن کا کرایہ ۲۳ فرینک نہیں ہُوا بلکہ ۲۶ سُو ہوتا ہے"۔

میڈیم تھینارڈیار نے حیرت میں آ کر پوچھا۔ "کیا؟ صرف ۲۶ سُو؟"

تھینارڈیار نے کہا "ہاں ۲۰ سُو کمرہ کا کرایہ اور ۶ سُو

بابت خوراک۔ لڑکی کے بارے میں میں ان سے تنہائی میں گفتگو کروں گا"۔

میڈیم تھینارڈیار کمرے سے باہر چلی گئی۔ تھینارڈیار نے ایک کرسی کھینچ کر بلجین کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

جب بلجین بیٹھ گیا۔ تو تھینارڈیار نے سلسلۂ کلام یوں شروع کیا "جناب من! سچ سچ کہوں کیا؟ ہم اُس لڑکی کو دل وجان سے زیادہ پیار کرتے ہیں"۔

بلجین نے تھینارڈیار کے چہرے پر نظریں گاڑ کر پوچھا "کون سی لڑکی؟"

"یہی ہماری کسیٹ۔ آپ اسے لے جانا چاہتے ہیں نہ؟ تو میں صاف صاف بتا دیتا ہوں۔ کہ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا ہم نے اُسے پال پوس کر اتنا بڑا کیا۔ اپنے بچّوں کی طرح رکھا اور پیار کیا۔ وہ چلی جائے گی تو میرا مکان سُنسان ہو جائے گا"۔

بلجین کی مُطمئن نظریں تھینارڈیار کے چہرہ پر جمی ہوئی تھیں۔

تھینارڈیار بولا "مجھے معاف کیجئے گا۔ لیکن میں ایک

اجنبی شخص کے ہاتھ میں لڑکی کا ہاتھ کس طرح دے دوں ؟ اور اگر دینا منظور بھی کر لوں تو مجھے کچھ یہ تو معلوم ہو۔ کہ آپ کون ہیں۔ کیا کرتے ہیں۔ کہاں رہتے ہیں ؟ میں تو آپ کے نام سے بھی واقف نہیں ہوں "

دل کی بات بھانپ لینے والی نگاہیں تھینارڈیار کے چہرے پر سے ہٹائے بغیر بلجین نے ذرا زور سے کہا۔ "مسٹر تھینارڈیار! میں آپ کو اپنے بارے میں کچھ نہ بتاؤں گا۔ اگر آپ کسیٹ کو دیں گے بھی۔ تو میں اسی شرط پر لوں گا۔ کہ آپ پھر اُس سے کبھی نہ مل سکیں گے۔ اس شرط پر اگر آپ کسیٹ کو دینا منظور کریں تو دے سکتے ہیں۔ ورنہ مجھے کوئی ضرورت نہیں "

تھینارڈیار پکا بدمعاش تھا۔ سمجھ گیا۔ یہاں دال نہ گلے گی۔ شیر کو اشتعال دلانے کا اُسے حوصلہ نہ پڑا۔ اُس نے سوچا یُوں کام نہ بنے گا۔ ایسی طبیعت کے آدمی سے شرارت نہیں چل سکتی۔ صرف راست روی سے مقصد براری ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اُس نے بلا تامل کہا۔ "تو جناب! آپ کو ڈیڑھ ہزار فرینک دینا پڑے گا "

بلچین نے اپنی جیب سے چمڑے کا ایک پرانا بٹوا نکالا۔ اور اُس میں سے پانچ پانچ سو فرینک کے تین نوٹ نکال کر تھینارڈیار کے سامنے میز پر رکھ دیئے اور کہا "یہ لو۔ جاؤ اب کسیٹ کو لے آؤ"۔

شوہر کا حکم پاکر میڈیم تھینارڈیار نے فوراً کسیٹ کو لاکر کمرے میں کھڑا کر دیا۔ بلچین نے اپنی گٹھری میں سے سیاہ رنگ کی مخمل کا ایک جوڑا نکالا اور کسیٹ کے ہاتھ میں دے کر کہا "ننھی! اپنے میلے کپڑوں کو اتار کر یہ جوڑا پہن لو"۔

صبح ہوگئی ہے۔ سڑک پر صرف دو تین راہ رو چل رہے ہیں۔ ایک بوڑھا آدمی پھٹے پرانے کپڑے پہنے جا رہا ہے ایک آٹھ سال کی لڑکی نے جس کے کپڑے نئے ہیں۔ اس کا ہاتھ پکڑ رکھا ہے۔ دونوں پیرس کو جا رہے ہیں۔ لڑکی کی گود میں ایک بڑی گڑیا ہے۔ بوڑھے کے ہاتھ میں ایک موٹا ڈنڈا ہے۔

تھینارڈیار نے اتنے روپے کبھی ایک جا نہ دیکھے تھے۔ فرطِ مسرت سے بار بار نوٹوں کو اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا

جتنا دیکھتا تھا۔ دیکھنے کی خواہش بڑھتی جاتی تھی۔ طبیعت سیر نہ ہوتی تھی۔ آدھ گھنٹہ اسی حالت میں گذر گیا۔ اُس نے بڑے خوشگوار لہجے میں اپنی بیوی کو بلایا۔ اور اُسے پاس بٹھا کر ڈیڑھ ہزار فرینک دکھائے "۔

بیوی بولی "بس یہی؟"

شادی کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا۔ کہ میڈیم تھینارڈیار نے اپنے شوہر کے کام پر اس طرح نکتہ چینی کی مگر یہ بڑی کڑی چوٹ تھی۔

تھینارڈیار نے کہا "ٹھیک کہتی ہو۔ میں بڑا گدھا ہوں۔ اتنا بھی نہ سمجھا۔ میری ٹوپی لاؤ۔ دیکھوں شاید اُسے پکڑ سکوں "۔

تینوں نوٹ جیب میں ڈال کر تھینارڈیار سڑک پر آ پہنچا۔ راہ گیروں سے دریافت کرتا کرتا بڑی تیزی سے اُس طرف لپکا جدھر بلجین کسیٹ کو لے کر جا رہا تھا۔ چلتا جاتا تھا۔ اور اپنی بیوقوفی پر اپنے آپ کو لعن طعن بھی کرتا جاتا تھا۔ آخر کچھ فاصلے پر سڑک کے کنارے درختوں کے جھنڈ میں اسے ایک ٹوپی نظر آئی۔ اور اس کی جان میں جان

گئی۔ بلجین کسیٹ کو لے کر تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے وہاں بیٹھ گیا تھا۔ تھینا رڈیار ہانپتا ہانپتا اُس کے سامنے جا پہنچا اور نوٹ اُس کے آگے رکھ کر بولا" معاف کیجئے جناب! یہ لیجئے اپنے نوٹ واپس لے لیجئے"۔

بلجین حیران ہو کر بولا" کیوں۔ اِس کا کیا مطلب"؟

تھینا رڈیار نے کہا" اِس کا مطلب یہی۔ کہ میں کسیٹ کو واپس لے جاؤں گا"۔

یہ الفاظ سُنتے ہی کسیٹ چلا اُٹھی اور بلجین سے لپٹ گئی۔

بلجین تیز نگاہوں سے تھینا رڈیار کو دیکھ کر بولا" تم کسیٹ کو واپس لے جاؤ گے"؟

تھینا رڈیار نے جواب دیا" جی ہاں۔ میں نے اس معاملہ پر غور کر لیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے اس لڑکی کے دینے کا حق ہی حاصل نہیں ہے۔ یہ لڑکی میری اپنی بیٹی نہیں۔ اِس کی والدہ اسے میرے ہاں چھوڑ گئی ہے۔ جب وہ آکر اُسے واپس مانگیں گی اس وقت میں کیا جواب دوں گا؟ آپ شائد کہہ دیں کہ اس کی ماں مر گئی ہے۔ ایسی حالت

میں بھی لڑکی صرف اُسی شخص کے حوالے کی جاسکتی ہے۔
جواس کی ماں کی اس مطلب کی تحریر دکھائیے"۔
بلجین نے تھینارڈیار کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔
اُس نے اپنی جیب سے آہستہ آہستہ اپنا پُرانا بٹوا نکالا۔
حریص تھینارڈیار مارے خوشی کے پھولا نہ سمایا۔ اُس
نے سمجھا۔ دوا کارگر ہوئی۔ مگر اس مرتبہ بٹوے سے نوٹ
نہیں نکلے۔ نکلا ایک کاغذ کا پُرزہ۔ بلجین نے وہ پُرزہ
تھینارڈیار کے ہاتھ میں دے کر اُسے پڑھنے کے لئے
کہا۔ تھینارڈیار نے اُسے پڑھا۔ اُس میں درج تھا:۔

"ایم سر ایم۔
مارچ ۲۵ سنہ ۱۸۲۳ء
مسٹر تھینارڈیار۔
کسیٹ کو حامل رقعہ ہذا کے ساتھ بھیج دیں۔ جو خرچ
باقی ہوگا یہ ادا کردیں گے۔

آپ کی
فینٹائن

بلجین نے پوچھا "دستخط پہچانتے ہو؟"
فینٹائن کا دستخط تو تھا ہی۔ تھینارڈیار نے پہچان بھی لیا۔ اب وہ کچھ جواب نہ دے سکا۔
بلجین بولا "دل چاہے تو یہ کاغذ اپنے پاس رکھ لو"
تھینارڈیار کاغذ کو ہاتھ سے موڑتے موڑتے کہا "یہ تو جعل معلوم ہوتا ہے۔ خیر! کچھ بھی ہوا بھی فینٹائن کے ذمہ میرا بہت سارو پیہ باقی ہے"
بلجین اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور اپنے کپڑوں کی گرد جھاڑتا ہوا بولا "مسٹر تھینارڈیار! ماہ جنوری میں لڑکی کی والدہ نے حساب کیا تھا کہ اسے آپ کے ۱۲۰ فرینک دینے ہیں۔ ماہ فروری میں آپ نے ۵۰۰ فرینک کا بل بھیجا۔ ۳۰۰ فرینک آپ کو ماہ فروری کے آخر میں ملے۔ اور ۳۰۰ مارچ میں۔ اس کے بعد نو ماہ گذرے۔ ۱۵ فرینک ماہوار کے حساب سے کُل ۱۳۵ فرینک ہوئے۔ اِس حساب سے آپ کو ۱۰۰ فرینک زیادہ ملے۔ اور میں نے ابھی آپ کو پندرہ سو فرینک اور دیئے ہیں"
شکاری کے آہنی قفس میں داخل ہو کر جو حالت شیر

کی ہُوا کرتی ہے۔ وہی اس وقت تھینا رڈیار کی ہوئی۔ وہ مجبور شیر کی مانند گرج کر بولا "صاحب! میں آپ کو نہیں جانتا۔ آپ کا نام تک مجھے معلوم نہیں۔ اگر آپ تین ہزار فرینک نہیں دیتے تو میں کسیٹ کو واپس لے جاؤں گا"
بلجین نے استقلال کے ساتھ کسیٹ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔
"آؤ کسیٹ!" اور اپنی موٹی چھڑی اُٹھا کر چل دیا +
موٹا ڈنڈا۔ بلجین کا طاقتور جسم۔ اور سنسان راستہ دیکھ کر تھینا رڈیار منہ دیکھتا رہ گیا +
کسیٹ کو ساتھ لے کر بلجین نے اپنی راہ لی +

تئیسواں باب

مُصیبت میں

جس وقت بلجین پیرس شہر میں پُہنچا آفتاب غروب ہو چُکا تھا۔ وہ ایک کرایہ کی گاڑی میں سوار ہوکر اسپلینڈ کے قریب جا اُترا۔ وہاں سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹی سی گلی میں ایک سہ منزلہ حویلی کی تیسری منزل پر اُس نے ایک کمرہ پہلے سے کرایہ پر لے رکھا تھا۔ کسبیٹ کو ساتھ لے کر وہ اُسی مکان میں چلا گیا۔ یہ معمولی سا مکان تھا۔ اور چونکہ اُس کا کرایہ بھی کم تھا۔ اس لئے ہر وقت کرایہ داروں سے بھرا رہتا تھا۔ کسبیٹ گاڑی میں سو گئی تھی۔ بلجین نے اُسے جگایا نہیں۔ اُسی حالت میں اُسے گود میں لئے ہوئے کمرہ میں داخل ہُوا۔ اُس کمرہ میں سازوسامان کچھ زیادہ نہیں تھا

تھوڑا بہت جو کچھ تھا وہ بالکل سادہ اور غریبانہ تھا۔ وہاں ایک میز اور چند کرسیاں رکھی تھیں۔ ایک کونے میں ایک چولھا پڑا تھا اور دوسری طرف ایک معمولی قسم کا ہلکی قیمت کا لمپ رکھا تھا + بلجین نے کسیٹ کو بستر پر لٹا دیا اور لمپ روشن کرکے اُس کی دھیمی روشنی میں اس کے خوب صورت چہرے کو دیکھنے لگا +

لڑکی گہری نیند سو رہی تھی۔ اُسے کچھ معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں آئی ہے اور اُسے کون لایا ہے۔ بلجین نے جُھک کر کسیٹ کے ہاتھوں کو چوم لیا۔ نو ماہ پیشتر اُس نے اسی طرح اس کی ماں کے ہاتھ چُومے تھے۔ اس وقت وہ بھی اسی طرح پڑی سو رہی تھی + اس رنج دہ یاد نے اُس کے دل کو تڑپا دیا۔ نو ماہ کا عرصہ ہوا جس طرح اُس نے فینٹائن کے پلنگ کے پاس دوزانو ہو کر خُدا سے دُعا مانگی تھی۔ اُسی طرح اُس نے آج کسیٹ کی چارپائی کے پاس بیٹھ کر خُدا سے التجا کی +

صبح ہو گئی تھی۔ مگر کسیٹ ابھی تک سو رہی تھی۔ دسمبر کا مہینہ تھا آفتاب کی ہلکی ہلکی روشنی کھڑکی کی راہ سے چھن

چھن کر اُس کے چہرہ پر پڑ رہی تھی۔ یکایک نیچے ایک سامان سے لدی ہوئی گاڑی گزری۔ جس کے شور سے تمام مکان کانپ اُٹھا۔ کسیٹ کی آنکھ کھل گئی۔ آنکھوں کو ملتی ہوئی وہ جھٹ پٹ اُٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی روز کی عادت کے مطابق بولی "ہاں میڈیم! میں ابھی آتی ہوں۔ میری جھاڑو کہاں ہے؟"

آنکھیں کھول کر دیکھا۔ تو سامنے بلجین کھڑا مسکرا رہا تھا۔ پہلے روز کے سب واقعات یاد آگئے۔ اور بولی۔ "اوہ! میں سب کچھ بھول گئی تھی۔ آداب بجا لاتی ہوں"

بچپن کے زمانہ میں ہنسی و شادمانی بہت آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ بچّہ خود مجسّم خوشی اور مسرت ہوتا ہے کسیٹ نے دیکھا کہ اس کی گڑیا اُسی کی چارپائی کے نیچے پڑی ہے۔ وہ اسے اُٹھا کر کھیلنے لگی۔ بلجین سے طرح طرح کے سینکڑوں سوالات کئے۔ میں کہاں ہوں؟ پیرس بہت بڑا ہے؟ میڈیم تھینارڈیار بہت دور ہیں؟ وہ یہاں تو نہیں آئے گی؟ وغیرہ وغیرہ۔

یکایک وہ فرط مسرت سے چلّا اُٹھی "یہ جگہ کیسی اچھی

ہے۔" درحقیقت اس مقام میں کوئی خاص دلکشی نہیں تھی۔ آج قیدی کسیبٹ آزاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آج اتنی خوش ہے۔
پیرس پہنچنے کے بعد بلجین اور کسیبٹ کے کئی ہفتے بڑے آرام چین سے گذر گئے۔ تمام دن بلجین گھر پر رہتا کسیبٹ کو لکھنا پڑھنا سکھاتا اور کبھی کبھی اُسے کھیل کھلاتا شام کے بعد دونوں ہواخوری کے لئے باہر جاتے۔ بلجین کو کسیبٹ "بابا" کہہ کر مخاطب کرتی۔ اُسے اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ بابا کے علاوہ اس کا نام کیا ہے۔ بلجین بھی دنیاوی محبّت میں پھنس گیا۔ اُس آنکھوں پر پردۂ پندار پڑ گیا۔ اس وقت پھر اُس کی زندگی پر لطف اور جینے کے قابل بن گئی۔

دُنیا کا قاعدہ ہے۔ کہ انسان انسان کا سُکھ نہیں دیکھ سکتا۔ کسیبٹ کے ساتھ بلجین سُکھ سے رہتا ہے۔ ہمسایوں کی آنکھوں میں ان کی راحت کھٹکنے لگی۔ وہ لوگ بُوڑھی خادمہ کے ذریعے آہستہ آہستہ بلجین کی زندگی کے رازوں کو معلوم کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اُس کا گُذارہ کس طرح ہوتا ہے؟ اس بات کا پتہ لگانے کے لئے مکان کی مالکہ

سب سے زیادہ بیتاب تھی۔ تختوں کی درز میں سے ایک روز
اُس نے دیکھا کہ آدھی رات کے وقت بلجین نے لمپ جلاکر
قینچی اور سوئی تاگہ نکالا۔ اور اپنے کوٹ کی سلائی اُدھیڑ کر
اُس میں سے ایک زرد رنگ کا کاغذ نکال لیا۔ پھر اُسی طرح
سلائی کر دی۔ اس بات کی بنا پر دوسرے کرایہ داروں میں خوب
گرما گرم بحث ہوئی۔ حسد نفرت میں تبدیل ہو گیا۔ بلجین نے
سوچا کہ اب اس مکان میں رہنا مناسب نہیں۔

اُنہی دنوں ایک فقیر ہر روز آتا اور اس مکان کے
دروازے پر بیٹھ جایا کرتا۔ بلجین شام کے وقت جب
ہوا خوری کے لئے باہر نکلتا تو ہر روز اُسے دو چار پیسے
دے دیا کرتا تھا۔ ایک روز شام پڑنے سے کچھ پہلے بلجین
اپنے مکان سے نکلا۔ آفتاب غروب ہونے میں دیر تھی۔ فقیر
نے کچھ سوال کیا۔ بلجین اسے پیسے دے رہا تھا کہ فقیر نے ایک
گہری تیز نگاہ ڈال کر اُس کے دل کی حالت کا اندازہ لگانے
کی کوشش کی۔ بلجین کی روح کانپ اُٹھی۔ اُس نے دیکھا کہ
وہ چہرہ کسی اجنبی فقیر کا نہیں۔ بلکہ اس کے واقف پولس افسر
کا ہے۔

بلجین کے دل میں فوراً یہ خیال گزرا۔ کیا مجھے گرفتار
کرنے کے لئے جابرٹ فقیر بن کر میرے پیچھے پیچھے پھر رہا ہے؟
اگر یہ فقیر جابرٹ ہی ہے۔ تو کیا اُس نے مجھے پہچان لیا ہے؟
مندرجہ بالا واقعہ کے کئی دن بعد آدھی رات کے وقت
بلجین نے اپنے کمرے کے باہر بہت سے آدمیوں کے
پیروں کی چاپ اور اُن کی باہم سرگوشیاں سُنیں۔ اصلی بات
سمجھنے میں اُسے کچھ دیر نہ لگی۔ یقیناً جابرٹ اپنی پولیس کی
فوج لے کر مجھے گرفتار کرنے آیا ہے۔ آہستہ آہستہ اُس
نے لمپ گل کر دیا۔ صندوق سے ایک رسّی نکالی۔ اُسے کھڑکی
کی ایک سلاخ سے باندھ کر باہر لٹکا دیا۔ اُس طرف پولس کے
سپاہی نہیں تھے۔ خواب میں سرشار کسیٹ کو کندھے پر
اُٹھایا۔ اور اس رسّی کے ذریعے نیچے سڑک پر اُتر گیا۔ ابھی
بہت تھوڑی دیر جانے پایا تھا۔ کہ جابرٹ نے اپنے سپاہیوں
سمیت اُس کا تعاقب شروع کر دیا۔ بلجین اِدھر اُدھر گلیوں
میں دوڑتا پھرا۔ اور پھر غلطی سے ایک بند گلی میں جا پہنچا۔
چوہا پنجرے میں پھنس گیا۔ اس مصیبت سے بچ نکلنے کی
صرف ایک ہی راہ تھی۔ بدقسمت بلجین نے اُسی کی پناہ لی۔

اُس نے بلا توقف جیب میں سے لوہے کا ایک تیز کانٹا اور ایک ہتھوڑا نکالا۔ کانٹے کو دیوار میں گاڑ دیا۔ اور زور لگا لگا کر بڑی ہوشیاری سے پتھر کا ایک ٹکڑا باہر نکال لیا۔ پتھر نکل جانے سے دیوار میں جو چھید ہو گیا۔ اُس میں پاؤں پھنسا کر اس نے ایک اور اوپر کا پتھر نکالا۔ اور اُس میں پاؤں رکھ کر فصیل کے سرے پر جا پہنچا۔ کسیٹ کی کمر سے اُس نے پہلے ہی ایک رسّی باندھ دی تھی۔ اُسی رسّی کی مدد سے کسیٹ کو اُوپر کھینچ لیا۔ دیوار سے ملحق ایک درخت تھا۔ اس کا سہارا لے کر وہ نیچے باغ میں اُتر گیا۔ جابرٹ اور اس کے سپاہی بلجین کی تلاش میں بہت دیر تک اِدھر اُدھر ٹکریں مارتے رہے۔ آخر ہار گئے۔ اور مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔ اُنہیں اس بات کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ کہ بلجین اتنی اونچی دیوار کو اس پھرتی سے پھاند جائے گا؛

فکلیونیٹ کی احسانمندی

باغ میں اُتر کر بلجین نے دیکھا کہ باغ کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے۔ چاروں طرف جھاڑ جھنکاڑ کھڑے ہیں۔ بلجین نے درختوں کی ٹہنیوں اور بیلوں کو ہٹا کر کسیٹ کو ایک صاف جگہ گھاس پر لٹا دیا اور آہستہ سے کہا۔

"کسیٹ!"

کسیٹ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اُس کے ہاتھ پاؤں یخ ہو رہے تھے۔ لڑکی زندہ بھی ہے؟ بلجین بہت گھبرایا۔ کسیٹ کے بدن کو گرم کس طرح کیا جائے؟ یہاں آگ کہاں ملے گی؟

بلجین نے دیکھا۔ تھوڑی دور پرے ایک شخص ٹہل رہا

ہے۔ چونکہ اُس کا سر جُھکا ہُوا تھا اِس لئے وہ بلجین کو دیکھ نہ سکا تھا۔ بلجین اس کے سامنے چلا گیا۔ اپنی جیب سے چند اشرفیاں نکال کر اُس کے سامنے رکھ دیں۔ اور بڑے دردناک لہجہ میں کہا۔ ہمیں آج رات یہاں پناہ لے لینے دیجے اور اُس کے معاوضہ میں یہ اشرفیاں قبول کیجے "۔

اسی وقت چاند کی روشنی میں بلجین کا چہرہ چمک اُٹھا۔ اُس شخص نے جھٹ بلجین کو پہچان لیا۔ پہچان کر فوراً اُس کے قدموں میں گر پڑا اور بولا "مسٹر ماؤلن! آپ! آپ یہاں کہاں سے آگئے؟"

بلجین حیران ہو گیا! اس اندھیری رات میں اُسے کس نے پہچان لیا؟ کس نے اُس کے پُرانے چھوٹے ہوئے نام سے اسے مخاطب کیا؟

متعجب ہو کر بلجین نے پُوچھا "تم کون ہو؟ یہ مکان کس کا ہے؟"

"ارے مسٹر ماؤلن! آپ مجھے پہچان نہیں سکے؟ میں فکلیونیٹ ہوں۔ آپ نے مجھے گاڑی کے پہئے کے نیچے سے نکال کر میری جان بچائی تھی"۔

اب بلجین نے اُسے پہچان لیا ⁂

فکلیو نیٹ پھر بولا "آپ ہی نے مجھے اس باغیچہ میں مُلازم رکھوایا تھا۔ مسٹر باؤلن! آپ تو سب باتیں بھول گئے؟"

بلجین نے کہا "اب زیادہ کہنے سُننے کی ضرورت نہیں میں نے تمہیں اچھی طرح پہچان لیاہے۔ تم اس وقت کیا کر رہے تھے؟"

"تربُوز کے کھیت میں تربُوزوں کو ڈھانپ رہا تھا" ⁂

"تمہارے گھٹنے پر گھنٹی کیسی بندھی ہے؟"

"اوہ۔ یہ گھنٹی! اس گھنٹی کی آواز سُن کر اُنہیں بھاگنے کی مہلت مل جاتی ہے" ⁂

"انہیں۔ کن کو؟"

"یہاں صرف مستورات رہتی ہیں۔ وہ مرد کو دیکھ کر ڈرتی ہیں۔ اسی لئے میرے گھٹنے پر گھنٹی باندھ دی ہے" ⁂

"یہاں کون رہتاہے؟"

"آپ نہیں جانتے یہاں صرف ایسی لڑکیاں اور عورتیں رہتی ہیں جنہوں نے تمام عمر کنواری رہنے کا عہد کر رکھا

ہے۔ مگر مسٹر باؤلن! آپ یہاں پہنچے کیونکر؟ اگرچہ آپ کے چال چلن پر کسی قسم کا شبہہ نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم آپ مرد ہیں اور یہاں مردوں کے آنے کی ممانعت ہے۔"

"آخر تم بھی تو ہو۔"

"بس صرف میں ہی ہوں۔"

بلجین باغبان کے اور بھی قریب جا کر کہنے لگا۔ "دیکھو فکلیونیٹ! میں نے تمہاری جان بچائی تھی۔ میں نے جو کچھ تمہارے لئے کیا تھا۔ وہی تم اس وقت میرے لئے کرو۔"

"باؤلن صاحب! میں بھلا آپ کے لئے کیا کر سکوں گا اگر اپنی جان دے کر بھی میں آپ کے کسی کام آ سکوں یا آپ کی کوئی خدمت سرانجام دے سکوں تو اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا۔ میں چھوٹا سا غریب آدمی۔ میری ذات سے آپ کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟"

"میں تم سے سب باتیں تفصیل وار بیان کروں گا تمہارے رہنے کے لئے علیحدہ مکان ہے نہ؟"

"وہ پرے۔ باغ کے کونے میں ایک جھونپڑی ہے۔"

"اچھا۔ مگر تم دو وعدے کرو۔ ایک یہ کہ مجھ سے دریافت نہ کرنا۔ میں یہاں کیسے آیا۔ اور دوسرے کسی کو یہ نہ بتانا کہ تم مجھے جانتے ہو"۔

"بہت اچھا۔ یوں ہی سہی۔ آپ کوئی اچھی بات ہی کریں گے۔ آپ کی ذات سے کسی بدی کی امید تھوڑا ہی ہو سکتی ہے"۔

"خوب! تو میرے ساتھ آؤ۔ میرے ساتھ ایک چھوٹی سی لڑکی ہے۔ اسے لے آئیں"۔

فکلیونیٹ بولا "چھوٹی لڑکی؟" مگر وہ بلاپس و پیش بلجین کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

بلجین کسیٹ کو گود میں اٹھا کر فکلیونیٹ کی جھونپڑی میں لے گیا۔ اور وہاں اس کو آرام سے لٹا دیا۔ اندر آگ جل رہی تھی۔ گرمی پہنچنے سے کسیٹ کی حالت ٹھیک ہو گئی اور وہ آرام سے سو گئی۔ دونوں آدمی آگ کے قریب میز کے پاس بیٹھ گئے۔ فکلیونیٹ نے کچھ بسکٹ۔ تھوڑا سا پنیر۔ ایک بوتل شراب اور دو گلاس لا کر میز پر رکھ دیئے اور بلجین سے کہا "مسٹر ماڈلن! یہ تو بڑا ظلم ہے کہ آپ

مجھے پہچان بھی نہ سکے۔ پہلے تو لوگوں کو موت کے مُنہ
سے نکالتے ہیں۔ اور پھر اُنہیں بھُول جاتے ہیں۔ بڑے
ظالم ہیں آپ!"

کنواریوں کی فرودگاہ

صبح کے وقت فکلیونیٹ اُٹھا۔ تو دیکھا کہ کسیٹ پڑی سو رہی ہے۔ اور مسٹر ماڈلن بیٹھے اُس کے چہرے کو تک رہے ہیں اور کچھ فکرمند سے نظر آتے ہیں۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور بلجین سے کہنے لگا "مسٹر ماڈلن! آپ یہاں پہنچ گئے ہیں۔ اب مجھے تو آپ کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیئے"۔

بلجین خود اسی فکر میں تھا۔

فکلیونیٹ نے پھر کہا "اوّل تو آپ یا یہ لڑکی دونوں میں سے کوئی اس جھونپڑی سے باہر نہ نکلے۔ اگر کسی نے آپ کو باغ میں دیکھ لیا تو سب کی شامت آجائے گی"۔

بلچین نے جواب دیا" بیشک۔ اس میں کیا شبہ ہے"
فکلیونیٹ نے کہا "مسٹر باؤلن! آپ بڑے اچھے
موقع پر یہاں تشریف لائے۔ آج کل ایک کنواری کو
کوئی مہلک عارضہ لاحق ہوگیا ہے۔ باقی تمام کنواریاں
شبانہ روز اُس کی تیمارداری اور خدمت میں مصروف
رہتی ہیں۔ آج کے دن تو کوئی ڈر نہیں۔ کوئی نہ دیکھنے پائے
گا۔ کل کی اللہ جانے"۔

اس وقت گھنٹہ بجنے کی آواز سنائی دی۔ فکلیونیٹ بولا
"معلوم ہوتا ہے مریضہ چل بسی۔ وہ سنئے۔ ماتمی گھنٹہ بج
رہا ہے"۔

بلچین کی توجہ ادھر نہ تھی۔ وہ سوچ رہا تھا۔ کہ کسی طرح
میں خود بھی یہاں رہنے لگوں اور کسیبٹ کو بھی یہیں رکھ لوں
تو خوب ہو۔

یہ مقام پولس کی دسترس سے باہر ہے اور یہاں
کوئی غیر آدمی کبھی نہیں آجا سکتا۔ میرے رہنے کے لئے
اس سے موزوں جگہ اور کوئی نہیں۔

اسی وقت ایک دوسری قسم کے گھنٹے کی آواز آئی۔

فکلیونیٹ جلدی سے اُٹھ کر بولا "مسٹر مائولن! آپ ذرا ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں۔ دیکھوں۔ مالکہ کیوں بلا رہی ہیں"۔
یہ کہہ کر فکلیونیٹ بڑی تیزی سے چلا گیا۔
اُس نے جا کر بڑی کنواری کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھل گیا۔ وہ اکیلی بیٹھی فکلیونیٹ کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ فکلیونیٹ سلام کر کے ادب سے ایک طرف کھڑا ہو گیا کنواری تسبیح پھیر رہی تھی۔ سر اُٹھا کر فکلیونیٹ سے کہنے لگی۔ فکلیونیٹ! میں نے تمہیں بلایا ہے۔ تم سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں"۔
فکلیونیٹ نے جواب دیا "ماں! میں بھی آپ سے ایک عرض کرنا چاہتا ہوں"۔
اس وقت بُڑھیا کی روح کانپ رہی تھی۔ بولی "اوہ تمہیں بھی کچھ کہنا ہے؟"
فکلیونیٹ نے کہا "نہیں ماں! میری ایک درخواست ہے"۔
بُڑھیا نے پُوچھا "کیا درخواست ہے؟ بتلاؤ"۔
فکلیونیٹ نے لمبی چوڑی تمہید کے بعد کہنا شروع

گیا"۔ اب میں بُوڑھا ہو گیا ہوں۔ کام بہت بڑھ گیا ہے۔
اکیلے سے تمام ہوتا نہیں۔ میرا ایک چھوٹا بھائی ہے۔ اگر
اجازت مل جائے تو اسے بلا لاؤں۔ میرے کام میں مدد دیا
کرے گا۔ اس کی ایک چھوٹی سی لڑکی ہے۔ اُسے یہاں
داخل کرا دوں گا"۔

فکلیونیٹ نے اس قسم کی بہت سی باتیں کہیں جب
کہہ چکا تو بُڑھیا بولی "فکلیونیٹ! تم آج رات کسی سے
لوہے کا ایک چھڑ نہیں لا سکتے"؟

• "چھڑا کس لئے"؟

"اس سے کسی چیز کو اوپر اُٹھانا ہے"۔

"ہاں ہاں! لے آؤں گا"۔

"فکلیونیٹ! تم نے گرجا گھر دیکھا ہے"؟

"جی ہاں"۔

"وہاں میز کا ایک پتھر اوپر اُٹھانا ہے"۔

"یہ کام میں اکیلا تو شاید نہ کر سکوں۔ دو آدمی ہوں تو
سہولیت سے ہو جائے"۔

"میڈیم اینین کسی طرح طاقت میں مردوں سے کم نہیں۔

وہ تمہیں مدد دیں گی +

"ہاں! مرد اور عورت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ میرا بھائی بڑا مضبوط اور توانا آدمی ہے"

بڑھیا کچھ سوچنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد بولی —

"فکلیونیٹ! تمہیں معلوم نہیں۔ آج ایک کنواری اس دنیائے ناپائدار سے رحلت کر گئی ہے؟"

"نہیں!"

"تم نے ماتمی گھنٹہ بجتے نہیں سُنا؟"

"اتنی دور سے کچھ سُنائی نہیں دیتا۔ اپنے گھنٹے کی آواز بھی بعض اوقات بڑی مشکل سے پہنچتی ہے"

"میڈیم کروس فکشن اب اس جہان میں نہیں ہیں۔ کنواریاں اُنہیں گرجا گھر کے اُس کمرے میں لے گئی ہیں جہاں مُردوں کی آخری رسومات ادا کی جاتی ہیں + تمہارے سوا کسی مرد کو وہاں جانے کی اجازت نہیں۔ کروس فکشن نے بڑے اطمینان سے دم توڑا۔ آخری لمحہ تک ہوش حواس قایم رہے۔ فکلیونیٹ! کیا ایسی نیک۔ پاکیزہ۔ فرشتہ سیرت۔ روح کی کوئی آخری خواہش ہو۔ تو اُسے پورا کرنا ہمارا فرض

ہے یا نہیں ؟

"ضرور ہے"۔

"فکلیونیسٹ! مرتے وقت اُنہوں نے حکم دیا تھا کہ میں جس قبر میں بیس سال تک آرام سے پڑی سوتی رہی وہیں میری آخری سیج بچھائی جائے"۔

"تو مجھے اُنہیں اسی قبر میں بند کرنا ہوگا؟"

"ہاں"۔

"اور سرکاری قبر؟"

"فکلیونیٹ! تم خود ہی سب کچھ سمجھ گئے ہو گے"۔

"ہاں! میں آپ لوگوں کا ادنےٰ خادم ہوں۔ مجھے جو حکم ہوگا بجالاؤں گا"۔

"اس کام میں چار طاقت ور کنواریاں تمہیں مدد دیں گی"۔

"قبر بند کرنے میں؟ یہ کام تو میں اکیلا ہی کر لوں گا"۔

"نہیں۔ نہیں۔ جنازہ کو گرجا گھر کی نچلی منزل میں بھی تو لے جانا ہے"۔

فکلیونیٹ کی حیرت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

"اور اگر میونسپل کمیٹی کو خبر ہوگئی؟"

"مرحومہ کی وصیت کو پورا کرنا ہمارا فرض ہے"۔

"مگر یہ کارروائی تو خلاف قانون ہوگی"۔

"انسانی قانون کے خلاف ہوگی۔ خدا کے قانون کے خلاف نہیں ہے"۔

بڑی کنواری چند لمحے کے لئے خاموش رہی۔ پھر پوچھا "کیوں فکلیونیٹ! تم پر بھروسہ رکھوں نہ؟"

"یقیناً"

"فکلیونیٹ! تم بڑے کام کے آدمی ہو۔ کردس فکلشن کی آخری رسومات ادا ہوجائیں۔ تو تم کل ہی اپنے بھائی اور اُس کی بیٹی کو میرے ہاں لے آنا۔ یاد رکھو۔ ٹھیک ایک بجے رات کو لوہے کا چھڑ لے کر یہاں پہنچ جانا"۔

"جو ارشاد!"

مسٹر ماؤلن اور کیسیٹ کو کنواریوں کی فرودگاہ میں باقاعدہ لانے اور اُن کی وہاں مستقل رہائش کی ترکیب ڈھونڈھ نکالنے سے بوڑھے فکلیونیٹ کو بے حد خوشی ہوئی۔ جھونپڑی میں پہنچ کر اُس نے ماؤلن کو سب حالات

سُنائے۔ اس نے سوچا کہ کیسٹ کو تو جھولی میں ڈال کر خانقاہ سے باہر چھوڑ آؤں گا۔ مگر یہ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ مسٹر ماؤلن اب کس طرح باہر جائیں۔ دونو اس کی ترکیب سوچ رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد بلجین بولا "قبرستان خانقاہ کے باہر واقع ہے نہ۔ اچھا تو سرکار کی طرف سے لاش لے جانے کے لئے جو جنازہ آئے گا۔ جب اسے قبرستان میں لے جائیں گے تو کیا اُسکے ہلکے ہونے سے جنازہ برداروں کو بھی شک نہ گذرے گا؟"

فکلیونیٹ نے جواب دیا۔ اُس کے اندر مٹی بھر کر اسے بھاری بنا دیں گے۔ پھر شک وشبہ کی کوئی گنجایش نہ نہ رہے گی"۔

بلجین بولا "میرے یہاں سے باہر نکلنے کا صرف یہی ایک راستہ ہے۔ جنازہ کے اندر بجائے مٹی کے اگر زندہ آدمی ڈال دیا جائے تو کیسا ہو؟"

فکلیونیٹ نے حیران ہو کر پوچھا "کس کو بٹھا دیں؟" مجھے "اور کس کو"!

بلجین نے پھر ہنس کر کہا "بس ٹھیک ہے۔ یہاں سے باہر نکلنے کی یہی ترکیب ہے۔ دو بجے رات کو تم مجھے جنازہ میں بند کر دینا۔ جہاں میری ناک ہو۔ اس کے قریب دو تین چھوٹے چھوٹے سوراخ کر دینا۔ تاکہ آسانی سے سانس لے سکوں اور جنازہ کا ڈھکنا ذرا ڈھیلا رہنے دینا۔ یہ تو ہوا مگر میں لحد کے اندر سے کس طرح نکلوں گا؟"

فکلیونیٹ بولا "اس کے متعلق آپ کچھ فکر نہ کریں اگر آپ جنازہ میں بیٹھ کر خانقاہ سے باہر نکل سکتے ہیں تو قبر سے باہر میں نکال لوں گا۔ گورکن میرا بڑا دوست ہے۔ شراب بہت پیتا ہے۔ میں تھوڑی دیر پہلے جا کر اسے خوب شراب پلا دوں گا اور نشہ میں سرشار کر دوں گا۔ پھر اس سے کہہ دوں گا کہ تم بیٹھ جاؤ اور اس کا کام خود کرنا شروع کر دوں گا۔ اس وقت آپ کو بھاگ جانے کا موقعہ مل جائے گا"۔

یہی تجویز قرار پائی اور کارروائی بھی اسی کے مطابق عمل میں آئی۔ آدھی رات کے وقت فکلیونیٹ نے بجائے لاش کے زندہ آدمی کو جنازہ میں بند کر دیا۔ وقت

مقرّرہ پر جنازے کو قبرستان میں لے گئے اور مرحومہ کی آخری رسومات ادا ہونے لگیں + فکلیونیٹ گورکن کے مکان میں بیٹھ کر اُس کے ساتھ شراب پینے لگا۔ گورکن نے اس قدر شراب پی لی۔ کہ نشہ میں چُور ہو گیا۔ اور اسے کسی چیز کا ہوش نہ رہا۔ فکلیونیٹ نے اُسکے فرائض کی انجام دہی اپنے ذمّہ لے لی۔ اور بلجین کو قبر سے باہر نکال دیا۔ فکلیونیٹ نے پہلے ہی سے ایک محفوظ جگہ تلاش کر رکھی تھی اور کسیٹ کو بھی وہیں لا بٹھایا تھا + قبر کو دوبارہ پاٹ کر اُس نے بلجین کو بھی اُسی جگہ پہنچا دیا۔ دوسرے دن بلجین اور کسیٹ خانقاہ میں داخل ہو گئے +

اُس روز سے باغ میں دو گھنٹوں کی آواز سُنائی دینے لگی۔ کنواریوں نے دو باغبانوں کو کام کرتے دیکھا۔ اُنہیں معلوم ہو گیا کہ فکلیونیٹ کا چھوٹا بھائی بطور مددگار باغبان رکھا گیا ہے۔ بلجین نے اپنا نام الٹایم فکلیونیٹ رکھ لیا + کسیٹ نے خانقاہ کے بورڈنگ ہاؤس میں رہنا اور تعلیم حاصل کرنا شروع کر دیا۔ بلجین سے ملنے کے لئے اُسے ہر روز ایک گھنٹہ کی چھٹی ملتی تھی۔ وقت مقرّرہ پر

وہ دوڑی دوڑی جھونپڑی میں پہنچتی اور اُسے بہشت بنا ڈالتی
بلجین کچھ دُور کھڑا ہی اُسے کھیلتے ہوئے دیکھا کرتا۔ کسیٹ
خوب ہنستی کھیلتی اور مارے خوشی کے اس کا چہرہ روشن رہا
کرتا۔ ہنسی ہی وہ آفتاب ہے جو انسان کے کھیلائے ہوئے
چہرے کو شگفتہ بنا دیتا ہے۔ جس وقت کسیٹ کے پڑھنے لکھنے
کا وقت ہوتا۔ بلجین اس کی جماعت کے کمرے کی کھڑکیوں کو
دیکھتا اور رات کے سناٹے میں اُس کی خواب گاہ کی کھڑکیوں
کو تکا کرتا۔

اب بلجین اطمینان اور سکون کی حالت میں رہتا تھا۔ اس
کے اردگرد پُرامن باغیچہ تھا۔ خوشبودار پھول۔ خوش و خرّم بچے
خاموش قبریں۔ اور پاک دامن عورتیں۔ یہ روح افزا
مقام اس کے دل و دماغ پر چھا گیا۔ اور اس مقام کا امن و
سکون۔ وہاں کے پھولوں کی خوشبو۔ عورتوں کی پاکیزگی۔
اور بچّوں کے جذبات مسرّت آہستہ آہستہ اُس کی روح پر قبضہ
کرنے لگے۔ اُس کو خیال آیا میری زندگی کے دو عظیم ترین
خطروں کے وقت کس طرح خدا کے دو گھروں (گرجاؤں)
نے میری حفاظت کی تھی۔ اوّل اس وقت جب میرے لئے

تمام دروازے بند ہو گئے تھے۔ اور سوسائٹی نے مجھے دھکّے دے کر باہر نکال دیا تھا۔ دوسرے اُس موقعہ پر جب سوسائٹی ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئی تھی۔ پہلی مرتبہ اگر حفاظت نہ ہوتی۔ تو میں پھر گناہوں کے بحرِ ذخّار میں غرق ہو جاتا اور دوسری دفعہ اگر بچاؤ کی صورت نہ نکل آتی تو مجھے سخت سزا بُھگتنی پڑتی + اُس کا سینہ شُکر گذاری کے جذبات سے معمور ہو گیا اور اس کے دل میں محبّت کا ایک دریا اُمڈ آیا +

چنڈریٹ خاندان

آٹھ نو سال اسی طرح گذر گئے۔ کسیٹ اب وہ چھوٹی سی لڑکی نہیں رہی۔ اب اُس نے عالمِ شباب میں قدم رکھا ہے برسات کی چڑھی ہوئی ندی ہے۔ اُس کے سڈول جسم سے حسن پھوٹا پڑتا ہے ⁂

انہی دنوں پیرس شہر کے "سیاٹی ڈی اڈ" نام کے محلّہ میں گیارہ بارہ سال کی عمر کا ایک لڑکا سڑکوں پر ادھر اُدھر پھرتا نظر آتا ہے۔ اس لڑکے کے تن پر صرف ایک پاجامہ اور ایک قمیص ہوتی ہے۔ مگر یہ دونوں کپڑے اس کے والدین نے اُسے نہیں دیئے تھے۔ کسی رحم دل شخص نے ترس کھا کر پہنا دیئے تھے + اس کے والد اور

والدہ دونوں زندہ تھے مگر اس کی تقدیر میں ان کی شفقت نہ لکھی تھی۔ یہ ان لڑکوں میں سے تھا۔ جو باوجود والدین کا سایہ سر پر ہونے کے بھی یتیم ہوتے ہیں ٭ اس لڑکے کے لئے سڑکوں سے بڑھ کر اور کوئی آرام گاہ نہ تھی۔ سڑکوں کے کنکر پتھر اُس کی ماں کے دل سے بہت نرم تھے۔ وہ ہر وقت سڑکوں پر ہی ہنستا کھیلتا۔ گاتا پھرتا۔ راہ گیر جب اُسے شریر کہتے تو وہ ہنس پڑتا۔ مگر جب لوگ اُسے چور کہہ کر مخاطب کرتے تو اُنسے غصّہ آجاتا تھا + اگرچہ اُس کے والدین نے اُسے نکال دیا تھا۔ مگر وہ اُنہیں بھولا نہیں تھا + دوسرے تیسرے مہینے کہتا "والدہ سے ملنے جاؤں گا!" دوڑا دوڑا اس کے پاس جا پہنچتا۔ وہ پیرس شہر میں غریب لوگوں کے محلّہ میں ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں رہتی تھی والدین کے علاوہ اُس لڑکے کی دو بہنیں بھی تھیں + دونو ہی نوعمر تھیں۔ جس وقت سے اس غریب کنبہ نے اس مکان میں رہایش اختیار کی تھی اُنہوں نے اپنا نام جنڈریٹ مشہور کر رکھا تھا۔ جو لوگ آس پاس رہتے تھے۔ اُنہیں اُن

کا بھی نام معلوم تھا۔ لڑکے کا نام گاوروک مشہور تھا۔
جس مکان میں جنڈریٹ خاندان کی بود و باش ہے
اس سے ملحق ایک اَور مکان بھی ہے۔ یہ مکان ایک غریب
نوجوان نے جس کا نام مسٹر میرئیس ہے کرایہ پر لے
رکھا ہے ✣

ستائیسواں باب

میبرئیس کون ہے ؟

فرانسیسی انقلاب کے زمانہ میں جو لوگ یگانہ روزگار بہادر نیپولین کے جھنڈے تلے واٹرلو کے میدانِ جنگ میں جمع ہوئے تھے اُن میں سے ایک کا نام مسٹر پینٹ مرسی تھا۔ اگرچہ اُس کی پیدائش ایک غریب گھرانے میں ہوئی تھی۔ تاہم اپنی غیر معمولی قابلیت اور سرتوڑ کوشش کی بدولت اُس نے آہستہ آہستہ فوج میں کرنیل کے عہدہ تک ترقی کر لی۔ وہ اپنی سپاہ کے سامنے ڈٹ کر پرشین اور انگریزی افواج کے حملے کو روکنے کی کوشش کرنے لگا۔ دشمنوں کے لگائے ہوئے زخموں سے اُس کا بدن چھلنی ہو رہا تھا۔ جس وقت غنیم کے چار پانچ سپاہیوں نے

شہنشاہ نیپولین کو گھائل کر دیا۔ تو کرنیل پینٹ مرسی تیزی سے اُس طرف بڑھا اور اُن سپاہیوں کو دوسری دنیا کی راہ دکھا دی۔ دشمنوں پر حملہ کرتے ہوئے یکایک اُس کی تلوار ٹوٹ گئی۔ اور ایک سپاہی نے اُس کی پیشانی کو تاک کر بڑے زور سے وار کیا۔ پینٹ مرسی اس وار کو روکنے کی تاب نہ لاکر گھوڑے پر سے نیچے گر گیا +

شہنشاہ نیپولین نے یہ حال دیکھا تو بآواز بلند کہا۔ کرنل پینٹ مرسی! آج سے آپ کو بیرن (نائیٹ) بنایا گیا اور "لیجن آف آنر" کی عزّت عطا کی گئی"+

پینٹ مرسی نے ہلکی آواز میں جواب دیا "جناب! اپنی بیوہ کی طرف سے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں"+

اُس کے بعد کیٹرے تھینا رڈیار کی مدد سے جس طرح اُس کی جان بچی۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں +

اِس میں کلام نہیں کہ شہنشاہ نیپولین نے پینٹ مرسی کو اعلےٰ خطاب اور عزّت بخشی مگر اُن سے لطف اندوز ہونا اس کی قسمت میں نہ لکھا تھا + نیپولین نے شکست کھائی اور اسے قید کر لیا گیا + ۔ لوبون خاندان دوبارہ فرانس کے تخت

پر قابض ہو گیا۔ پینٹ مرسی نے فوج کا کام چھوڑ دیا اور بارنن شہر میں ایک باغ خرید کر اُس میں بود و باش اختیار کر لی اُس کی باقی ماندہ زندگی وہیں گذری ؂

امور سلطنت کے متعلق مسٹر پینٹ مرسی کا اپنے خُسر مسٹر جلنر مبنڈ سے پہلے ہی سے اختلاف رائے تھا۔ جس وقت پینٹ مرسی انقلاب پسندوں کا طرف دار بن گیا۔ جلنر مبنڈ کے غصّہ کی آگ بھڑک اُٹھی۔ پھر رفتہ رفتہ جب پینٹ مرسی نپولین کی فوج میں بھرتی ہو گیا۔ تو جلنر مبنڈ مارے غصّے کے آپے سے باہر ہو گیا۔ اُس نے عہد کر لیا کہ میری موت کے بعد میری بے پایان دولت میں سے ایک کوڑی تک پینٹ مرسی کو نہ ملے گی۔ پینٹ مرسی کی بیوی یعنی جلنر مبنڈ کی بیٹی اس واقعہ کے پیش آنے کے پیشتر ایک بچہ چھوڑ کر اس جہان فانی سے رخصت ہو گئی تھی۔ جلنر مبنڈ نے اس بات کا بھی عہد کر لیا تھا۔ کہ اگر پینٹ مرسی اپنے بیٹے کو اپنے ہاں لے جائے گا یا اُس کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھے گا تو وہ بھی میرے مال و جائداد سے قطعی محروم رہے گا۔ مسٹر جلنر مبنڈ نے اپنے داماد کے ساتھ بالکل قطع تعلق کر لیا۔ اُس کے

نقطۂ نگاہ سے پینٹ مرسی کسی صورت میں رہزنوں اور ڈاکوؤں
سے کم نہ تھا۔ بیٹے کے مستقبل کا خیال کر کے باپ نے چارو
ناچار اپنی شفقت پدرانہ پر جبر کیا۔ اور سینے پر صبر کا پتھر
رکھ لیا۔ میرئیس پینٹ مرسی اپنے نانا ہی کے ہاں رہنے لگا۔
اور وہیں اُس کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا بندوبست ہوا
باپ اگرچہ زندہ تھا مگر بیٹے کی آیندہ بہبودی کے خیال کو مدنظر
رکھ کر اس سے ملنے جلنے سے احتراز کرتا یہاں تک کہ اُس
کے حالات بھی اُسے معلوم نہ ہو سکتے اور بیٹا زبردست خواہش
کے باوجود اپنے نانا کے ڈر سے والد کو کچھ نہ لکھ سکتا تھا۔
پینٹ مرسی ہر دوسرے تیسرے مہینے اشتہاری مجرموں
کی طرح چھپ چھپا کر آتا اور جس وقت میرئیس کی موسی
اُسے لے کر باہر نکلتی اس وقت اُسے دیکھ کر چپ چاپ
واپس چلا جاتا۔ ۱۸۲۷ء میں میرئیس نے سترھویں سال
میں قدم رکھا۔ اُن دنوں وہ لاء کالج (قانون کی درسگاہ) میں
تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ ایک روز شام کے وقت وہ کالج
سے واپس آیا تو اُس کے نانا ہاتھ میں ایک خط لئے اُس کے
پاس پہنچے اور کہا۔ میرئیس کل صبح تمہیں بارنن کو جانا ہوگا"۔

میرئس نے پوچھا "کیوں؟"

"اپنے والد سے ملنے کے لئے"

میرئس سہم گیا۔ اُس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ کہ نانا صاحب کبھی اپنی زبان سے مجھے ابا جان سے ملنے کی اجازت دیں گے ؛

مسٹر جلنر بینڈ نے کہا "معلوم ہوتا ہے تمہارے والد سخت بیمار ہیں۔ اور ایک مرتبہ تمہیں دیکھنا چاہتے ہیں چھ بجے صبح ایک ڈاک گاڑی بارنن کو جاتی ہے۔ کل صبح تم اُسی گاڑی سے چلے جانا"؛

یہ کہہ کر جلنر بینڈ نے خط تہ کر کے جیب میں رکھ لیا اور وہاں سے چل دیا ؛ میرئس اپنے والد سے ملنے کے لئے بیتاب ہو گیا۔ اگر نانا اجازت دے دیتے تو وہ رات ہی کی گاڑی سے چلا جاتا۔ اور اپنے والد سے مل لیتا ؛

دوسرے دن شام کو میرئس بارنن جا پہنچا۔ پتہ پوچھتا پوچھتا آخر پینٹ مرسی کے مکان پر جا پہنچا۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک عورت دروازہ کھول کر باہر آئی۔

میرئس نے پوچھا "مسٹر پینٹ مرسی مکان پر ہیں؟"

عورت خاموش رہی ؛

پینیٹ مرسی نے دوبارہ سوال کیا "یہ انہی کا مکان ہے؟"

اس مرتبہ عورت نے سر ہلا کر جواب دیا "ہاں"۔

میں اندر جا کر ان سے مل سکتا ہوں ؟

"نہیں"

"کیوں ؟ میں اُن کا بیٹا ہوں۔ اُنھوں نے مجھے خط لکھ کر بلایا ہے۔ وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے"

"اب وہ آپ کا انتظار نہیں کر رہے"؛

میرئیس نے دیکھا۔ وہ عورت چپ چاپ آنسو بہا رہی ہے۔ اُس نے میرئیس کو اندر جانے کے لئے کہا۔ اندر جا کر میرئیس نے جو دردناک منظر دیکھا اُس سے اُس کا سینہ شق ہو گیا ؛

کمرے میں ایک شمع روشن تھی۔ وہاں صرف تین شخص موجود تھے۔ ایک کھڑا تھا۔ دوسرا دوزانو بیٹھا خدا سے دعا مانگ رہا تھا۔ اور تیسرا آدمی بستر پر دراز تھا۔ جو شخص لیٹا ہوا تھا وہی کرنل پینیٹ مرسی تھا۔ اور باقی دو میں سے ایک ڈاکٹر اور دوسرا پادری تھا ؛

تین چار روز پیشتر پینٹ مرسی کو شدت کا بخار چڑھ آیا۔ اپنی حالت اچھی نہ دیکھی۔ تو بیٹے سے آخری ملاقات کرنے کے لئے خط لکھا۔ آج صبح تک تو وہ بڑی بیتابی کے ساتھ میرئس کے آنے کا انتظار کرتا رہا۔ مگر اس کے بعد اسے چارپائی پر لٹائے رکھنا۔ دشوار ہو گیا وہ یکایک اُٹھ بیٹھا اور کہنے لگا "اب تک میرا بیٹا نہیں آیا؟ اچھا میں خود ہی جا کر اس سے ملتا ہوں"۔

یہ کہہ کر اس نے کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ مگر غش کھا کر زمین پر گر پڑا اور اسی لمحہ اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ شمع کی دُھندلی روشنی میں کرنیل کی بے نور آنکھوں سے نکلا ہوا ایک بڑا آنسو اس کے خشک رخسار پر اب تک نظر آ رہا تھا۔ یہ آنسو بیٹے کی یاد میں بہا تھا۔ میرئس اشک بہاتا ہوا اپنے باپ کی طرف جو مجسم بہادری تھا۔ تک رہا تھا۔ اور اس کے سینے کے اندر غم ناقابلِ برداشت بنتا جاتا تھا۔ ایسا باپ! اُس کی محبت سے میں تمام عمر کے لئے محروم رہا۔ صرف اپنے نانا کی بدولت!

پینٹ مرسی کچھ بہت مال و جائداد چھوڑ کر نہیں مرا۔ تھوڑا بہت جو کچھ تھا اسے فروخت کر کے اُس کی آخری رسومات ادا کی گئیں۔ جنازہ تیار کرتے وقت خادمہ کو اس کے بستر کے نیچے سے کاغذ کا ایک پُرزہ مِلا۔ وہ لا کر اُس نے میریئس کو دیا۔ اُس میں درج تھا:۔

"میرے بیٹے کے لئے۔ واٹرلُو کے میدان جنگ میں شہنشاہ نے مجھے بیرن کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ بوربون کے بادشاہ اُسے تسلیم نہیں کرنا چاہتے لیکن میں نے اپنے سینے کا خون بہا کر یہ عزّت خریدی ہے۔ میرا بیٹا اس سے بہرہ اندوز ہوگا۔ وہ ضرور اِس عزّت کے لائق ہوگا"۔

اُسی چٹھی کے دوسری طرف مندرجہ ذیل عبارت مرقوم تھی!۔

"واٹرلُو کے میدان جنگ میں ایک سارجنٹ نے میری جان بچائی تھی۔ اُس کا نام تھینارڈیار ہے۔ سُننے میں آیا ہے کہ پیرس کے قریب مونٹ فارل یا اُس کے قرب و جوار میں اُس نے کوئی ہوٹل کھولا ہے۔ اگر میرے

بیٹے کو اس سے ملنے کا موقعہ ملے تو حتی الوسع تھینارڈیار کی امداد کرے۔"

دو روز تک میریئس بارنن ہیں ہی ٹھہرا رہا۔ والد کی آخری رسومات ادا ہو چکیں تو پھر واپس چلا گیا ؛

اٹھائیسواں باب

میرئس تنہا

اُسی وقت سے میرئس کی زندگی میں ایک عظیم تبدیلی واقع ہوگئی - اُس نے کالج جانا تقریباً بند کردیا۔ اُس کی طبیعت مُضمحل تھی اور خیالات منتشر اور اسی حالت میں وہ ہر وقت پڑھتا رہتا ۔ مگر قانون کی کتابیں کبھی نہ دیکھتا۔ رات دن وہ فرانس کے انقلاب کی تاریخ کا مطالعہ کرتا نظر آتا ۔ ہزار کام چھوڑ کر وہ ہر ماہ دو تین دفعہ بارنن جاتا اور اپنے والد کی قبر پر چند آنسو بہا آتا + یہ تبدیلی مسٹر جلنر مینڈ سے پوشیدہ نہ رہی۔ بوڑھے کو فکر دامن گیر ہوئی - اور وہ اس کا باعث معلوم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

ایک روز میرئس اپنے نانا سے اجازت لے کر

دو تین دن کے لئے کہیں چلا گیا۔ بوقت روانگی اس کے جیب سے کاغذ کا ایک پُرزہ نکل کر گر پڑا۔ خادمہ نے جھاڑو دیتے وقت اُٹھا لیا اور لا کر جلز بینڈ کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ چشمہ لگا کر اُسے پڑھنے لگا۔ اس میں لکھا تھا!۔

"میرے بیٹے کے لئے۔ واٹرلو کے میدان جنگ میں شہنشاہ نے مجھے بیرن کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ بوربون خاندان کے بادشاہ اُسے تسلیم نہیں کرنا چاہتے۔ اپنے سینے کا خون بہا کر میں نے یہ عزّت خریدی ہے۔ میرا بیٹا اُس سے بہرہ اندوز ہوگا۔ وہ ضرور اِس عزّت کے لائق ہوگا"۔

پڑھتے ہی بوڑھے کے تن بدن میں گویا آگ لگ گئی۔ بہ آواز بلند کہا۔ یہ اُسی قاتل کے دستخط ہیں نہ؟"

اس کے بعد خدمتگار سے کہا "اس کاغذ کو ابھی لے جا کر کہیں پھینک دو"۔

دو روز کے بعد جب میریس واپس پہنچا تو جلز بینڈ نے اُسے اپنے کمرے میں بُلایا اور بڑے سخت لہجہ میں کہا میریس! نہیں۔ نہیں۔ میں بھول گیا۔ تم اس وقت بیرن ہو فقیر کا بیٹا۔ بیرن!۔ یہ ناممکن ہے؟"

اپنے والد مرحوم کی طرح اپنی بے عزّتی ہوتے دیکھ کر میرئس کے سینے پر کڑی چوٹ لگی۔ بولا "نانا جان! معاف کیجئے میرے والد فقیر نہیں تھے۔ وہ شجاع اور دلاور تھے۔ ساری عمر فرانس کی جمہوری خدمت کر کے آخر بہشت میں چلے گئے۔ اُن سے صرف ایک ہی قصور سرزد ہوا تھا۔ اور وہ قصور یہی تھا۔ کہ انہوں نے دو ناشکروں یعنی مجھے اور اپنے وطن کو۔ ہمیشہ عزیز از جان رکھا۔ اور پیار کیا"

یہ صاف جواب سُنا تو گویا جلز مینڈ پر بجلی گر پڑی۔ اُس نے کہا "میرئس! نہ مجھے معلوم کہ تمہارے والد کون تھے اور نہ مجھے یہ معلوم کرنے کی خواہش۔ البتہ یہ یاد رکھو کہ جیسے بیرن تم ہو ویسا میرا جوتہ بھی بیرن ہے۔ اور جو لوگ بوناپارٹ کے پیرو ہیں وہ باغی و غدّار ہیں۔ ظالم ہیں۔ بُزدل ہیں۔ اُنھوں نے اپنے سچّے بادشاہ کے ساتھ دغابازی کی ہے۔ مجھے صرف یہی معلوم ہے۔ اور اگر تمہارے والد اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ تو وہ بھی یقیناً ایسے ہی تھے۔ واٹرلو کی جنگ میں وہ انگریزوں اور پرشینوں کے خوف سے میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے"

میرئس مارے غصے کے کانپ اُٹھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ کیا کرے۔ اُس کا دماغ چکر کھانے لگا۔ اُس کے روبرو اُس کے والد مرحوم کی یہ توہین! مگر کیا کرتا؟ انتقام لے تو کس سے؟ ایک طرف والد مرحوم۔ دوسری طرف ضعیف نانا! ایک طرف پاکیزہ قبر۔ دوسری طرف سفید بال! میرئس دیوانہ وار کمرہ سے باہر نکل گیا ؞

بوڑھا غصّے کی آگ میں جل رہا تھا۔ چلا کر بولا "تم اسی لمحہ میرے مکان سے نکل جاؤ۔ تمہارے جیسے بیرن اور میرے جیسے غریب آدمی کا ایک ہی مکان میں رہنا ناممکن ہے!"

میرئس اُسی بے سروسامانی کی حالت میں باہر چلا آیا اُس کی جیب میں ۳۰ فرینک۔ ایک گھڑی اور زنجیر کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ گھنٹہ کے حساب سے ایک گاڑی کرایہ کی اور گاڑی بان کو "بیج لیٹسن" کی طرف چلنے کو کہا۔ میرئس کو اب یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ دیکھئے میری بقیہ زندگی کس طرح گذرتی ہے ؞

یہ نازنین کون ہے؟

میرئس نے غصہ اور خودداری کی رو میں اپنے نانا کا مکان تو چھوڑ دیا مگر اب اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ کہاں جائے۔ بہت دیر تک پیرس شہر کے گلی کوچوں میں اِدھر اُدھر پھرتا رہا۔ آخر تھک کر ایک پرانے مکان میں ایک کمرہ کرایہ پر لے لیا۔ بیرسٹری کے کام میں اُسے بڑی دلچسپی تھی۔ جرمن اور انگریزی وغیرہ کئی زبانوں سے بھی واقف تھا۔ بعض ہم جماعت دوستوں کی امداد سے اُس نے چند پبلشرز (کتب فروشوں) کے ساتھ شرائط طے کرلیں اور اُن کے لئے کتابیں لکھنا شروع کردیں۔ جو کچھ مل جاتا اُس سے میرئس کا خرچ چل جاتا تھا۔ جس کمرہ میں میرئس رہتا تھا۔ اُس

کے ساتھ کے کمرہ میں جنڈریٹ خاندان رہتا تھا۔ اُن کی تباہ حالت کی رام کہانی سُن سُن کر میرئس کا دل تڑپ اُٹھتا تھا۔ اور وہ مکان کی مالکہ کی معرفت حتی الوسع اُن کی امداد کرتا رہتا تھا + اِس مفلس و قلاش خاندان کا بچّہ بچّہ میرئس کے نام سے واقف اور اُس کا شکر گذار تھا۔ میرئس بھی سب کو جانتا پہچانتا تھا۔ مگر جنڈریٹ خاندان کے کسی فرد کو میرئس کے سامنے آ کر اُس سے گفتگو کرنے کی ہمت کبھی نہ پڑتی تھی۔ میرئس بھی اس کی کچھ ضرورت نہ سمجھتا تھا +

میرئس رات دن اپنے کمرہ میں ہی مطالعہ اور سلسلۂ تصنیف و تالیف میں مشغول رہتا اور شام کے وقت لکھشم برگ کے باغ میں سیر کرنے چلا جاتا تھا + ایک روز شام کے وقت جب میرئس اس باغ میں تپائی پر بیٹھا تھا ایک ساٹھ برس کا بوڑھا ایک سولہ سالہ نازنین کو ساتھ لئے ٹہلتے ٹہلتے آ کر اُس کے پاس بیٹھ گیا۔ اور ٹھنڈی ہوا کھانے لگا + نازنین کے ساتھ چار آنکھیں ہوتے ہی میرئس کے دل میں ایک عجیب جذبہ پیدا ہو گیا۔ اور وہ کانپ اُٹھا + جبتنی دیر تک ممکن تھا بڑی مضطرب اور تشنہ نگاہوں سے

اس حسن کی دیوی کی طرف دیکھتا رہا۔ نازنین بھی کبھی کبھی اپنا شرم و حیا سے سُرخ چہرہ اُٹھا کر ترچھی چتون سے اُس کی طرف دیکھ لیتی تھی + آفتاب غروب ہوگیا تو وہ بوڑھا اُٹھا۔ اور اس نازنین کو ساتھ لے کر باغ کے باہر چلا گیا + اُس کے جانے کے بعد میرئس دیوانہ وار تھوڑی دیر تک باغ میں اِدھر اُدھر ٹہلتا رہا۔ اور پھر اپنے مکان پر واپس آگیا + اگلے روز وہ تیسرے پہر ہی باغ میں جا کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ اور نازنین کی راہ دیکھنے لگا + شام کے وقت بوڑھا اس لڑکی کے ساتھ آیا اور بنچ پر بیٹھ گیا + اسی طرح ایک ماہ گذر گیا۔ مگر نگاہیں ملانے کے سوائے لڑکے یا لڑکی کو ایک دوسرے سے کچھ کہنے سننے کا حوصلہ نہ ہُوا + یہ بات بوڑھے سے بھی پوشیدہ نہ رہی کہ یہ دونوں ایک دوسرے پر فریفتہ ہو چکے ہیں + اُس نے ہر روز باغ میں آنا چھوڑ دیا۔ چند روز کے بعد وہ لکھشم برگ میں پھر کبھی نظر نہ آیا۔ نا امیدی میں بھی امید کرتا ہُوا میرئس ہر روز باغ میں آکر بیٹھ جاتا۔ آخر مایوس ہو کر اُس نے بھی وہاں آنا چھوڑ دیا +

فقیرنی

آج کل میرئس اپنے مکان سے کبھی شاذ ہی باہر نکلتا ہے دلی اضطراب اُس کی جسمانی صحت پر بہت بُرا اثر ڈال رہا ہے۔ ایک روز شام کے وقت وہ اپنے مکان کے سامنے ٹہل رہا تھا۔ کہ دو نو عمر لڑکیاں دوڑی دوڑی آئیں۔ اور اُسے دھکا لگا۔ شام کے جھٹپٹے میں میرئس نے دیکھا کہ لڑکیوں کے چہرے زرد ہیں۔ اُن کے سروں پر ٹوپیاں نہیں۔ بال بکھرے ہوئے ہیں۔ کپڑے میلے کچیلے اور پھٹے ہوئے پہن رکھے ہیں اور دونوں کے پاؤں ننگے ہیں۔

دوڑتے دوڑتے ایک لڑکی نے دوسری سے کہا "پہریدار آگیا تھا۔ بس پکڑ ہی لیتا"

اِس کے بعد دو لڑکیاں بھاگ کر ایک درخت کی آڑ میں چھپ گئیں۔ میریس اپنی ہی فکروں میں محو تھا۔ دوسری طرف اُس کا دھیان نہ تھا۔ یکایک اس کی نگاہ ایک پیکٹ پر پڑی۔ اُسے اُٹھا لیا اور اپنے دل میں سوچا کہ یہ شاید اُنہی لڑکیوں کا ہو گا۔ پیکٹ کو جیب میں ڈال کر میریس اندر چلا گیا اور کمرے کا لمپ جلا کر پیکٹ کو کھولا۔ میریس کا خیال تھا کہ شاید اس میں کچھ ایسے کاغذات ہوں گے۔ جن سے پتہ چل جائے گا۔ کہ ان کا مالک کون ہے۔ مگر پیکٹ کھول کر دیکھا تو اُس میں چار کھلے لفافوں میں چار چھٹیاں تھیں۔

پہلی چھٹی کا مضمون یہ تھا:۔

"بخدمت میڈیم لا مارکوئیس"

غریبوں پر رحم کرنا اور اُن کی ضروریات پوری کرنا انسان کا مقدم فرض ہے۔ از راہِ عنایت آپ اس مصیبت زدہ باشندۂ ہسپانیہ پر کرم کریں۔ میں رفاہ عام کے کاموں میں اپنا سارا مال و متاع گنوا بیٹھا ہوں۔ اِس وقت مجھے اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا گذارہ کرنا بھی دشوار نظر آ رہا ہے۔

امید ہے کہ میری درخواست نامنظور نہیں ہو گی ÷

خادم

اُن آل وریج

کپتان۔ رسالہ ہسپانیہ۔

مکرر آنکہ۔

میں ممالک کی سیر کے لئے آیا تھا۔ خرچ کی کمی کے باعث فرانس میں مقیم ہوں ÷

اِس خط میں کاتب کے دستخط تو ضرور ملے مگر اُس کا پتہ نہیں ملا ۔ اس خیال سے کہ شاید دوسرے خط میں کچھ پتہ لگے اسے کھولا اور پڑھا۔ اس میں مندرجہ ذیل عبارت درج تھی !۔

"بخدمت میڈیم لاکمٹیس ڈی منٹ ورنیٹ۔

نمبر ۹ رو کا سیٹ

میڈیم

میں چھ بیٹے بیٹیوں کی بیوہ اور بیکس والدہ ہوں۔ میرا سب سے چھوٹا بچہ آٹھ ماہ کا ہے۔ گذشتہ آٹھ ماہ کے عرصہ سے بستر علالت پر پڑی ہوں۔ اسی عرصے میں میرا پیارا

شوہر بھی مجھے ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ گیا۔ میں بہت تنگ حال ہوں اور میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ جس سے اپنا یا اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکوں۔ آپ سے مدد کے لئے التجا کرتی ہوں۔ اگر آپ نے اس وقت خبر نہ لی تو ہم سب کو فاقوں مرنا پڑے گا۔

خدا آپ کو جزائے خیر دے!

خادمہ

انیڈٹینیٹ بلزرڈ"

میرلئس نے تیسرا خط کھولا۔ اُس میں مرقوم تھا۔

"بخدمت مسٹر پاگرگو۔

الیکٹر پائی کاری ٹوپی فروش۔

روسینٹ ڈینس +

جُناب من۔

یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں کہ آپ علمی و ادبی خدمات سر انجام دینے والوں کے دلی دوست اور خیر خواہ ہیں اور ہمیشہ اُن کی امداد کرتے رہتے ہیں۔ اسی لئے اس غریب

ڈراما نویس کو آج سوالی کی صورت میں آپ کے سامنے پیش ہونے کی جرأت ہوتی ہے۔ میں نے ایک دلچسپ ڈرامہ لکھ کر سٹیج پر دکھانے کے لئے "تھیئٹر فرینک" کو بھیجا ہے تھیئٹر کے مینیجر نے بھی اُسے خوشی سے سٹیج پر دکھلانے کا وعدہ کیا ہے۔ قدرت کا یہ قانون کہ علم کے ساتھ دولت کی کبھی نہیں بنتی۔ زبان زد خاص و عام ہے۔ چنانچہ میں بھی بہت غریب ہوں ؎

"مسٹر پاگر گو! آپ کا نام سُن کر میں اپنی بیٹی کی معرفت یہ خط آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔ آپ جو کچھ مرحمت فرمائیں گے۔ بصد شکریہ قبول کروں گا ؎

نیاز مند

زینیفو"

(رادیب)

میبرلِس نے اب چوتھی چِٹھی کھولی۔ اس میں لکھا تھا:۔

بخدمت پادری صاحب سینٹ جاکس چرچ ؎

"قابل تعظیم پادری صاحب!

"مجھے آپ کا اسم گرامی معلوم نہیں مگر آپ کی دریا دلی کا ہر طرف شہرہ ہے۔ اگر آپ میری بیٹی کے ہمراہ ہماری جھونپڑی میں تشریف لانے کی تکلیف گوارا کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم غریبوں پر کیا گذر رہی ہے + قدرت کی کسی پر نگاہ لطف و کرم ہے اور کسی پر نگاہِ جور و عتاب ہے + ہماری تقدیر پھوٹ گئی ہے۔ میں اور میری بیوی اپنے تین چار بچّوں کے ساتھ فاقہ کشی کر رہے ہیں۔ اَے محتاجوں کے مربی! بیکسوں کے مددگار! ایک مرتبہ خود آکر اس غریب کُنبے کی گئی گذری حالت اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر جا +

"آپ کا فرمانبردار حقیر خادم
پی۔ فیا وانٹے
ڈرامہ نویس"

چاروں چٹھیاں پڑھ کر بھی میرئس کو اُن کے لکھنے والوں کا کچھ حال معلوم نہ ہُوا + کاتبوں کا پتہ بھی اُن میں درج نہ تھا۔ مگر دستخط اور طرزِ تحریر دیکھ کر میرئس یہ سمجھ گیا کہ اُن آل ویج میڈیم بلزرڈ۔ شاعر زینیفو اور ڈرامہ نویس پی۔ فیاوانٹے

یہ چاروں ایک ہی آدمی ہیں۔ یہ خط کس نے تحریر کئے ہیں؟
میرلِس نے اس راز کو معلوم کرنے میں اپنا وقت ضائع کرنا لاحاصل سمجھا۔ اور اُنہیں میز پر رکھ کر سونے کی تیّاری کرنے لگا۔

دوسرے دن صبح کے وقت جب میرلِس ضروری فرائض سے فارغ ہو کر مطالعہ میں مشغول ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ کسی نے اُس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میرلِس بولا۔ "دروازہ کُھلا ہے۔ اندر آجاؤ"۔

ایک نوجوان لڑکی کمرہ میں داخل ہوئی۔ کھانا نہ ملنے کے باعث بہت نڈھال ہو رہی تھی۔ تن پر ایک بوسیدہ قمیض اور ایک پھٹا ہوا چھوٹا کوٹ تھا۔ سردی کے مارے کانپ رہی تھی۔ میرلِس نے اُسے دیکھتے پہچان لیا۔ وہ جنڈریٹ کی بیٹی تھی۔

میرلِس نے پوچھا "آپ کیا چاہتی ہیں؟"
لڑکی نے جواب دیا "آپ کے نام ایک چِٹّھی ہے۔ یہ لیجئے مسٹر میرلِس!"
میرلِس نے چِٹّھی لے لی۔ اور اُسے کھول کر پڑھا۔

اس کا مضمون مندرجۂ ذیل تھا ! -

"کرم فرمائیے بندہ -

تسلیم ! ہمارے اس غریب کُنبے پر آپ جو لُطف و کرم فرماتے ہیں - ہم اُس سے واقف ہیں - اور میاں بیوی ہمیشہ خدا سے آپ کی جان و مال کی سلامتی کے لئے دست بدعا ہیں ؛

"جناب من ! ہم سب دو روز سے فاقہ پر فاقہ کر رہے ہیں - ہماری لڑکی کی زبانی آپ کو سارا حال معلوم ہو جائے گا - کرم کیجئے اور بر وقت امداد دے کر ہمیں فاقوں مرنے سے بچائیے -

خادم

جنڈریٹ "

پچھلی رات کے خطوط کے راز کو مُنکشف کرنے میں یہ چٹھی بڑی مدد گار ثابت ہوئی - اس پر جس شخص کے دستخط تھے باقی خطوط پر بھی بلاشبہ اُسی کے دستخط تھے - یہ پانچوں چٹھیاں میرٹس کے ہمسائے جنڈریٹ نے لکھی تھیں - لیکن اب شبہ

کی بات یہ تھی۔ کہ اُس شخص کا نام واقعی جنڈریٹ ہے۔ یا کوئی اور نام ہے؟

میرئس تو مندرجۂ بالا پُر اسرار خطوط کو پڑھنے میں محو تھا۔ اور وہ نوعمر لڑکی اُس کے کمرہ کی چیزوں کو اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ اُس نے میرئس کے کوٹ کی ایک ایک جیب کی تلاشی لے ڈالی۔ میرئس اُس وقت بحرِ فکر میں مُستغرق تھا۔ اسے کیا خبر تھی۔ کہ جنڈریٹ کی بیٹی کیا کر رہی ہے؟

میرئس کی میز پر ایک کتاب کُھلی پڑی تھی۔ لڑکی نے پاس جا کر اُسے پڑھنا شروع کر دیا۔

"جنرل بونڈوین کو حکم مِلا کہ سپاہ کے پانچ دستے ساتھ لے کر فوراً واٹرلو کے میدانِ جنگ میں جاؤ اور ریپاٹو آف گڈمنٹ کو اپنے قبضے میں کر لو"

واٹرلو کا نام پڑھتے ہی لڑکی بول اُٹھی "جناب! مجھے واٹرلو کے جنگ کا سب حال معلوم ہے۔ میرے والد فرانسیسی فوج میں سارجنٹ کے عہدہ پر مامور تھے۔ ہم لوگ نپولین کی طرف تھے"

لڑکی نے کتاب بند کر کے رکھ دی۔ اور ایک سادہ کاغذ لے کر اُس پر لکھا "پولس کے آدمی یہاں آئے ہیں"۔ اور کاغذ میرلس کے ہاتھ میں دے کر کہا "دیکھئے مسٹر میرلس! میرے حروف کیسے صاف اور خوشنما ہیں۔ بچپن میں ہم دونو بہنیں پڑھا کرتی تھیں۔ پہلے ہماری حالت ایسی نہیں تھی"۔

یہ کہہ کر وہ لڑکی خاموش ہو گئی۔ پھر میرلس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر دردناک لہجہ میں بولی:۔

"مسٹر میرلس! آپ کو کیا معلوم آپ کتنے خوشرو نوجوان ہیں؟"

میرلس نے لڑکی کے اس سوال کا کچھ مطلب نہ سمجھا۔ نہ سمجھنے کی کوشش ہی کی۔ اُس نے کہا "دیکھو میز پر وہ پیکٹ رکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ وہ تمہارا ہی ہے۔ کل رات مجھے راستے میں ملا تھا"۔

پیکٹ دیکھتے ہی لڑکی خوش ہو کر تالیاں بجانے لگی اور بولی "کل رات جلدی میں ہم اس پیکٹ کو بھول گئیں۔ بعد میں بہت تلاش کیا۔ مگر نہ ملا۔ معلوم ہوتا ہے رات آپ ہی سے ٹکر لگی تھی ۔

یہ کہہ کر اُس نے خط جو سینٹ جاکیس چرچ کے سوداگر کے نام تھا نکال لیا اور کہا "ٹھیک ہے۔ فوراً جاؤں تو شاید بڑے میاں سے ملاقات ہو سکے۔ اور کچھ وصول ہو"

یہ کہہ کر وہ لڑکی ہنسی اور مسٹر میرئس سے کہنے لگی "مسٹر میرئس! آپ نے کچھ سمجھا بھی۔ کہ میں صبح ہی صبح آپ سے ملنے کیوں آئی ہوں؟"

میرئس پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔ اُس نے اپنی جیب میں سے ۵ فرینک اور ۱۶ سُو باہر نکالے۔ اُس وقت یہی اس کی کُل کائنات تھی۔ اُس نے سوچا۔ میرے آج کے اخراجات کے لئے ۱۶ سُو کافی ہوں گے۔ کل کا انتظام کل کو دیکھا جائے گا۔ چنانچہ اُس نے ۱۶ سُو اپنے پاس رکھ کر ۵ فرینک اُس لڑکی کو دے دیئے۔

وہ خوش ہو کر بولی "پانچ فرینک! میرئس! تم کتنے بھلے آدمی ہو! آج ہم سب کو پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہو جائے گا"

یہ کہہ کر وہ لڑکی میرئس کو فرشی سلام کر کے چل دی۔ جاتے جاتے کہہ گئی "جا رہی ہوں۔ اب بوڑھے سوداگر کو پکڑنا ہو گا"

امداد

جنڈریٹ کی بیٹی رخصت ہو گئی + میرئس اور جنڈریٹ کے کمروں کے درمیان صرف ایک لکڑی کی دیوار حائل تھی جس پر پلستر کیا ہوُا تھا۔ میرئس نے آج تک جنڈریٹ کے حالات میں کبھی دل چسپی نہ لی تھی۔ مگر آج اُس کے دل میں اُن لوگوں کے حالات معلوم کرنے کا بہت اشتیاق پیدا ہو گیا + دیوار کے بالائی حصّہ پر سے تھوڑا سا پلستر اُتر کر گِر گیا تھا اور اُس میں ایک سوراخ ہو گیا تھا + میرئس کُرسی پر چڑھ گیا اور جھانکنے۔ جھانک کر جنڈریٹ کے کمرہ کی حالت دیکھنے لگا۔ میرئس خود بھی دولت مند آدمی نہیں تھا۔ اُس کے اپنے کمرہ سے مفلسی کے آثار نمایاں تھے۔ مگر جنڈریٹ کے

کمرہ سے تو انتہائی افلاس و ناداری مترشح تھی۔ اُس تنگ و تاریک اور گرد و غبار سے اٹے ہوئے کمرے میں ہوا کا بھی شاید ہی گذر ہوتا ہوگا۔ جیسا کمرہ تھا اُسی قسم کا اُس کا سامان تھا۔ ایک ٹوٹی ہوئی کرسی۔ ایک لنگڑی میز۔ چند میلے چینی کے برتن اور دو ٹوٹی ہوئی چارپائیاں۔ بس اس کے سوا وہاں اور کچھ نہ تھا۔ البتہ کالے رنگ کے چوکھٹے میں ایک تصویر دیوار پر لٹک رہی تھی۔ اُس میں ایک عورت ایک سوئے ہوئے بچے کو گود میں لئے غافل پڑی سو رہی تھی۔ آسمان پر ایک چیل گنتھ اُڑ رہا تھا۔ اُس کی چونچ میں شاہی تاج تھا۔ تصویر میں پیچھے کی طرف نیپولین کھڑا تھا۔ اُن کی پیشانی سے نُور برس رہا تھا۔ اور تصویر کے نیچے لکھا تھا!۔

"مرنگو اسٹارلٹس"

"جینا ایلٹ"

چارپائی پر ایک شخص بیٹھا تھا۔ اس کی عمر تقریباً ساٹھ سال کی ہوگی۔ اُس کے بدن پر عورتوں کی مانند شمیز تھی۔ یہ شخص بہت زار و نحیف تھا اس کا رنگ زرد تھا۔ مگر اسے دیکھتے ہی معلوم ہو جاتا تھا۔ کہ بہت بدرد اور خوفناک

خصلت کا آدمی ہے۔ اُس کے منہ میں ایک پائپ تھا جس سے دھواں نکل رہا تھا۔ گھر میں روٹی کا ایک ٹکڑا بھی موجود نہیں تھا۔ البتہ تمباکو کی کمی نہیں تھی۔ ایک فربہ بدن عورت کمرہ میں ٹہل رہی تھی۔ اس کی عمر تقریباً چالیس سال کی ہوگی یہی جنڈریٹ کی بیوی تھی۔ اسی وقت جنڈریٹ کی بیٹی جس کا ناظرین سے اوپر تعارف کرایا جا چکا ہے دوڑی دوڑی ہانپتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ اور اپنے والد کو مخاطب کرکے بولی "بابا! وہ آرہے ہیں"۔

والد نے پوچھا "وہ کون؟ سینٹ جاکس چرچ والا بوڑھا؟"

"ہاں۔ وہ ابھی آئیں گے۔ کرایہ کی گاڑی لے کر آرہے ہیں"۔

"خود ہی کہتی ہے وہ گاڑی لے کر آرہے ہیں۔ پھر تو پہلے کس طرح آپہنچی؟"

"وہ کہتے تھے کہ میری بیٹی کو بازار سے کچھ سامان خریدنا ہے"۔

"اُسے اپنا پتہ اچھی طرح سے بتا دیا تھا نہ؟ کہہ دیا تھا

کہ آخری دروازہ ہے"

"میں نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ ٹھیک بتا دیا ہے مجھے اب کچھ سکھانے پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایلو وہ سنو گاڑی ہمارے دروازہ پر آ کر رُک گئی ہے"۔

جنڈریٹ جلدی میں اپنی بیوی سے بولا "گنّی! گنّی! چمنی کی آگ بجھا دو۔ اور جا کر چارپائی پر لیٹ رہو اور کراہنا شروع کر دو۔ جاؤ۔ جاؤ۔ فوراً جاؤ"۔

بیوی کی زبان سے کوئی لفظ نہ نکلا۔ مگر جنڈریٹ نے خود جا کر آگ بجھا دی۔ پھر وہ اپنی بڑی لڑکی سے بولا "جلدی سے جا کر کرسی پر بیٹھنے کی جگہ کاٹ ڈال"۔

وہ اپنے باپ کی بات کا مطلب نہ سمجھ سکی۔ یہ دیکھ کر جنڈریٹ نے خود ہی کرسی میں بیٹھنے کی جگہ کا بید کاٹ ڈالا۔

اسی وقت کسی کے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سنائی دی۔ ایک بوڑھا آدمی ایک سولہ سالہ نازنین کو ساتھ لئے کمرے میں داخل ہوا۔ میرئس اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں تھا۔ اس وقت اُس کی جو حالت ہوئی وہ ناقابل بیان ہے۔ یہ نازنین وہی تھی۔ جس پر میرئس لکھشم برگ کے باغیچہ میں

اپنا دل قربان کر چکا تھا۔ یہ وہی شے تھی ۔ جو معدوم ہوگئی تھی۔ یہ وہی ستارہ تھا جو چھ ماہ تک چھپا رہا تھا۔ وہی پیشانی۔ وہی متبسم چہرہ جس کے نظر سے اوجھل ہو جانے سے رات ہوگئی تھی ۔ گرہن ختم ہوگیا ۔ اور چاند نکل آیا ۔ نکلا بھی تو اس تاریکی میں ۔ اِس بالاخانے میں ۔ اس غلیظ کھوہ میں! میریئس کانپ اُٹھا ۔ یہ وہی تھی ۔ چہرے پر ذرا زردی ضرور چھاگئی تھی۔ بُڈھے کے ہمراہ وہ بھی اندر چلی آئی ۔ اور ایک بڑی سی گٹھڑی میز پر رکھ دی ۔ جنڈریٹ کی بڑی بیٹی تختے کی آڑ میں چلی گئی اور وہاں سے اُس نازنین کے بیش قیمت کپڑوں اور اس کے خوب صورت چہرے کو حسد بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی ۔

کمرے میں داخل ہو چکے تو بُوڑھے نے سنجیدہ لہجے میں جنڈریٹ کو مخاطب کر کے کہا " یہ گٹھڑی آپ ہی لوگوں کے لئے لایا ہوں ۔ اِس میں پہننے کے کپڑے پشمی موزے اور کمبل ہیں "

جنڈریٹ بولا " واقعی آپ فرشتے ہیں "

جنڈریٹ نے آہستہ سے اپنی بیٹی کے کان میں پُوچھا۔

"بوڑھے کو کون سے دستخطوں والا خط دیا تھا؟"

بیٹی نے باپ کے کان میں کہا "فیا وانٹے"

جنڈریٹ کو یہ بات عین موقعہ پر معلوم ہو گئی۔ کیوں کہ اسی وقت نوواردنے کہا "میں دیکھتا ہوں دراصل آپ کی حالت بہت افسوس ناک ہے مسٹر!"

جنڈریٹ بول اٹھا "فیا وانٹے"

بوڑھے نے کہا "مسٹر فیا وانٹے! ہاں ٹھیک یہی تو آپ کا نام مجھے یاد ہے"

جنڈریٹ کہنے لگا "ایک زمانہ تھا۔ جب میں بہت مشہور آدمی تھا۔ ٹالما کا شاگرد تھا۔ اور میرا بخت یاور تھا۔ لیکن اب میری تقدیر بدل گئی ہے۔ میرے محسن! دیکھئے ذرا نگاہ دوڑا کر دیکھئے۔ میرے گھر میں روٹی کا ٹکڑا نہیں۔ آگ بھی موجود نہیں۔ گردش کے دن ہیں۔ بچے بھوکے مر رہے ہیں۔ اور کپڑا نہ ہونے کے باعث جاڑے کے مارے کانپ رہے ہیں۔ یہ دیکھئے میری بیوی سخت بخار میں مبتلا ہے۔ اپنی مصیبت کی رام کہانی کیا بیان کروں۔ اور کہاں تک بیان کروں؟ دیکھئے کیسی کڑاکے کی سردی پڑ

رہی ہے۔ مگر میں اپنی بیوی کا پھٹا پُرانا شمیز پہنے بیٹھا ہوں
میرے پاس ایک کوٹ تک نہیں ہے۔ جس کو پہن کر باہر
آجا سکوں۔ اور شرفاء سے میل ملاقات کر سکوں۔ میری
تکالیف کی کوئی انتہا نہیں۔ ایک سال ہو گیا مکان کا کرایہ
بھی ادا نہیں کر سکا۔ اگر آج ہی مالک مکان کو ۶۰ فرینک
کی رقم نہ دی تو وہ ہمیں گردن سے پکڑ باہر نکال دے گا۔
جناب من! اب تو یہ نظر آتا ہے۔ کہ مجھے میری مریض بیوی
اور چھوٹے بڑے بچّوں کو در در بھٹکتے پھرنا پڑے گا۔
بس اب اور کوئی چارہ نہیں"

بُڈھے نے جیب سے پانچ فرینک کا ایک سکّہ نکال
کر میز پر رکھ دیا اور پُوچھا "مکان کا کرایہ آپ کو کب
دینا ہے؟"

جنڈریٹ نے جواب دیا "رات کے آٹھ بجے"

بُوڑھا بولا "میں چھ بجے روپیہ لا دوں گا"

جنڈریٹ نے کہا۔ "خدا آپ کا بھلا کرے!"

نازنین کا ہاتھ پکڑ کر بوڑھا باہر جا رہا تھا کہ جنڈریٹ
کی لڑکی بولی "جناب! آپ اپنا اوور کوٹ بھول گئے"

جنٹلمین نے آنکھ کے اشارہ سے اُسے روکنے کی کوشش کی ؂

جاتے جاتے بُوڑھے نے کہا "میں نے اپنا اوورکوٹ غلطی سے نہیں چھوڑا ۔ دیدہ دانستہ تمہارے والد کے استعمال کے لئے چھوڑے جا رہا ہوں "

یہ کہہ کر وہ نازنین کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا ۔ گاڑیبان نے گاڑی ہانک دی ؂

ختم

سازش

میرئس دیوار کے سوراخ میں سے دوسری طرف دیکھ تو رہا تھا مگر اُسے کچھ نظر نہ آیا۔ کہ وہاں کیا ہو رہا ہے + ایک عجیب جذبہ اس پر طاری تھا۔ جس کے زیر اثر آنکھ جھپکے بغیر اپنی معشوقہ کی طرف تک رہا تھا۔ آتشی شیشہ کی مانند میرئس کی تمام طاقتوں اور حواس کا مرکز اس وقت اس کی آنکھیں تھیں +

نازنین چلی گئی۔ میرئس کا خواب ٹوٹ گیا۔ اسی طرح کھویا کھویا وہ باہر نکل آیا۔ اور دیکھنے گیا کہ گاڑی کتنی دور گئی ہے + کرائے کی گاڑیاں بہت تیز رفتار سے نہیں چلا کرتیں میرئس کے پاس کچھ سوچنے سمجھنے کو تو وقت تھا ہی نہیں۔

قمیص کا ایک طرف کا پلیٹ اُدھر رہا تھا۔ آستین کے بٹن موٹے موٹے تھے۔ اُسی پر کوٹ چڑھا کر وہ سڑک پر چلا آیا تھا۔ ایک خالی گاڑی بڑی تیزی سے چلی جا رہی تھی۔ اُسے روک کر میرئس نے کہا "گھنٹوں کے حساب سے کرایہ پر چلو گے؟"

اس کے کپڑوں وغیرہ کی حالت دیکھ کر گاڑی بان کو کچھ شک گذرا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کہا "چلوں گا۔ تو مگر ایک گھنٹہ کا کرایہ ۴۰ سو پیشگی دے دیجئے"۔

میرئس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو پاس صرف ۱۶ سو تھے۔ گاڑی والے سے کہا "کرایہ واپسی پر دے دوں گا"۔

گاڑی بان ہنس پڑا۔ اور گھوڑے کو زور سے چابک لگا کر ہوا ہو گیا۔ میرئس تھوڑی دیر تک بیوقوف بنا کھڑا رہا۔ پھر واپس گھر میں چلا آیا۔

مکان میں آ کر میرئس سے بیٹھا نہ گیا۔ پلنگ پر لیٹ کر سوچ میں پڑ گیا۔ جنڈریٹ اور اُس کی بیوی دونو اپنے کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ بھنک میرئس

کے کان میں بھی پڑی - اور جب اُسے معلوم ہُوا کہ وہ اسی نازنین اور بُوڑھے کے متعلق باتیں کر رہے ہیں - تو وہ پھر اُسی سوراخ میں سے اُن کی باتیں سُننے لگا ؛

جنڈریٹ کی بیوی رُخسار پر ہاتھ رکھے متفکرانہ انداز سے بولی "سچ مچ تم نے پہچان لیا - وہی ہے ؟"

"یقیناً! یوں تو آٹھ سال گذر گئے - مگر میں دیکھتے ہی پہچان گیا - تعجب ہے تم نہیں پہچان سکی - فرق ہی کتنا ہے؟ بس آج اُس کا لباس عمدہ ہے - بس بُڈھے بدمعاش - آج ملا تو!"

اس کے بعد دھیمی آواز میں بولا "اور یہ نازنین کون تھی ؟ پہچانتا بھی ؟"

"وہ وہی" جنڈریٹ نے منہ اپنی بیوی کے کان کے پاس لے جا کر آہستہ سے کچھ کہا ؛

جنڈریٹ کی بیوی اس طرح کانپ اُٹھی - گویا سانپ نے کاٹ لیا - بولی "کیا ؟ ایسی صورت نکل آئی اس کی ؟"

ایک راز کے بعد دوسرا راز سامنے آتا دیکھ کر میرئس دیوانہ ہو گیا ؛ اُس نے سوچا کہ جنڈریٹ ضرور اس بُڈھے

اور اُس کی لڑکی کو پہلے سے جانتا ہے۔ میرئس سانس روک کر پھر اُن کی گفتگو سُننے لگا۔

جنڈریٹ نے کچھ سوچ کر کہا "گنّی! اب پھر ہمارے دن پھر یں گے"۔

"میں کہتی ہوں تمہیں دھوکا تو نہیں ہُوا؟"

"واہ۔ دھوکا کیسے ہو سکتا ہے۔ گنّی! یقین مانو۔ اب فاقوں کے دن گئے۔ اس دفعہ میں کروڑپتی ہوئے بغیر نہیں رہنا"۔

"کیا ارادہ ہے؟ صاف صاف کہو نہ"۔

"صاف صاف کہوں۔ ابھی سنو گی؟ اچھا۔ آؤ میرے پاس آکر سنو"۔

جنڈریٹ نے ایک دفعہ چاروں طرف یوں دیکھا گویا اُسے خوف تھا کہ کہیں کوئی اُس کی باتیں نہ سُن رہا ہو۔ اِس کے بعد ہلکی آواز میں اپنی بیوی کو مخاطب کر کے بولا "گنّی! اس بوڑھے کو پھنسانے کے لئے میں نے جال تیار کر لیا ہے۔ آج شام کو جب وہ روپیہ دینے آوے گا۔ اسی وقت اُس سے نپٹ لوں گا۔ سمجھیں؟ ساتھ کے کمرہ میں جو چھوکرا

رہتا ہے۔ وہ شام کا کھانا کھانے باہر چلا جایا کرتا ہے۔ مکان کی مالکہ بھی قفل لگا کر باہر نکل جاتی ہے۔ اور آدھی رات سے پہلے واپس نہیں آتی + ہمارا مکان ایسا ہے کہ اسے بند کر کے اگر بندوق بھی چلائی جائے۔ تو آواز باہر نہیں پہنچ سکتی۔ بُوڑھے کے اندر آتے ہی میں دروازہ بند کر دوں گا۔ ابھی جا کر غنڈوں کے سردار پیٹرن منٹ کو کہہ آتا ہوں کہ اپنے ساتھ چار غنڈے ساتھیوں کو لے کر یہاں پہنچ جائیے۔ بُوڑھا اگر آسانی سے نہ مانا۔ تو پھر زور سے کام لیں گے۔ بس سب انتظام ٹھیک ہے "

ظالمانہ ہنسی ہنس کر اُس ذلیل انسان نے قریب کی ایک الماری کھولی اور اس میں سے ایک کٹار نکالی۔ کٹار چمک اُٹھی۔ کٹار کو پھر الماری میں رکھ کر اُس نے اپنی بیوی سے کہا " ارے! میں تو بھول ہی گیا۔ یہ لو پانچ فرینک۔ اُسے بھنا کر ایک بوجھ لکڑی کا کوئلہ خرید لانا "

" بوجھ بھر کوئلہ ۳۰ سوئیں مل جائے گا۔ جو کچھ باقی بچے گا۔ اس سے کھانے پینے کا سامان خریدتی لاؤں گی "

"نہیں۔ نہیں۔ مجھے اور بھی بہت سی چیزیں خریدنی ہیں"
"تو تمہیں کتنی رقم چاہیئے؟"
"تین فرینک اور"
"تو پھر کھانے کے لئے پیسے نہیں بچیں گے"
"کھانے کے لئے اس قدر بے چین نہ ہو۔ کام بن گیا تو خوب کھائیں گے۔ میں ابھی آتا ہوں"

یہ کہہ کر جنڈریٹ کمرے سے نکل گیا۔

جنڈریٹ اور اُس کی بیوی کے درمیان جو گفتگو ہوئی اُسے سُن کر میرئس صاحب کی رگوں میں خون جم گیا۔ دراز سے اُتر کر اُس نے ڈرتے ڈرتے کپڑے پہنے۔ اور تھانہ پہنچ کر انسپکٹر پولیس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔

انسپکٹر نے باہر نکل کر پوچھا "آپ کو کیا کام ہے؟ فرمایئے"

"میں بلورٹ ڈی لا ہاسپٹل کی بستی میں مکان نمبر ۵ میں رہتا ہوں۔ میرے ہمسایہ میں جنڈریٹ نام کا ایک خاندان رہتا ہے۔ اُس نے آج شام میرے ایک واقف کو پھندے میں پھنسانے کی سازش کی ہے"

"جنڈربیٹ اس مکان کے آخری کمرہ میں رہتا ہے؟"

"جی ہاں"

"غالباً پیٹرن منٹ بھی اُس سازش میں شریک ہوگا"

"پیٹرن منٹ! جی ہاں میں نے جنڈربیٹ کی زبانی یہ نام بھی سُنا تھا"

"آپ اس مکان کے کون سے کمرے میں رہتے ہیں؟"

"اُس کے ساتھ کے کمرے میں۔ ہمارے کمروں کے درمیان صرف ایک لکڑی کی دیوار حائل ہے"

"آپ اُن غنڈوں سے ڈر تو نہ جائیں گے؟"

"ہرگز نہیں"

"اُس مکان کے کرایہ داروں کے پاس وقت بے وقت اندر داخل ہونے کے لئے جو ایک فالتو چابی رہتی ہے۔ آپ کے پاس بھی ہوگی۔ آپ اپنی وہ چابی مجھے دے سکتے ہیں؟"

"ضرور۔ یہ لیجئے"

میرلس نے جیب سے ایک چابی نکال کر انسپکٹر کے ہاتھ میں دے دی۔ انسپکٹر نے اپنی بڑی بڑی جیبوں میں

ہاتھ ڈال کر دو پستول نکالے۔ اور انہیں میرئس کو دے کر کہا "آپ یہ دونوں لے جائیں۔ چپ چاپ جا کر اپنا دروازہ بند کر لیں۔ اور چھپ کر بیٹھے رہیں۔ تاکہ جینڈربیٹ خاندان کے آدمیوں کو یہ معلوم نہ ہو۔ کہ آپ اندر ہی ہیں۔ دونو پستول بھرے ہوئے ہیں۔ جب غنڈے آکر اپنی کارروائی شروع کر دیں۔ اور آپ کو یہ یقین ہو جائے۔ کہ وہ لوگ اپنے کام میں اچھی طرح مشغول ہو گئے ہیں۔ اُس وقت ایک پستول چلا دیجئے گا۔ بس آپ کو اور کوئی کام کرنے کی ضرورت نہیں"

"بہتر! میں آپ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا"

میرئس کمرے سے باہر نکلنے لگا۔ تو انسپکٹر نے کہا "اِس وقت تین بجے ہیں۔ شام ہونے میں تین گھنٹے باقی ہیں۔ اگر کوئی خاص ضرورت پیش آئے تو آپ یہاں آکر یہ کہہ دیجئے گا۔ کہ انسپکٹر جابرٹ سے ملنا ہے۔ میں فوراً آجاؤں گا"

واپس آکر میرئس آہستہ آہستہ مکان میں داخل ہو گیا اور کمرے کو اندر سے مقفل کر لیا۔ کسی نے اُسے کمرے میں داخل ہوتے نہ دیکھا۔

تینتیسواں باب

جنڈریٹ کون ہے؟

پورے ساڑھے پانچ بجے میرئس نے دراز پر چڑھ کر سوراخ میں سے دوسری طرف جھانکنا شروع کیا۔ جابرٹ کے دیئے ہوئے دونوں پستول قریب ہی رکھے تھے۔ جنڈریٹ اور اُس کی بیوی سازش کا سامان اکٹھا کرنے میں مصروف تھے۔ کوئلے جلنے سے چمنی تپ کر لال سُرخ ہوگئی تھی۔ انگیٹھی خوب گرم ہو چکی تھی۔ آگ دھک رہی تھی۔ ایک طرف بہت سی رسیّاں پڑی تھیں اور ایک کونے میں لوہے کے ڈنڈے میلے کپڑوں میں چھپا رکھے تھے۔ کوئلہ کے دھوئیں سے کمرہ دوزخ کا نمونہ بن رہا تھا۔ گرجا گھر کی گھڑی نے ٹن ٹن کر کے چھ بجائے۔ میرئس سانس روک کر بڑی توجہ سے

سوراخ میں سے جھانک رہا تھا۔ اُسی وقت کسی نے جنڈریٹ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میریئس نے دیکھا کہ بُوڑھا آیا ہے۔ مگر اپنی بیٹی کو ہمراہ نہیں لایا۔ اکیلا آیا ہے۔ اُداس ہو کر میریئس نے ایک لمبی آہ کھینچی۔

جنڈریٹ کی بیوی نے بڑے اشتیاق کے ساتھ بوڑھے سے کہا "جناب! اندر تشریف لے آئیے"۔

جنڈریٹ بولا "ہمارے محسن دوست! ہم آپ ہی کی آمد کے منتظر بیٹھے ہیں"۔

بُوڑھے نے چار لوئی (سنہری سکّے) میز پر رکھ دیئے اور بولا "مسٹر فیباوانٹے! یہ لیجئے۔ مکان کا کرایہ ادا کرنے کے لئے روپیہ۔ کرایہ ادا کر کے آپ کے پاس کچھ بچ ہی رہے گا۔ باقی پھر دیکھا جائے گا"۔

جنڈریٹ نے احسانمندی کا اظہار کر کے کہا "اس بروقت امداد کے لئے شکریہ قبول فرمایئے۔ خدا آپ کو شاد رکھے!"

چونکہ دروازے کی طرف بُوڑھے کی پیٹھ تھی۔ وہ کسی کو آتے یا جاتے ہوئے نہ دیکھ سکتا تھا۔ جس وقت وہ جنڈریٹ

کے ساتھ باتوں میں مشغول تھا۔ ایک شخص دبے پاؤں کمرے میں
داخل ہُوا۔ اور چُپ چاپ آ کر ایک طرف ایک سٹول پر بیٹھ
گیا + تن پر نیلے رنگ کی ایک پھٹی ہوئی واسکٹ تھی۔ کالر
ندارد تھا۔ اور مُنہ پر سیاہی پھیر رکھی تھی +
اس کی صورت دیکھتے ہی بوڑھے نے متعجب ہو کر دریافت
کیا" یہ کون صاحب ہیں ؟"
جنڈربیٹ نے جواب دیا" محلّے کے ایک بھلے آدمی
ہیں۔ چمنی صاف کرنے کا کام کرتے ہیں اس لئے اُن کے
مُنہ پر سیاہی لگ گئی۔ آپ اُن کا کچھ خیال نہ کیجئے" +
نہ معلوم کوئی اَور ہوتا۔ تو اس کیفیت سے مطمئن ہو
جاتا یا نہ ہوتا مگر بوڑھے کی جھٹ تسلّی ہوگئی۔ اُس نے صرف
اتنا ہی کہا" مسٹر فیاد انٹے! اس بے موقع اور غیر ضروری
سوال پر معاف فرمائیے گا" +
جنڈربیٹ نے اپنی دونوں روشن آنکھوں کو زہریلے
سانپ کے مانند باہر نکال کر کہا" میرے عزیز محسن! تنگدستی
کے باعث ہمارا سب سامان تھوڑا تھوڑا کر کے فروخت ہو چکا
ہے۔ اب صرف یہ ایک تصویر باقی رہ گئی ہے" +

اسی وقت ایک اور شخص دروازہ کھول کر اندر داخل ہُوا - اور آہستہ آہستہ آکر پہلے آدمی کے پاس بیٹھ گیا ٭

جنڈریٹ بولا " دوست! یہ سب محلّے کے آدمی ہیں - آپ کو دیکھنے آئے ہیں - ہاں میں آپ سے اِس تصویر کا ذکر کر رہا تھا - یہ تصویر ایک نہایت مشہور مصوّر کی اعلےٰ صنعت کا نمونہ ہے - میری زندگی کے کئی خوشگوار واقعات کی یاد اس سے وابستہ ہے اس لئے ایک کیا ہزار ہا ضروریات درپیش آنے کے باوجود بھی اسے فروخت نہیں کیا - مگر اب گزارہ نہیں ہو سکتا - جنابِ من! اگر آپ اِسے خریدنا چاہیں اور اُس کی قیمت ایک ہزار کراؤن (سکّہ) دے دیں - تو میں اُسے آپ کے ہاتھ بیچ ڈالوں گا ٭

ایک ایک کر کے چار غنڈے کمرے میں آپہنچے - بوڑھے نے اُٹھ کر ایک بار کمرے میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی - اصلی حالت سمجھنے میں اُسے دیر نہیں لگی - چاروں غنڈے نہایت ہوشیاری کے ساتھ دروازہ روکے کھڑے تھے ٭

جنڈریٹ اور بھی قریب آگیا اور بُوڑھے سے کہنے لگا - "جناب! اگر آپ میری یہ تصویر نہیں خریدیں گے تو میرے

لیئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔ کہ دریا میں غرق ہو کر خودکشی کر لوں"۔

یک لخت جنڈریٹ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ ایک ہیبت ناک قہقہہ لگا کر رعد کی طرح کڑک بولا "بڈھے! پہچانا بھی میں کون ہوں"؟

بوڑھے نے متحیر ہو کر جواب دیا "نہیں تو"۔

جنڈریٹ نے میز پر سے شمع اٹھائی اور اسے اپنے چہرہ کے قریب لے جا کر کہا "اچھی طرح دیکھ۔ پہچانتا ہے یا نہیں"؟

بوڑھے نے بغور دیکھا اور کہا "نہیں۔ میں تو نہیں پہچان سکا"۔

غصہ کی آگ سے مشتعل ہو کر جس طرح سانپ اپنا پھن پھیلاتا اور کاٹنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ جنڈریٹ بولا۔ "بڈھے! میرا نام نہ فیاو انٹے ہے۔ نہ جنڈریٹ۔ میرا نام ہے تھینارڈیار۔ اور میں وہی مونٹ فارمل کے ہوٹل والا تھینارڈیار ہوں۔ اب بھی مجھے پہچانا یا نہیں"؟

بوڑھے نے اسی طرح غیر مضطرب انداز میں جواب

دیا۔ "آپ کا اصلی نام سُن کر بھی میں آپ کو پہلے کی نسبت کچھ زیادہ نہیں پہچان سکا"۔

میر لُس نہ سُن سکا کہ بوڑھے نے جنڈ ربرٹ کی بات کا کیا جواب دیا۔ مگر تھینارڈیار کی زبان سے نکلے ہوئے یہ الفاظ کہ "میرا نام تھینارڈیار ہے" اُس کے دل پر بجلی کی طرح گرے اس کا دماغ چکرا گیا۔ پولس والوں کو مطلع کرنے کی غرض سے اُسی نے اپنے دائیں ہاتھ سے پستول اُٹھایا۔ مگر اُس کے ہاتھ سے پستول گر گیا۔ اُس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔

تھینارڈیار! یہی نام تو میر لُس اپنے والد مرحوم کے نام کے ساتھ ہر روز عبادت کے وقت ہر گھڑی اور ہر لحہ یاد کیا کرتا ہے۔ مگر یہ کیا؟ اس کے والد کی جان کس نے بچائی تھی؟ ایک ڈاکو نے؟ بدمعاش غنڈوں کے سردار نے؟ میر لُس کو خیال آیا کہ تھینارڈیار خواہ ڈاکو۔ لُٹیرا بدمعاش کوئی بھی ہو۔ اُس نے میرے والد کی جان بچائی تھی۔ اور میں اپنے والد کے حکم سے تا ابد اُس کا احسانمند و مقروض ہوں۔ اب میں اُسے پولیس کے ہاتھوں میں سونپ کر یا پھانسی پر لٹکوا کر اپنا فرض ادا کروں؟ یہ باتیں سوچتے سوچتے

میرلس کا سر چکرانے لگا۔

تھینارڈیار (ہم اُسے اُسی نام سے مخاطب کریں گے)۔ بپھرے ہوئے شیر کی مانند کمرے میں چاروں طرف چکر کاٹ کاٹ کر کہنے لگا۔

"میرے فیاض دوست! پھٹا ہوا کوٹ پہننے والے کروڑپتی! تعجب کی بات ہے تم مجھے اتنی جلدی بھول گئے۔ آٹھ سال کا عرصہ گذرا تم بڑے دن کی رات کو مونٹ فارمل میں آکر ہمارے ہوٹل میں ٹھہرے تھے یا نہیں؟ اگلے روز مجھے دھوکا دے کر اور کسیٹ کو ساتھ لے کر چمپت ہو گئے تھے یا نہیں؟ اس روز تو تمہارا موٹا ڈنڈا دیکھ کر میں اپنا خونِ جگر پیتا اور اپنی قسمت کو کوستا ہوا واپس چلا آیا تھا مگر آج میں اس روز کا بدلہ لئے بغیر باز نہ آؤں گا"۔

بوڑھے نے پھر اسی طرح استقلال سے جواب دیا۔

"آپ کہہ کیا رہے ہیں؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ کروڑپتی کہہ کر آپ کسے مخاطب کر رہے ہیں؟ میں تو ایک غریب شخص ہوں۔ میرے متعلق آپ کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے"

تھینارڈیار نے سخت لہجے میں کہا "اب یہ عیاریاں بیکار

ہیں۔ اپنی خیر چاہو۔ تو میرے کہنے کے مطابق عمل کرو۔ ورنہ ابھی تمہارے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے جائیں گے"۔
یہ کہہ کر تھینارڈیار پھر کمرہ میں چاروں طرف پھرنے لگا۔ اب موقعہ پا کر بوڑھے نے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی۔ صدر دروازے پر چاروں غنڈے کھڑے تھے۔ اُس طرف سے بھاگنا ناممکن تھا۔ سامنے ایک کھڑکی کھلی تھی۔ اُس کی راہ کود کر بھاگنے کے لئے دوڑا۔ مگر چاروں غنڈوں اور تھینارڈیار کی بیوی نے جھٹ اُسے جا پکڑا۔
اب میریئس کے استقلال کا بند صد ٹوٹ گیا۔ اُس نے پستول اُٹھا لیا۔ اپنے والد کی روح کے سامنے تعظیماً سر جھکا کر دل میں کہا "ابا جان! مجھے معاف کیجئے"۔ اس کے بعد اُس نے اپنی اُنگلی پستول کے گھوڑے پر رکھی اور گھوڑا دبایا ہی چاہتا تھا کہ تھینارڈیار کی آواز اُس کے کانوں میں آئی۔ وہ کہہ رہا تھا "خبردار! بوڑھے کے جسم پر چوٹ نہ لگے"۔
اُسی وقت ایک مسلح پولس افسر معہ چند کانسٹیبلوں کے کھلے ہوئے دروازے سے کمرے میں داخل ہوا۔ انہیں دیکھتے ہی غنڈوں نے کمرے میں سے جو ہتھیار جس کے

ہاتھ آیا اُٹھا لیا - اور اُن پر حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگے ۔
جو پولس افسر اُن میں سب سے آگے آیا تھا - وہ کمرے کے وسط میں کھڑا ہو گیا - اور زور سے کہنے لگا " سنو بھائیو! ابھی وہ شخص پیدا نہیں ہوا - جو انسپکٹر جابرٹ کے ہاتھ سے بچ کر بھاگ سکے - خواہ مخواہ خون خرابہ کرنا مجھے پسند نہیں - اس لئے کوئی اس کمرے سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرے "۔
جابرٹ کا نام سنتے ہی سب کے دل دھڑکنے لگے اُنہوں نے ہتھیار پھینک دیئے اور اپنے آپ کو جابرٹ کے حوالے کر دیا - اسی اثنا میں موقع پا کر ینجین کھڑکی کی راہ سے باہر بھاگ گیا - چونکہ اس سے مقابلہ کرنے کا خیال نہ تھا - اس لئے کسی پولس والے نے اس کی طرف توجہ نہ کی تھی ۔
جب ایک ایک کر کے سب غنڈے گرفتار ہو چکے تو جابرٹ نے پوچھا " اور وہ شخص کہاں ہے جس کے خلاف یہ سازش کی گئی تھی "؟
کمرے میں چاروں طرف دیکھا مگر اس کا کہیں پتہ نہ تھا ۔
اس پر جابرٹ نے کہا " واہ وا! وہ تو ان غنڈوں کا بھی سردار معلوم ہوتا ہے "۔

چونتیسواں باب

ایونائن کا احسان

اُدھر انسپکٹر جابرٹ ملزموں کو گاڑیوں میں بٹھا کر روانہ ہوا۔ اِدھر میرئس اپنا سب سامان اُٹھوا کر اپنے ایک دوست کرفیار کے ہاں جا پہنچا اور وہاں بودوباش اختیار کر لی ٭

میرئس مایوس ہو چکا تھا۔ مگر مایوسی کی گھری تاریکی میں اس نے ایک روز خواہ لحہ بھر کے لئے اپنی محبوبہ کو دیکھ لیا تھا۔ لیکن کیا ہوا!؟ آنکھیں ابھی تشنہ دیدار ہی تھیں۔ کہ وہ ملائک فریب چہرا پھر نظر سے غائب ہو گیا ٭

اُس روز تھینارڈیار کی زبانی لڑکی کا نام سُنا تھا کیسیٹ! یہ شیریں نام ہر وقت میرئس کا وردزبان تھا۔ وہ شہر کے

ہر محلّے اور ہر کوچے میں پھر پھر کر اپنے دل کی ملکہ کو تلاش کرنے لگا + ایک روز صبح سے شام تک اُس کی تلاش میں حیران و سرگردان پھرتا رہا۔ شام کے وقت جب اپنی قیام گاہ کو واپس آرہا تھا۔ تو اسے راستے میں ایک نوعمر لڑکی ملی۔ سلام کرکے بولی "مسٹر میرئس! میں ڈیڑھ مہینے سے آپ کو تلاش کرتی پھر رہی ہوں۔ مگر آپ سے ملاقات میسر نہیں آتی معلوم ہوتا ہے اب آپ اپنے مکان میں نہیں رہتے"+

یہ لڑکی تھینارڈیار عرف جنڈریٹ کی بیٹی ایونائن کے سوائے اور کوئی نہ تھی۔ جب میرئس نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ تو اس نے پھر کہا "مسٹر میرئس! آپ کو تکلیف میں دیکھ کر مجھے بڑا صدمہ ہوتا ہے۔ اگر میرے بس میں ہو۔ تو میں آپ کو خوش کرنے کی کوشش کروں"+

میرئس نے پوچھا "کیا مطلب؟"

ایونائن بولی "میں اُس کا پتہ جانتی ہوں"+

میرئس نے گھبراکر پوچھا "کس کا؟"

ایونائن نے جواب دیا "جسے آپ چاہتے ہیں"+

مارے خوشی کے میرئس کا دل بلّیوں اچھلنے لگا۔ بولا۔

بتاؤ۔ بتاؤ۔ مجھے اُس کا پتہ بتاؤ۔ ایونائن! میں تمہارا بہت احسان مند ہوں گا۔"

ایونائن نے کہا"میرے ہمراہ آئیے۔ میں خود چل کر آپ کو وہ مکان دکھائے دیتی ہوں۔"

میرئس کو ساتھ لے کر وہ پیرس کے دوسری طرف ایک باغیچہ والے مکان کے سامنے پہنچی۔ اور بولی"مسٹر میرئس! یہی وہ مکان ہے۔ اب آپ مجھے کیا انعام دیں گے؟"

میرئس کی جیب میں پانچ فرینک کا ایک سکّہ تھا۔ نکال کر ایونائن کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ ایونائن نے اُس کو پرے پھینک دیا۔ روز ایک ایک سُو کی بھیک پا کر جس ایونائن کی خوشی کی انتہا نہ رہتی تھی۔ آج اُس نے پانچ فرینک اس طرح اُٹھا کر پھینک دیئے! ایونائن میں یہ تبدیلی کس طرح واقع ہوئی؟

ملاقات

پیرئس اپنی محبوبہ کو دیکھنے کے شوق میں اس کے مکان کے ارد گرد بڑی بے تابی سے پھرا کرتا۔ اس خیال سے کہ مبادا کسیٹ کا والد اُسے دیکھ لے۔ اور اس کی آنکھوں سے پھر اوجھل کردے۔ وہ دن کے وقت اُدھر زیادہ نہیں جاتا تھا۔ رات کو باغ میں چلا جاتا اور کسیٹ کی خواب گاہ کے دریچہ کے نزدیک چھپ کر بیٹھ جاتا۔ اسی طرح بہت سے دن گذر گئے۔ ایک روز بلجین ایک کام پر کسی جگہ چلا گیا۔ اُس روز آفتاب غروب ہونے کے تھوڑی دیر بعد کسیٹ تنہا باغ میں ٹہل رہی تھی۔ اس وقت اُسے ایسا معلوم ہُوا۔ کہ کوئی شخص اُس کے پیچھے پیچھے چلا

آ رہا ہے۔ کسیٹ نے سر پھیر کر دیکھا۔ دیکھتے ہی جھٹ پہچان گئی۔ کہ وہ اس کا محبوب ہے۔ میرِٹس کا سر ننگا تھا۔ اُس کا پھول سا بدن سُوکھ کر کانٹا ہو رہا تھا۔ اور اُس کا رنگ زرد تھا۔

اُس نے کہا "اے خاتون! میری گستاخی معاف کرنا۔ جس روز تمہیں لکھشم برگ کے باغ میں دیکھا تھا۔ اُسی دن سے تمہاری تصویر میری آنکھوں میں کُھب گئی ہے۔ تمہارا یہ خوب صورت چہرہ ایک لمحہ کے لئے میرے تصور سے اوجھل نہیں ہوتا۔ میں رات کو خواب میں بھی تم ہی کو دیکھتا ہوں۔ کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ میں تمہیں کس قدر چاہتا ہوں! میں دیوانہ ہو گیا ہوں۔ شاید تمہیں تکلیف دے رہا ہوں"۔

کسیٹ بولی "آہ! میری آماں!" کہہ کر گرنے لگی۔ مگر میرِٹس نے اُسے سنبھال لیا اور پکڑ کر سینے سے لگا لیا۔ اُسے معلوم نہ تھا۔ کہ وہ کیا کر رہا ہے وہ کانپ رہا تھا۔ مگر کسیٹ کو خوب اچھی طرح سنبھالے ہوئے تھا۔ اُسے یہ محسوس ہُوا کہ اس کا دماغ دھوئیں سے بھر گیا ہے۔ آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہیں۔ اور حواس کھوئے گئے ہیں۔ کسیٹ نے

اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔

میرلِس نے مضطرب لہجہ میں پوچھا:" تو تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے؟"

کیبیٹ بہت ہلکی آواز میں بولی:" چپ! اب تم جانتے ہو۔" اور اس نے اپنا چہرہ جو حیا سے لال ہو رہا تھا۔ میرلِس کے سینہ سے لگا دیا۔ میرلِس سنبھل نہ سکا۔ ایک بنچ پر گر پڑا۔ کیبیٹ اُس کی بغل میں گری۔ خیالات کے اظہار کے لئے اُن کے پاس الفاظ نہ تھے۔ آسمان پر ستارے روشن تھے۔ اُن کے ہونٹ خود بخود کس طرح ہل گئے؟ پرندوں کے شیریں نغمے۔ برف کا پگھلنا اور گلاب کے غنچوں کا کھلنا یہ سب باتیں کس طرح ظہور میں آتی ہیں؟ انہوں نے ایک دوسرے کو چوم لیا اور دونو کانپ اُٹھے۔ اور اُس تاریکی میں ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ اُنہیں نہ رات معلوم ہوئی۔ نہ سرد پتھر اور نہ گیلی زمین۔ وہ ایک دوسرے کو تک رہے تھے اور اُن کے سینے جذبات سے معمور تھے۔

آہستہ آہستہ دونو میں گفتگو ہونے لگی۔ دونو نے اپنی اپنی رام کہانی کہہ سُنائی۔ ملاقات کی خوشی میں پہروں

کی طرح گُذر گئے ٭

اِس کے بعد اُن کا یہی معمول ہوگیا اور دن ہنسی خوشی بسر ہونے لگے ٭

رفتہ رفتہ کسیبٹ کے انداز گفتگو اور طرز عمل سے بلجین سمجھ گیا۔ کہ پھول کو کیڑا لگ گیا ہے۔ کسیبٹ اپنے آپ کو اس اجنبی نوجوان کے ہاتھوں میں سونپ بیٹھی ہے۔ اگر اسی وقت کسیبٹ کو کسی دور دراز مقام میں نہ پہنچا گیا۔ تو ممکن ہے کہ کسی مصیبت کا سامنا ہو ٭ بلجین نے کچھ عرصے کے لئے فرانس چھوڑ کر انگلستان جانے کا تہیہ کر لیا اور کسیبٹ کو بھی اپنے ارادہ سے آگاہ کر دیا ٭

کسیبٹ کا سینہ جیسے شق ہوا چاہتا تھا ٭

چھتیسواں باب

عالمِ مایوسی

میرئس نے اپنے دل میں ٹھان لی۔ کہ اگر نانا صاحب رضامند ہو گئے۔ تو میں فوراً کسیٹ سے شادی کروں گا۔ چنانچہ رضامندی حاصل کرنے کے لئے وہ ایک روز جلز مینڈ کے مکان پر پہنچا۔

بوڑھے جلز مینڈ نے میرئس کو بہت مدت بعد دیکھا تھا چنانچہ بہت خوش ہوا۔ میرئس اپنے نانا کے روبرو دست بستہ کھڑا ہو گیا اور بولا "نانا ابا! میں آپ سے ایک بھیک مانگنے آیا ہوں"۔

"کیسی بھیک؟ اپنا قصور سمجھ گئے؟ معافی مانگنے آئے ہو؟"

"میرے حال پر رحم کیجئے"
"کیوں؟ تم چاہتے کیا ہو؟"
"نانا ابّا! میں یہ مانتا ہوں۔ کہ میرے یہاں آنے سے آپ خوش نہیں ہیں۔ مگر آپ کی خدمت میں میں صرف ایک بھیک مانگنے کے لئے حاضر ہُوا ہوں۔ آپ کی رضامندی مل جانے پر واپس چلا جاؤں گا"
"تم کو جانے کے لئے کون کہتا ہے؟ تم یہ بتاؤ کہ تم چاہتے کیا ہو؟"
"میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اور اس کے لئے آپ کی اجازت کا ملتجی ہوں"
"شادی؟ ۲۱ سال کی عمر میں شادی؟ معلوم ہوتا ہے سب انتظامات مکمل کر چکے ہو؟ اب صرف میری اجازت کی دیر ہے۔ اچھا بیٹھو۔ میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں تم نے بیرسٹری شروع کر دی؟ کچھ روپیہ جمع کیا؟"
"کچھ نہیں"
"جس لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کی تجویز ہے۔ اُس کے پاس روپیہ یا جائداد ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ وہ ایک غریب آدمی کی بیٹی ہے۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ تم اکیس سالہ مفلس اور نکمے نوجوان ایک غریب کی لڑکی کو گلے میں باندھ کر دُنیا میں ٹھوکریں کھانا چاہتے ہو۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

"نانا ابا!"

ان الفاظ کو سُن کر بوڑھے جلز بینڈ کا دل پگھل گیا۔

میرِئس نے دردناک لہجہ میں پھر یوں کہنا شروع کیا۔

"نانا ابا! میں اس لڑکی کو اپنی جان سے زیادہ چاہتا ہوں۔ اگر اُس کے ساتھ میری شادی نہ ہوئی۔ تو اُمید نہیں۔ کہ میں زندہ بچوں۔ آپ پھر مجھے کبھی نہ دیکھ سکیں گے۔"

اس پر نانا نے محبت بھرے لہجہ میں جواب دیا۔ "دیکھ لڑکے! اگر اُس چھوکری پر تیری طبیعت اس قدر آ گئی ہے تو تو اُسے بغیر نکاح کے اپنے پاس کیوں نہیں رکھ لیتا؟ شادی کر کے خواہ مخواہ اپنے اوپر بوجھ کیوں ڈالتا ہے؟"

میرِئس کے چہرے پر ایک رنگ آتا تھا۔ ایک جاتا تھا۔ وہ کھڑا ہو کر بولا "نانا ابا! پانچ سال ہوئے آپ نے میرے والد مرحوم کی توہین کی تھی اور آج آپ میری بیوی

کی بیعزتی کر رہے ہیں۔ اب میں اور کچھ نہیں کہتا اور ہمیشہ کے لئے آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔"

میرئس بڑی تیزی سے اپنے نانا کے مکان سے باہر نکل گیا۔ بوڑھا جلز مینڈ "میرئس! میرئس!" پکارتا ہوا زینے تک آیا مگر اُس وقت تک میرئس صدر دروازہ سے نکل کر بہت دور چلا گیا تھا۔

انقلاب پسندوں کے گروہ میں!

میریئس شکستہ دل اور مایوس پھرا۔ شہر میں سے گذرتے وقت اُس نے دیکھا۔ کہ ہر چوک میں بہت سے آدمی جمع ہو رہے ہیں۔ اور خوش ہو ہو کر "جمہور کی فتح" کے نعرے لگا رہے ہیں۔ آزادی کے منتر کے زیر اثر آج انقلاب پسندوں نے اپنی جانیں تک قربان کرنے کے لئے کمر باندھ لی ہے اس انقلاب پسند مجمع کے لیڈر ہیں کیفراک۔ اینجولارس اور میریئس کے کئی اور دوست! انقلاب پسندوں کو شہر بدر یا گرفتار کرنے کی غرض سے انسپکٹر جابرٹ پولیس کی فوج لے آیا تھا۔ اور ایک شراب فروش کی دُکان کے سامنے کھڑا ہو کر انقلاب پسندوں کی کارروائیاں دیکھ رہا تھا۔ بعض انقلاب پسند

اپنے رہنما اینجو لارس کے ساتھ اسی دُکان میں داخل ہوئے۔ جابرٹ کی شکل دیکھتے ہی اُنہیں کچھ شک گذرا۔ اس سے پوچھا "تم کون ہو؟"

"پولیس افسر ہوں"۔

"تمہارا نام؟"

"جابرٹ"!

اینجو لارس نے اشارہ کیا۔ اُس کے ساتھیوں نے فوراً جابرٹ کے ہاتھ پاؤں رسّی سے باندھ دیئے اور اُسے ایک کھونٹی کے سہارے کھڑا کر کے چل دیئے ❖

میرئیس بھی راستے میں آتا آتا ان انقلاب پسندوں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اور پولیس کے سپاہیوں کے ہاتھ سے تلوار اور بندوق چھین کر لڑنا بھڑنا شروع کر دیا + وہ مرنے ہی کے لئے تیار ہو کر آیا تھا۔ اور اب مرنے کا موقعہ بھی ہاتھ آگیا تھا وہ اُس مجمع کا لیڈر بن گیا اور لوگوں کی رہنمائی کرنے لگا + گو پریم کے مہایگیہ میں وہ اپنی زندگی کی آہوتی ڈال دینے کے لئے تیار تھا۔ لیکن پھر بھی اُس نے دو ایک دفعہ بڑی مُضطرب نگاہوں سے اپنے اِرد گرد دُنیا کو دیکھا۔ کیا کسیٹ کی یاد اُسے

کچھ عرصہ اَور زندہ رہنے کے لئے مجبور کر رہی تھی؟ میرئس نے جیب سے پاکٹ بُک نکالی اور اُس میں سے ایک ورق پھاڑ کر اُس پر لکھا۔

"پیاری کسیٹ!

"ہماری شادی ہونا غیر ممکن ہے۔ اس کے لئے میں نے اپنے نانا صاحب کی رضامندی حاصل کرنی چاہی تھی۔ مگر وہ کسی طرح بھی تیار نہیں ہوتے۔ جب میں نے تمہیں نہ پایا۔ تو پھر میرا اِس جہان میں نہ رہنا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ مرنے جارہا ہوں۔ میری محبوبہ! تم سے بڑھ کر مجھے دُنیا میں کوئی چیز عزیز نہیں۔ جس وقت یہ خط تمہارے ہاتھوں میں پُہنچے گا۔ تمہارا نامراد چاہنے والا میرئس اِس جہان میں نہ ہوگا۔

تمہارا

میرئس"

خط کو موڑ کر اُس پر یہ پتہ لکھا "میڈیم ازل کسیٹ فکلیونیٹ۔

بر مکان مسٹر فکلیونیٹ۔

نمبرے رُوڈی لا ہوم آرم"

پھر اپنی پاکٹ بُک میں مندرجۂ ذیل الفاظ تحریر کیئے ؛۔

"میرا نام میرئس پینٹ مرسی ہے۔ میری لاش نمبر ۶ رُو۔ ڈی فیلڈ کیا وری میں میرے نانا مسٹر جلز مینڈ کے پاس پُہنچا دی جائے"۔

وہ دیوانہ لڑکا گوورَوک بھی انقلاب پسندوں کے گروہ میں جا ملا تھا۔ اور اُس نے تھوڑی ہی سی دیر میں میرئس سے دوستانہ تعلقات پیدا کر لئے تھے۔ اسی میل کی بنا پر میرئس نے اُس سے کُچھ کام لینا چاہا۔ گوورَوک۔ منچلا اور قابل اعتبار لڑکا تھا۔ جونہی میرئس نے اُسے آواز دی وہ جھٹ اُسکے پاس آپہنچا۔

میرئس نے اُس سے دریافت کیا "لڑکے! میرا ایک کام کرو گے"؟

"یقیناً! کیا کام ہے"؟

"اُس خط پر جو پتہ درج ہے وہاں اسے پُہنچا دو گے"؟

"کیوں نہیں؟ لایئے دیجئے۔ ابھی دے آتا ہوں"!

میرئس نے وہ چِٹھی گوورَوک کے ہاتھ میں دے دی۔ گوورَوک بھیڑ کو چیرتا ہُوا بات کی بات میں باہر چلا گیا۔

میرئس ہاتھ میں تلوار لئے دشمنوں کی صف میں جا کودا۔

اٹھتیسواں باب

میدان جنگ میں

گوورک نے مندرجہ پتہ پر پہنچ کر دیکھا۔ کہ ایک باغ والے مکان کے سامنے ایک لکڑی کی چوکی پر ایک بوڑھا آدمی بیٹھا ہے۔ لڑکے کو مکان کے سامنے اِدھر اُدھر چکر کاٹتے دیکھ کر بوڑھے نے اُسے پاس بُلا لیا۔ اور پوچھا "میاں! کس کو تلاش کرتے ہو؟"

گوورک نے جواب دیا "کسی کو نہیں۔ کیا آپ اسی مکان میں رہتے ہیں؟"

"ہاں"

"آپ بتا سکتے ہیں کہ ۷ نمبر کا مکان کونسا ہے؟"

"یہی ہے"

لڑکے کو پس و پیش کرتے دیکھ کر بلجین بولا "میں ایک چٹّھی کے انتظار میں یہاں بیٹھا ہوں"

"آپ - آپ عورت تو نہیں - مرد ہیں"

"میں عورت ہی کے نام کا خط آنے کی راہ دیکھ رہا ہوں۔ تم جو خط لائے ہو وہ میڈیم ازل کسیٹ کے نام ہے نا؟"

جب نام بلجین نے ٹھیک ٹھیک بتا دیا۔ تو گوورو ک کو کچھ شُبہ نہ رہا اور اُس کا اطمینان ہو گیا

بلجین بولا "چٹّھی مُجھے دو"

گوورو ک نے چٹّھی بلجین کے ہاتھ میں دے دی اور کہا بہت ضروری خط ہے۔ یہ ہمارے سردار مسٹر میرئس نے بھیجا ہے۔ وہ انقلاب پسندوں کے لیڈر ہیں اور اِس وقت میدان جنگ میں ہیں"

اتنا کہہ کر گوورو ک چل دیا

خط کا مضمون پڑھ کر بلجین کسی قدر فکرمند اور متحیّر ضرور ہوا۔ تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد خط کو موڑ کر مکان کے اندر چلا گیا۔ خط کی آخری سطر "جس وقت یہ خط تمہارے ہاتھ میں پہنچے گا - تمہارا نامراد چاہنے والا اس جہان میں نہ ہوگا" نے

اُس کے سینے میں تلاطم برپا کر دیا۔

ایک گھنٹے کے بعد بھیس بدل کر بلجین مکان سے باہر نکلا۔ اس وقت اُس نے زرہ اور نیشنل گارڈ پہن رکھا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں سنگین تھی اور اس کی کمر سے تلوار لٹک رہی تھی۔

جب وہ میدان جنگ میں پہنچا۔ تو اُس نے پہلے میرئس کو تلاش کر کے باہر نکالنے کی کوشش کی۔ میرئس زندگی سے ہاتھ دھو چکا تھا۔ اور جان ہتھیلی پر لئے پھرتا تھا میدان میں طوفان کی طرح اِدھر اُدھر آتا جاتا نظر آتا تھا۔

میرئس کو ڈھونڈھتا ڈھانڈتا بلجین اُسی شراب کی دُکان پر پہنچا جہاں انقلاب پسند جابرٹ کو باندھ کر چھوڑ گئے تھے۔ ایک ہی نگاہ میں بلجین نے جابرٹ کو اور جابرٹ نے بلجین کو پہچان لیا۔ جابرٹ نے سوچا اب میری جان کی سلامتی نہیں۔ میں ساری عمر اسے تنگ کرتا اور پے در پے تکلیفیں دیتا رہا ہوں۔ آج بلجین اُس کا انتقام لئے بغیر نہ ٹلے گا۔ اور آج بلجین کی گولی سے میرا سر ضرور پاش پاش ہوگا۔ غریب جابرٹ کو کیا معلوم تھا کہ بلجین اِس قدر رذیل اور بزدل نہیں کہ بندھے (گرے) ہوئے دشمن سے بدلہ لے۔

بلجین نے آہستہ آہستہ جابرٹ کی رسیّاں کاٹ دیں اور کہا " انسپکٹر جابرٹ! معلوم ہوتا ہے آپ نے مجھے پہچان لیا ہے۔ میں بلجین ہی ہوں۔ مجھے اُمید نہیں کہ میں اس جنگ سے زندہ لوٹوں۔ لیکن اگر تقدیر سے بچ گیا تو نمبر ۷ روڈی لاہوم آرم سٹریٹ میں فکلیو نیٹ کے نام سے میری تلاش کیجئے گا۔ ملاقات ہو جائے گی "

یہ کہہ کر بلجین میدان جنگ میں گھس گیا۔ اور جابرٹ ششدر رہ گیا۔ جب تک اُس کی نگاہ نے کام کیا وہ بلجین کی طرف دیکھتا رہا۔

اس فرشتہ سیرت انسان کو جس نے اپنے جانی دشمن کو مٹھی میں پا کر چھوڑ دیا۔ نہ صرف چھوڑ دیا۔ بلکہ اُس کے ساتھ پُرخلوص اور دوستانہ سلوک بھی روا رکھا جس کی زندگی ہزار ہا نیک کاموں کی کہانی سُنا رہی ہے۔ اُس شخص کو میں ملازمت کے باعث اپنا فرض سمجھ کر ساری عمر ستاتا رہا ہوں۔ لعنت ہے میری زندگی پر!

انہیں خیالات کی اُلجھنوں میں جابرٹ وہاں سے چلا گیا۔

اُنتالیسواں باب

الیونائن

میرئس ننگی تلوار ہاتھ میں لئے اور خون میں نہایا ہوا میدان جنگ میں ہر طرف بجلی کی مانند کوندرہا تھا + تقریباً شام ہوگئی تھی اور تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ زخمی اور جنگ میں کام آئے ہوئے سپاہیوں کی لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے ان ہی میں سے کسی نے مانوس لہجہ میں پکارا۔

میرئس!"

میرئس حیران ہوگیا + پھر دہی ہلکی آواز سنائی دی۔

مسٹر میرئس!"

میرئس نے لاشوں سے بھرے ہوئے میدان کو ایک نظر دیکھا۔ مگر یہ پتہ نہ لگا سکا کہ اسے کس نے پکارا ہے۔

پھر وہی آواز! "میریئس! تمہارے پاؤں کے قریب!"
میریئس نے نیچے دیکھا۔ تو کوئی قریب المرگ شخص حسرت بھری نگاہوں سے اُس کی طرف تک رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا "مسٹر میریئس مجھے پہچان نہیں سکے"؟
درحقیقت میریئس نے اُسے نہ پہچانا تھا ۔
اس نے جواب دیا "نہیں"۔
"میں ایونائن ہوں"۔
میریئس نے اُسے زیادہ قریب ہو کر دیکھا اور جھٹ پہچان لیا ۔ سچ مچ مردانہ لباس میں بدقسمت ایونائن ہی تھی۔
محبت کی بھی کیسی عجیب و غریب لیلا ہے! محبت مناسب نامناسب موقعہ بے موقعہ کچھ نہیں دیکھتی۔ بس ایک دفعہ دل کا بندھ ٹوٹ جائے سہی۔ پھر محبت کنارے پر آباد شہر۔ باغ یا پہاڑ کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتی اور سب کو پاؤں تلے روندتی چلی جاتی ہے ۔ میریئس کو دیکھتے ہی ایونائن اُسے پیار کرنے لگی تھی۔ محبت آبِ حیات ہے مگر اس وقت زہر ہلاہل سے بھی زیادہ خوفناک ہو گئی تھی! ایونائن کی تقدیر میں محبت کا زہر ہلاہل ہی ثابت ہونا لکھا تھا ۔ ناکامی نے اُس

کے دل کو پاش پاش کر دیا۔ میرئس کو اس بات کا نشان گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔ کہ ایونائن انقلاب پسندوں میں شامل ہو کر میدان جنگ میں آئے گی۔ چنانچہ اُس نے ایونائن سے پوچھا" ایونائن! تم یہاں کس طرح آئیں؟ یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"میں یہاں کس طرح آئی ہوں؟ پروانہ شمع پر کس طرح آتا ہے؟۔ اور میں یہاں کیا کر رہی ہوں؟ سنو گے میرئس؟ یہاں میں جان دے رہی ہوں"۔

ایونائن کا جواب سُن کر میرئس تھرا اُٹھا۔ وہ مضطرب لہجے میں بولا" ایونائن! تم زخمی ہو گئی ہو۔ آؤ میں تمہیں گود میں اُٹھا کر اُس شراب کی دُکان پر لے چلوں اور وہاں تمہاری مرہم پٹی کا انتظام کروں"۔

یہ کہہ کر میرئس ایونائن کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اُٹھانے لگا۔ مگر ایونائن کو تکلیف محسوس ہوئی۔ اُس نے جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

میرئس نے پُوچھا" کیوں ایونائن! کچھ تکلیف پہنچی ہے کیا؟ تمہارے زخم پر تو ہاتھ نہیں لگ گیا؟"

"میرے ہاتھ میں سے گولی نکل گئی ہے۔"

"کیسے؟"

"تمہیں بچاتے وقت۔ میں نے دیکھا کہ ایک سپاہی نے تمہیں اپنا نشانہ بنایا ہے اور لمحہ بھر میں اُس کی گولی تمہارے سینے کے پار ہو جائے گی۔ کیا کرتی؟ میں نے جا کر اُس کی بندوق کا مُنہ پکڑ لیا۔ گولی میرے ہاتھ میں سے نکل گئی۔"

"ارے ایونائن! یہ تم نے کیا کیا؟ خیر! جو ہو گیا سو ہو گیا۔ بولو اب تمہیں لے چلوں؟"

"میرٹس! اب تمام کوششیں بے سود ثابت ہوں گی۔ گولی میرے ہاتھ کو پار کر کے سینہ میں سے ہوتی ہوئی پیٹھ میں سے نکل گئی ہے۔ اب مجھے یہاں سے لے جانے کی کوشش مت کرو۔ معالج میرے لئے جو کچھ کرے گا تم چاہو تو مجھے اُس سے بہت زیادہ آرام اور خوشی پہنچا سکتے ہو۔ میرٹس میری خوشی کرو گے؟ میرے پاس آ کر اس پتھر پر بیٹھ جاؤ۔ میں تمہاری گود میں سر رکھ کر مروں گی۔ یہ میری زندگی بھر کی آرزو ہے اب موت کے وقت اُس آرزو

کو پورا کردو۔

میرئس نے مرتی ہوئی ایونائن کی آرزو کو پائمال نہیں کیا۔ وہ ایونائن کے پاس پتھر پر جا بیٹھا۔ اور اُسی کا سر اپنی گود میں لے لیا۔ گو ایونائن کی روح قفس عنصری سے پرواز کر رہی تھی۔ اور وہ حالت نزع میں تھی۔ تاہم اُسے بہشت کی راحت اور خوشی محسوس ہوئی۔ میرئس کے چھُوتے ہی جیسے اُس کے دل سے آبحیات کی بُوندیں ٹپکنے لگیں۔ اُس نے بڑے جوش کے ساتھ اپنے خون آلودہ ہاتھ سے میرئس کا ہاتھ خوب زور سے پکڑ لیا۔ اس وقت اُسے ذرا بھی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ پھر دبی ہوئی آواز میں کہا "میرئس! کیا اس بدنصیب لڑکی کی ایک اور آرزو پوری کرو گے؟ میرا ہاتھ پکڑ کر قسم کھاؤ کہ پُوری کرو گے۔ پھر میں نہایت اطمینان اور آرام کے ساتھ مر سکوں گی"۔

کچھ سوچنے کا وقت نہ تھا۔ میرئس نے کہا "پُوری کروں گا"۔

ایونائن ہلکی آواز میں بولی۔ میرئس! میرے مرجانے کے بعد میری پیشانی کو چوم لینا؟ تمہارے چوم لینے سے

مجھے مرنے کے بعد بھی بے حد خوشی حاصل ہوگی۔ اُس کے نازک اور کانپتے ہوئے ہونٹوں پر تبسّم کی ایک جھلک دکھائی دی اور لمحہ بھر میں غائب ہوگئی۔ شمع زندگی بجھ گئی!

میرئس نے اپنا وعدہ ایفا کیا۔ اُس نے ایونائن کی پیشانی کو جو موت کے باعث برف کی مانند سرد ہوگئی تھی۔ اور جس پر پسینے کے قطرے نمودار تھے چوم لیا۔ معلوم نہیں اسے چوم کر وہ کسیٹ کے نزدیک دغا باز۔ بے وفا ٹھہرا یا نہیں۔ ہاں اس میں شبہ نہیں کہ اس کے چوم لینے سے ایک بے چین و بیقرار روح کو ضرور راحت اور تسکین نصیب ہوئی۔

میرئس کی رہائی

آج کی لڑائی میں بھی میرئس ہی سردار تھا۔ وہی غنیم
کے ایک ایک سپاہی کی بندوق کا نشانہ بنا ہُوا تھا۔ دشمنوں
کی تیز تلواروں کے پے در پے وار سہنے سے اُس کا بدن چھلنی
ہو رہا تھا۔ بلجین کسی کی طرف سے نہ لڑتا تھا۔ جہاں تک ممکن
تھا وہ صرف میرئس کی حفاظت کرنے میں مصروف تھا۔ اُس
کی نگاہ ہر لمحہ میرئس پر جمی رہتی تھی۔ یکایک ایک گولی آ کر
میرئس کے سینہ پر لگی۔ وہ غش کھا کر گرا۔ شیر کی مانند لپک
کر بلجین نے میرئس کو اپنے کندھے پر اُٹھا لیا۔ اور اُس بھیڑ
سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ بلجین نے چاروں طرف
نگاہ دوڑائی۔ ہر طرف مار دھاڑ اور کشت وخون کا بازار گرم

تھا۔ بلجین کو اِس خیال سُنے بے چین کر دیا۔ کہ میرئس کو لے کر اِس خون خرابہ میں سے کس طرح باہر نکلوں + انسان کے لہو کے پیاسے لوگوں میں سے نظر بچا کر اور بغیر گھائل ہوئے باہر نکل جانا اُسے ناممکن نظر آتا تھا۔ مگر چونکہ بلجین نے مدتوں قیدی کی زندگی بسر کی تھی اور وہ بارہا جیلخانوں میں سے بچ نکلا تھا۔ اِس لئے نکل بھاگنے کی راہوں اور طریقوں کے متعلق اچھی واقفیت رکھتا تھا + یہی واقفیت آج آڑے وقت کام آئی۔ جس جگہ جنگ ہو رہی تھی۔ وہاں سے تھوڑے ہی فاصلہ پر اسے ایک جگہ ایک نالے میں اُترنے کا راستہ دکھائی دیا + وہ بصد دقّت بھیڑ کو چیر کر باہر نکلا اور وہاں پہنچ کر رستے پر سے ڈھکنا اُٹھایا + نیچے ایک گڑھا نظر آیا جس میں ایک آدمی آ جا سکتا تھا۔ جو لوگ نالیاں صاف کرتے تھے وہ اسی راستے سے آیا جایا کرتے تھے + بیہوش میرئس کو کندھے پر اٹھائے بلجین اُس گڑھے میں کُود پڑا۔ تاریکی میں ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے اُس نے بڑی مشکل سے نالے کا منہ معلوم کیا اور اُس طرف چلنے لگا + متعفن کیچڑ سے اُس کا سارا جسم لت پت

ہو گیا۔ اور گندے پانی سے تمام کپڑے بھیگ گئے۔ اندھیرا ہو رہا تھا اور کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ اِس لئے جدھر راہ ملی اُدھر ہی چل دیا۔ یکایک سامنے روشنی دیکھ کر اُس کے دل میں امید پیدا ہوئی۔ اُس نے سوچا "معلوم ہوتا ہے کہ خداوند کریم کے فضل و کرم سے نالے کے دہانے پر آ پہنچے"۔

بلجین کا خیال ٹھیک نکلا۔ وہ نالے کے دہانے پر تو ضرور آ پہنچا مگر وہاں سے باہر نکلنے کی کوئی ترکیب نہ تھی۔ ایک لوہے کے بڑے پھاٹک سے نالے کا منہ بند تھا۔ اور اُس میں جیل خانہ کی قسم کا ایک بڑا مضبوط قفل لگا ہوا تھا۔

بلجین کو خیال آیا "تو کیا اب اِس بدبودار نالے میں چوہے کی مانند سڑ کر جان گنوانی پڑے گی؟"

باہر ہوا چل رہی تھی اور چاند کی چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ نالے میں ایک طرف تھوڑی سی جگہ صاف کر کے بلجین نے میرئس کو لٹا دیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا پورا زور لگا کر اُس لوہے کے دروازہ کو کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر بے سود! اس کی تکلیف اور کوششیں رائگاں ثابت

ہوئیں۔ قفل کھُلے بغیر بچاؤ کی کوئی صورت نہ تھی + جو اوزار
اور ہتھیار ہمیشہ بلجین کے پاس رہا کرتے تھے۔ آج وہ بھی
ساتھ نہ تھے۔ کیونکہ لباس تبدیل کرتے وقت جلدی میں
اُنہیں مکان ہی پر چھوڑ آیا تھا + کہتے ہیں ڈوبتے کو تنکے کا
سہارا۔ بلجین کو خیال آیا کہ شاید میرئس ہی کی جیب میں
کوئی چیز ایسی مل جائے جس کی مدد سے قفل کھولا جا سکے۔
اُس نے میرئس کی جیبیں ٹٹولیں۔ مگر اُن میں سوائے چند
روپوں اور ایک پاکٹ بک کے اور کچھ نہ ملا + بلجین مایوس
ہو کر بیٹھ گیا اور خالی بیٹھا میرئس کی پاکٹ بک کو بار بار
کھولنے اور بند کرنے لگا۔ یکایک ایک ورق پر اُس کی
نگاہ گئی۔ اُس پر لکھا تھا:۔ "میرا نام میرئس پینٹ مرسی
ہے۔ میری لاش رودے فیلڈ کیلوری میں میرے نانا
مسٹر جلز نینڈ کے پاس پہنچا دی جائے۔"

بلجین باہر روشنی کی طرف دیکھ کر سوچ رہا تھا کس طرح
باہر نکلیں۔ کہ اسی وقت چپ چاپ پیچھے سے آکر کسی نے
اپنی اُنگلیوں سے اُس کا کندھا چھُوا اور آہستگی سے کہا۔
نصف حِصّہ!"

بلجین کو ایسا معلوم ہوا کہ شاید کوئی خواب دیکھ رہا ہے
ایسا کون آگیا۔ جس کے پاؤں کی چاپ تک نہیں سنائی دی!
اس سڑے ہوئے پانی اور غلیظ کیچڑ سے بھرے ہوئے
نالے میں کسی کے آنے کا وہم و گمان تک بھی نہیں ہو
سکتا۔ مگر درحقیقت وہاں ایک آدمی آپہنچا تھا۔ اُس کے
بدن پر صرف ایک بلاؤز تھا اور اُس کے پاؤں میں جوتے
نہیں تھے۔ بلجین نے اُسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ وہ تھینارڈیار
تھا۔ اس ذلیل ترین انسان کو یکایک ایسے ناقابل گذر
مقام میں دیکھ کر ایک لمحہ کے لئے بلجین دریائے حیرت
و استعجاب میں غرق ہو گیا۔ مگر بلجین کو اپنی عجیب و غریب
زندگی میں بارہا اس سے بھی پیچیدہ مسائل کو حل کرنا پڑا
تھا۔ ایک ہی لمحہ کے بعد اُس کے چہرہ کا رنگ بدل گیا۔
بلجین نے تو پہلی ہی نگاہ میں تھینارڈیار کو پہچان لیا مگر
تھینارڈیار اُسے نہیں پہچان سکا۔ بلجین کا چہرہ خون اور
کیچڑ میں لت پت ہونے کے باعث عجب ڈراؤنا معلوم
ہو رہا تھا ؂

یہاں ناظرین کو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ تھینارڈیار

اور اُس کے ساتھی غنڈے بہت دنوں تک جیل میں نہیں رہے۔ وہ سب قید خانہ کی کھڑکی توڑ کر بھاگ نکلے تھے۔ گرفتاری کے خوف سے تھینا رڈیار نے اسی گندے نالے میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ جس طرح خونخوار درندے دن کے وقت تیرہ و تار غاروں میں چھپے رہتے ہیں اور رات کے وقت شکار کی تلاش میں باہر نکلتے ہیں حیوان خصلت انسان صورت تھینا رڈیار نے بھی یہی طرزِ عمل اختیار کر رکھا تھا۔

بلجین کو دیکھ کر تھینا رڈیار سمجھا کہ وہ بھی شاید اُسی کی مانند کوئی ذات کا جانور ہے۔ اُس نے اس شخص کو قتل کر کے جو کچھ اس کے پاس تھا لُوٹ لیا ہے۔ اور اب مقتول کی لاش کو دریائے سین میں پھینک دینے کو لئے جا رہا ہے۔ انہی خیالات کی بنا پر اُس نے بلجین کو دیکھتے ہی اُس سے نصف حصّہ طلب کیا تھا۔

تھینا رڈیار نے پُوچھا "کیوں بھائی! باہر کس طرح نکلو گے؟"

"یہی تو میں سوچ رہا ہوں۔"

"قفل توڑنا تو ناممکن ہے"

"کیا کروں؟ میں خود اسی فکر میں ہوں"

"تو نصف حصہ دینا منظور کرو۔ باہر نکلنے کی ترکیب میں بتا دیتا ہوں"

"تم کیا کہہ رہے ہو؟ میری سمجھ میں ذرا بھی نہیں آتا"

"میں یہ کہتا ہوں کہ تم نے روپے ہی کے لئے اس شخص کو قتل کیا ہے۔ تم بغیر کسی توقع کے تو یہ کام ہرگز نہ کرتے۔ آؤ لوٹ کے مال کا نفع نصف کر لیں۔ تم نے خون کیا ہے اس کے لئے نصف تم لے لو اور میں بھاگنے کی ترکیب بتاتا ہوں اس کے لئے نصف مجھے دے دو۔ یہ دیکھو میرے پاس اس قفل کی چابی ہے"

بلجبین کو یہ ساری کارروائی عالمِ خواب کی سی نظر آ رہی تھی۔ اُسے ایسا معلوم ہوا کہ گویا خود کریم کارساز اُسے اس مصیبت کے پنجہ سے چھڑانے کے لئے اس خوفناک قاتل اور لٹیرے کی شکل میں آ کر اُس کے سامنے کھڑا ہے

تھینارڈیار نے نہایت احتیاط کے ساتھ کنجی کو بلاؤز کی جیب میں رکھ کر کہا "دیکھو بھئی! اب سب فیصلہ کر لو۔

نالہ کا دروازہ کھول کر میں تمہیں باہر نکال دوں گا۔ یہاں سے نکلنے کی صرف ایک ہی ترکیب ہے اور وہ یہی کنجی ہے۔ بتلاؤ باہر نکالنے کے لئے مجھے کیا دو گے؟"

بلجین نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اُس کی جیب میں ہمیشہ دو چار سو فرینک پڑے رہا کرتے تھے۔ بلجین نے یہ اپنا معمول بنا رکھا تھا۔ مگر وائے بدقسمتی! آج اس کے پاس کچھ زیادہ روپیہ نہیں تھا۔ تبدیل لباس کے وقت جلدی میں اس کی پاکٹ بک پُرانے کوٹ کی جیب میں رہ گئی۔ تھوڑے سے روپے اس کی واسکٹ کی جیب میں تھے۔ وہ نکال کر اُس نے تھینارڈیار کو دے دیئے مگر اُسے اعتبار نہ آیا۔ اور اُس نے خود بلجین اور میرئس کی تمام جیبوں کی تلاشی لی۔ میرئس کے جیب میں سے بھی دو تین سکّے ملے۔ اپنے نصف حصّے کی بات بھول کر تھینارڈیار نے سب کچھ خود ہی ہضم کر لیا۔ اور بولا "اچھا بھئی اب نکل جاؤ۔ میں دروازہ کھولے دیتا ہوں"۔

بلجین نے بیہوش میرئس کو کندھے پر اُٹھا لیا۔ تھینارڈیار نے دبے پاؤں جا کر تھوڑا سا پھاٹک کھول

دیا جس میں سے بمشکل تمام ایک آدمی باہر جا سکتا تھا۔ بلجین نے نالے سے نکل کر اور دریائے سین کے کنارے پر سانس لے کر خدا کا شکریہ ادا کیا۔

باہر نکل کر بلجین نے بیہوش میرئس کو دریائے سین کے کنارے ریت پر لٹا دیا۔ جہاں چاند کی چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ دریا سے چلّو میں پانی لے کر میرئس کے مُنہ پر چھڑکا۔ اس وقت بھی میرئس اسی طرح بیہوش پڑا تھا۔ مگر مُنہ اور ناک سے آہستہ آہستہ سانس آ جا رہا تھا۔ بلجین دوبارہ چلّو پانی لا رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے آکر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ بلجین نے سر پھیر کر دیکھا۔ ایک قدآور شخص پولیس کی وردی پہنے کھڑا ہے۔ بلجین اُسے دیکھتے ہی پہچان گیا۔ وہ انسپکٹر جابرٹ تھا! اسے جاسوسوں کی معرفت معلوم ہو گیا تھا۔ کہ تھینارڈیار وغیرہ کئی بدمعاش اسی طرف اس نالے میں رہتے ہیں۔ چنانچہ وہ انہیں گرفتار کرنے کی غرض سے آج اس سُرنگ کے مُنہ پر پھر رہا تھا۔

غریب بلجین ایک مصیبت سے نکلنے نہ پایا تھا۔ کہ ایک اور بلائے ناگہانی نازل ہو گئی۔ تھینارڈیار کے ہاتھ

سے بچا تھا کہ جابرٹ کے پنجے میں آپھنسا۔ اُس کی تقدیر میں مُصیبتوں سے چھٹکارا کہاں؟ لیکن اُس وقت بلجین کا چہرہ دیکھ کر اسے کوئی پہچان نہیں سکتا تھا چنانچہ جابرٹ کی ہوشیار نگاہیں بھی اُسے شناخت کرنے سے معذور رہیں۔ اسے کوئی "رات کا جانور" خیال کر کے جابرٹ نے پُوچھا

"تم کون ہو؟"

"میں بلجین ہوں۔"

"بلجین!" - جابرٹ نے بلجین کے چہرہ کے قریب روشنی لے جا کر اسے غور سے دیکھا - اب جابرٹ پہچان گیا۔

بلجین نے کہا - انسپکٹر جابرٹ! اس وقت میں آپ کا قیدی ہوں - میں نے شام کے وقت میدان جنگ ہی میں اپنے تئیں آپ کے حوالے کر دیا تھا - ورنہ میں آپ کو اپنا پتہ کیوں بتلاتا؟ میں اپنے آپ کو پولیس کے ہاتھوں میں سونپ دینے کا فیصلہ کر چکا ہوں - مگر میں آپ سے ایک بھیک مانگتا ہوں۔"

جابرٹ نے گویا بلجین کی باتیں سُنی ہی نہیں - وہ دریائے حیرت میں غرق ٹکٹکی باندھے بلجین کے چہرہ کی طرف دیکھ رہا

تھا۔ آخر اُس نے پُوچھا "تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ یہ آدمی کون ہے؟"

بلجین نے جواب دیا "اسی شخص کے متعلق میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ مجھ سے آپ جس طرح مناسب سمجھیں پیش آئیں۔ مگر اتنی مہلت ضرور دیجیے کہ میں اسے اس کے مکان پر پہنچا دوں + آپ میرے ساتھ چلئے۔ اسے پہنچا کر میں گرفتار ہو جاؤں گا"

جابرٹ بولا "معلوم ہوتا ہے اس شخص کو میں نے آج میدان جنگ میں دیکھا ہے۔ اِنقلاب پسند اسے "میرئس" کہہ کہہ کر مخاطب کر رہے تھے"

بلجین نے کہا "بیشک۔ آپ بجا کہتے ہیں۔ میں اسے میدان جنگ ہی سے اُٹھا کر لایا ہوں۔ اُس کے بہت مہلک زخم لگا ہے"

جابرٹ بولا "زخم کیا میں تو سمجھتا ہوں یہ مر گیا ہے"

بلجین نے جواب دیا "نہیں۔ ابھی مرا نہیں۔ اس کا مکان نمبر ۶ رُو دے فیلد کیا وری ہے۔ اور اُس کے نانا کا نام جلز مینڈ ہے"

تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک کرائے کی گاڑی کھڑی تھی۔ جابرٹ نے آواز دی "کوچوان!"

کوچوان گاڑی لے کر پاس آگیا۔ بلجین اور جابرٹ نے مل کر میرئیس کو اُٹھایا اور گاڑی میں ایک طرف لٹا دیا۔ دوسری طرف دونوں خود بیٹھ گئے۔ جابرٹ نے کوچوان سے کہا "نمبر ۶ رو دو سے۔ فلیدو کیا وری!"

گاڑی گھر گھر کرتی ہوئی چلنے لگی +

جس وقت گاڑی جلز مینڈ کے مکان پر پہنچی دوپہر رات گذر چکی تھی۔ مکان کے سب مکین بے خبر پڑے سو رہے تھے۔ گاڑی سے اُتر کر جابرٹ نے خوب زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آنکھیں ملتے ملتے دربان آیا اور دروازہ کھولا جابرٹ نے دریافت کیا "یہ مکان مسٹر جلز مینڈ کا ہے نہ؟"

دربان نے جواب دیا "جی ہاں۔ آپ کو کیا کام ہے؟"

جابرٹ نے کہا "ہم لوگ اُن کے نواسے کو لائے ہیں"

دربان نیا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ میرے آقا کی بیوی بیٹا کچھ نہیں ہے۔ جورو نہ جاتا۔ اللہ میاں سے ناطہ۔ اُس نے حیران ہو کر پوچھا "اُن کا نواسا؟"

جابرٹ بولا "ہاں! وہ انقلاب پسندوں کی صف میں شامل ہوکر جنگ میں گئے تھے۔ اب بے ہوش گاڑی میں پڑے ہیں اُن کی حالت مُردوں کی سی ہو رہی ہے"

دربان نے اس کے بعد کچھ نہ کہا۔ جھٹ جاکر قدیم خدمت گاروں۔ نکلولیٹ اور واسک۔ کو جگایا۔ اور انہیں سب حال کہہ سُنایا۔ نکلولیٹ اور واسک نانا نواسے کے باہمی تعلقات سے آگاہ تھے۔ اِس لئے اُنہیں اتنی رات گذرے جلز مینڈ کو جگانے کی ہمّت نہ پڑی۔ سب مِل ملاکر میرئس کو اوپر ایک خواب گاہ میں لے گئے۔ اور اُسے وہاں لِٹاکر ایک شخص ڈاکٹر کو لانے کے لئے دوڑایا۔

نیچے اُترکر بلجین اور جابرٹ دوبارہ گاڑی میں سوار ہوا ہی چاہتے تھے۔ کہ بلجین بول اُٹھا "انسپکٹر جابرٹ! جب آپ نے اس قدر عنایت کی ہے تو مہربانی فرماکر میری ایک درخواست اور منظور کرلیجئے۔ مجھے صرف چند منٹ کے لئے اپنے مکان پر ہوآنے دیں۔ اُس کے بعد جو مرضی میں آئے کیجئے گا"

جابرٹ سر جُھکاکر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر

کوچوان کو حکم دیا" کوچوان! نمبر ۹- رو- دے- لا- ہوم آرم"۔
گاڑی بلجین کے مکان کی طرف روانہ ہوگئی۔ گاڑی میں بلجین اور جابرٹ میں کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی۔ دونو ہی خاموش اور فکرمند نظر آتے تھے۔ بلجین اپنے دِل میں سوچ رہا تھا کہ جب میں نے گرفتار ہوجانے کا فیصلہ ہی کرلیا ہے تو کسیٹ سے آخری مرتبہ ملاقات کرکے اُسے میرئس کا پتہ کیوں نہ بتلا دوں۔ اور کیوں نہ اُس کی موجودہ حالت سے اُسے آگاہ کردوں اور کسیٹ کے مستقبل کے لئے بھی کچھ نہ کچھ انتظام کرتا جاؤں؟ مگر جابرٹ کے سوائے کون جانتا ہے کہ جابرٹ کے دل میں اس وقت کیا تھا۔
جس کوچہ میں بلجین کا مکان تھا۔ وہاں گاڑی نہ جاسکتی تھی۔ گاڑی جاکر کوچہ کے باہر ٹھہر گئی۔ جابرٹ اور بلجین دونو نیچے اُتر آئے۔ جابرٹ نے کوچوان سے پُوچھا "کتنے گھنٹے ہوئے؟ کتنا کرایہ دوں؟"
کوچوان نے جواب دیا۔ انسپکٹر صاحب! آپ کے حکم سے میں سوا سات گھنٹے سے حاضر ہوں اور اُس لاشہ کے خون سے میری گدّی بالکل خراب ہوگئی ہے"۔

جابرٹ نے سوال کیا "کتنا روپیہ چاہتے ہو؟"
کوچوان بولا "اسی فرینک۔ انسپکٹر صاحب!"
جابرٹ نے جیب سے چار نیپولین (سنہری سکے) نکال کر کوچوان کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ کوچوان نے سلام کر کے اپنی راہ لی۔

بلجین اپنے مکان کی طرف روانہ ہوا۔ پیچھے پیچھے جابرٹ جا رہا تھا۔ نمبر ۹ کے مکان پر پہنچ کر بلجین نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ دربان نے دروازہ کھول دیا۔ بلجین نے ایک مرتبہ جابرٹ کی طرف ایسے انداز سے دیکھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بھی اندر آ سکتا ہے۔

جابرٹ بولا "آپ اوپر جائیں۔ میں یہیں ٹھہر کر آپ کا انتظار کروں گا۔"

بلجین حیران ہو کر جابرٹ کا مُنہ دیکھنے لگا۔ ملزموں کو ذراسی آزادی دینا بھی جابرٹ کی عادت کے خلاف تھا۔ اور ملزم بھی کون بلجین! جو متعدد بار جیلخانے سے بھاگ نکلا اور جو معلوم نہیں کتنے سال تک پولیس والوں کی آنکھوں میں خاک جھونک کر اُنہی کا افسر۔ اُنہی کا مُنصف

بنا بیٹھا رہا۔

کسیٹ کے پاس پہنچ کر یہ سب حالات کس طرح بیان کروں گا؟ اُس کی آیندہ زندگی کے لئے کیا انتظام کروں گا؟ انہی خیالات میں مُستغرق بلجین دوسری منزل کے زینے پر چڑھ رہا تھا۔ زینہ میں ایک دریچہ تھا۔ اُس کے پاس جاکر ذرا دم لینے کو ٹھہر گیا۔ یکایک اُس کی نگاہ نیچے صدر دروازہ پر پڑی۔ دیکھا جابرٹ وہاں نہیں ہے۔ جابرٹ کہاں چلا گیا؟

آخری فیصلہ

بلجین اوپر چلا گیا۔ جابرٹ تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ رودے لا ہوم آرم سے واپس چل دیا زندگی میں آج پہلی مرتبہ فکر اور پریشانی کے مارے اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ زندگی میں آج پہلی مرتبہ اُس کے دونو ہاتھ پس پُشت جڑے ہوئے نظر آئے۔ نپولین کے چلنے کے دو طریقے تھے۔ جب کبھی وہ کوئی کام کرنے کا مصمّم ارادہ کر لیتا۔ اور اُسے اپنی کامیابی میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہتا تو وہ اپنے دونوں بازو سینے پر باندھ لیا کرتا تھا۔ لیکن جب وہ کسی گہرے فکر میں مُبتلا ہوتا تو اُس کے دونوں ہاتھ پسِ پُشت جا پڑتے تھے۔ جابرٹ کو سب نے نپولین کی پہلی

چال کی تقلید کرتے دیکھا تھا۔ مگر آج پہلے پہل اُس نے اُس مرد میدان کی دوسری چال کی پیروی کی + اتنی مُدت تک اُس کے چہرہ پر ہمیشہ سنجیدگی اور مستقل مزاجی جھلکتی نظر آئی تھی۔ مگر آج ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس پر کسی نے فکر کی مہر لگا دی ہے + آج اُس کے چہرہ پر برسات کے جُھکے ہوئے سیاہ بادل کی مانند فکر کی کالی گھٹا گھِر آئی ہے + جابرٹ میں آج ایک نہایت عجیب و غریب تبدیلی واقع ہو گئی ہے۔

جابرٹ کی حالت ناقابلِ بیان ہے۔ اُسے رہائی دلانے والا۔ اُس کی زندگی بچانے والا کون ہے؟ ایک عدالت سے سزا یافتہ قاتل لٹیرا! اپنی زندگی کے لئے جابرٹ ایک ڈاکو کا ممنونِ احسان ہے۔ اور اُسی احسان کا بدلہ چکانے کی خاطر وہ اپنے فرض کو فراموش کرنے اور ملزم کو چھوڑ دینے پر مجبور ہے! آج انصاف کی آنکھوں میں جابرٹ اور ولجین دونو یکساں ہیں +

ایک بات رہ رہ کر جابرٹ کو حیران کر رہی تھی۔ وہ یہی تھی کہ ولجین نے اپنے قدیم دشمن جابرٹ کو اپنی مٹھی میں پاکر بھی چھوڑ دیا اور اُس کی جان بچائی۔ دوسری بات بھی مجھے

کم حیرت انگیز نہ تھی یعنی یہ کہ جابرٹ کو زندگی کے بدلے زندگی دینی پڑی۔ عدالت سے سزا یافتہ ڈاکو بلجین کو ہاتھ میں پاکر بھی چھوڑ دینا پڑا ؂

ایک بات نے جابرٹ کو بہت پریشان کر دیا ہے۔ آج اُس نے اپنے ایک نہایت اہم فرض کو فراموش کیا ہے اور اُس کی طرف سے بے پروائی دکھائی ہے۔ سزا یافتہ بلجین پھر سخت جرم کا مُرتکب ہُوا۔ اور اس کا علم ہونے کے باوجود بھی اُسے چھوڑ دینا پڑا! آج جابرٹ کو آئین کے مُنہ سے اُس کا جائز شکار نکال لینا پڑا ہے۔ جس فعل کے اِرتکاب کا اُسے کبھی خواب میں بھی خیال نہیں گذرا تھا۔ آج وہی فعل اُس سے سرزد ہُوا۔ آج تک اُس کی زندگی فرض کی مضبوط بنیاد پر قائم تھی۔ آج وہی بنیاد ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ؂

یہ بے غیرتی ناقابلِ برداشت ہے۔ اس قسم کی زندگی بھی جابرٹ کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ اُسے خیال آیا۔ "اس کشمکش سے بچاؤ کی صرف دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا بلجین کو گرفتار کر کے سزا دلانا۔ یا ——— "

"دو پہر رات گذر چکی ہے۔ چاروں طرف کہر اور تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ کُل عالم بے خبر پڑا سو رہا ہے۔ قدرت کے خوشنما چہرے پر تاریکی کا سیاہ نقاب پڑا ہُوا ہے۔ سڑکیں سُنسان ہیں۔ کہیں آدمی کا نام ونشان نہیں اور چاروں طرف ہُو کا عالم ہے۔ نرٹ ڈم اور پیلیس آف جسٹس کی عالی شان عمارتیں دو مہیب جنوں کی مانند اپنے سر اوپر اُٹھائے آسمان سے ہم کلام نظر آ رہی ہیں۔ دریائے سین کے کنارے کہیں ایک تیز روشنی جل رہی تھی۔ جابرٹ جا کر پُل پر کھڑا ہو گیا۔ اور سر پر سے ٹوپی اُتار لی + اُس کا دماغ مارے تکلیف کے جوش کھا رہا تھا۔ اُس نے سوچا رات کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سے اُس کا دردِ سر جاتا رہے گا۔ مگر یہ امید لاحاصل ثابت ہوئی۔ درد اور بھی زیادہ ہو گیا۔ اُسے یہ محسوس ہُوا۔ کہ اُس کے سر میں ہزاروں بچھو نیش مار رہے ہیں ٭

برسات کے سبب آج دریائے سین طغیانی پر ہے۔ پُل پر جہاں جابرٹ کھڑا اپنے خیالات کی ادھیڑ بن میں محو تھا۔ عین اُس کے نیچے دریا بے حد گہرا ہے۔ جابرٹ پُل کے کٹہرے پر جُھک کر نیچے دیکھ رہا تھا۔ رات تاریک تھی اور دریا کی لہروں

کے ٹوٹنے کے سوائے وہاں اور کچھ بھی نظر نہ آتا تھا + قدرت خاموش تھی۔ پانی کے چلنے کی آواز کے سوائے اور کوئی آواز سُنائی نہ دیتی تھی + جس طرح مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اُسی نامعلوم کشش کے ذریعے آج دریا جابرٹ کو اپنی طرف کھینچنے لگا + جابرٹ پہلے تو تھوڑی دیر تک بُت بنا کھڑا رہا۔ پھر کچھ سوچنے لگا۔ اُس کے بعد اُس کے چہرے پر یک بہ یک مستقل مزاجی کی جھلک دکھائی دی۔ ایک نورانی جذبے نے اُس کا چہرہ روشن کر دیا۔ اُس نے اپنی ٹوپی اُتار کر پُل پر رکھ دی اور خود دریا میں کود پڑا + صرف ایک آواز آئی۔ جھپ ! اور بس۔ گویا بیدرد سین نے قاتلانہ ہنسی ہنس کر جابرٹ کو نگل لیا ٭

نانا کے مکان پر

جب زخمی میرلس نانا کے مکان پر لایا گیا۔ اُس وقت رات بہت گذر چکی تھی + بوڑھا جلز بینڈ اپنی خواب گاہ میں پڑا سو رہا تھا۔ دو روز سے اُس کا وقت بڑے اضطراب اور فکر میں گذر رہا ہے۔ جلز بینڈ بادشاہ کا سچا خیر خواہ ہے اور ہر بات میں دل سے آئین وقانون کا پابند ہے + وہ انقلاب پسندوں کے یوں بیک اُٹھ کھڑے ہونے اور اُن کی دوزخ سے مشابہ خون کی پیاس کو نہایت ناپسندیدگی وحقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا + اور اُن کی فتح کے نعرے عالم خواب میں بھی اُس کی روح کو پریشان کر رہے تھے۔ اُس کے نوکر چاکر سب اُس کی اس حالت سے آگاہ تھے

چنانچہ کسی کو بھی ہمت نہ ہوئی کہ اُسے اُس وقت خواب سے بیدار کرے ٭

اگلی صبح جب پلنگ پر سے اُٹھ کر بوڑھا برآمدے میں ٹہل رہا تھا اُسی وقت ڈاکٹر کی گاڑی آ کر صدر دروازے پر رُکی۔ بے وقت ڈاکٹر کو آتے دیکھ کر اُسے فکر ہوئی۔ میرے مکان میں کون بیمار ہے؟ میں خود تو خوب تندرست ہوں۔ تو کیا کوئی نوکر بیمار پڑ گیا ہے؟

ڈاکٹر اُسی کمرے میں گیا۔ جس میں میرلس لیٹا ہُوا تھا + ڈاکٹر کے پیچھے پیچھے جلز بینڈ بھی اُسی کمرہ میں داخل ہُوا اور زخموں سے نڈھال میرلس کو پلنگ پر پڑا دیکھ کر خوف سے تھرّا اُٹھا + اپنی نگاہیں میرلس کے چہرے پر جما کر وہ کمرے کے وسط میں اِس طرح جا کر کھڑا ہو گیا گویا اُس کے سر پر بجلی گر پڑی ہے۔ پاس جا کر دیکھا پلنگ پر اُس کا لاڈلا میرلس پڑا ہے۔ زخموں سے زیادہ خون نکلنے کے باعث اس کا رنگ موم کی طرح سفید ہو رہا تھا + اُس کا جسم زخموں سے چھلنی ہوا پڑا ہے اور اُن میں سے اب بھی تھوڑا تھوڑا خون نکل رہا ہے۔ اُس کی دونوں آنکھیں بند ہیں ٭

بھرّائی ہوئی آواز سے جلز بینڈ نے پکارا "میرئس!"

اُس کے ملازم واسک نے ذرا آگے بڑھ کر کہا "حضور! تھوڑی دیر ہوئی یہ یہاں لائے گئے ہیں۔ میدان جنگ میں اس طرح گھائل ہوئے ہیں"۔

بچوں کی مانند روتے روتے جلز بینڈ بولا "مجھے معلوم ہے واسک! مجھ سے چھپاؤ مت۔ ظالم نے جو کچھ کہا تھا۔ وہی کر دکھایا۔ جیتے جی وہ میرے مکان پر واپس نہیں آیا۔ افسوس! مجھے یوں چھوڑ کر چلا گیا۔ اُس وقت میں نے اس کی قدر نہیں سمجھی۔ اُس بے قدری کا اُس نے یُوں بدلہ لیا ہے۔ یہ میرا ہی قصور ہے کہ اُس نے انقلاب پسندوں کی صف میں شامل ہو کر اپنی جان قربان کر دی"۔

بید لرزاں کی مانند کانپتا ہوا جلز بینڈ میرئس کے پلنگ کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ اور ٹکٹکی باندھ کر اُس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ میرئس ابھی تک بیہوش پڑا تھا اُس کا جسم بے حس و حرکت تھا۔ سانس بہت آہستہ آہستہ چلتا تھا۔ دونوں آنکھیں بند تھیں اور دل کی حرکت بھی قریب قریب ساکت تھی۔ میرئس کی یہ حالت دیکھ کر بُوڑھے نانا کے

حواس غائب ہوگئے۔ اُس کے ہونٹ کانپنے لگے اور اُس نے گومگو لہجہ میں یوں کہنا شروع کیا:۔ "بیدرد! ظالم! تیرے دل میں یہ کچھ تھا؟ جب تجھے اپنی زندگی کی چاہ نہیں تو بھلا اس بدنصیب بُوڑھے کی زندگی کا پیار کیا خاک ہوگا؟ قاتل انسان! اِتنی ذرا سی بات کے لئے تو نے اپنی آرزو پر اپنی جان قربان کردی۔ پھر بھلا تجھے اس مایُوس اور ناکام اور بوجھ تلے دبے ہوئے بوڑھے کی زندگی کا کیا خیال"؟

اُسی وقت میرئیس کو ذرا ہوش آیا۔ اُس کی آنکھیں کھُلیں۔ یہ دیکھ کر بوڑھے کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اُس نے باآواز بلند کہا:۔ "میرئیس! میرے اندھیرے گھر کے اُجالے میرئیس! میری آنکھوں کے نُور۔ میرے دل کے سرور میرئیس! تم نے آنکھیں کھولی ہیں! تم بچ گئے ہو! یا خداوند کریم! تیرا شکر ہے"۔

فرطِ مسرّت سے غش کھا کر بوڑھا زمین پر گر پڑا۔

کئی دن اُسی حالت میں گذر گئے۔ میرئیس کا نہ زندوں میں شمار تھا نہ مُردوں میں۔ کئی ہفتے اُسے بہت شدّت کا بخار چڑھا رہا۔ بخار میں اس پر ہذیان کی کیفیت بھی طاری ہوجاتی

بہت سی باتیں تو بالکل بے معنی ہوتیں۔ مگر بعض باتوں سے یہ ضرور ظاہر ہوتا کہ میرئس کو سب سے زیادہ فکر اور سب سے زیادہ خیال کسیٹ کا ہے ؛

ہر روز نفیس پوشاک زیب تن کئے ایک معمر شخص وہاں آتا اور مریض کا حال دریافت کرکے واپس چلا جاتا۔ زندگی اور موت کے اس خوفناک سنگھم پر کھڑے کھڑے میرئس کو چار ماہ ہو گئے۔ اس کے بعد ڈاکٹر مریض کی جان بری کی امید دلا سکا۔ باقاعدہ علاج معالجہ اور تیمارداری کی بدولت میرئس پھر تندرستی حاصل کرنے لگا ؛

اس علاج خدمت اور تیمارداری۔ عزت اور پاس سعی و امید۔ اور اطمینان و مسرت کے درمیان میرئس کا سارا فکر و خیال۔ تمام اُمیدیں اور خواہشات صرف ایک ہی چیز سے وابستہ تھیں اور وہ کسیٹ تھی! عالم بیہوشی میں جب اُسے تیز بخار چڑھا ہوتا۔ وہ بار بار اپنی معشوقہ کا نام لے کر طرح طرح کی باتیں کیا کرتا۔ مگر جب ہوش آجاتا تو کبھی اُس کا نام زبان پر نہ لاتا۔ مگر اس سے یہ مطلب نہیں۔ کہ میرئس کسیٹ کو بھول گیا ہے۔ زبان سے وہ کسیٹ کا نام نہیں لیتا۔ کیونکہ

اُس کا دل شب و روز اُس کے قدموں میں پڑا رہتا ہے۔ میرُس کو کچھ علم نہ تھا۔ کہ کیسیٹ کہاں ہے اور کیسی ہے۔

انقلاب پسندوں نے موت کا جو ڈراما کھیلا تھا۔ اس کے منظر کبھی کبھی اُس کی آنکھوں میں پھر جاتے تھے۔ اُس مار دھاڑ اور کشت و خون کا نقشہ اس کے دل پر گھٹا کی طرح چھا جاتا اُسی کالی گھٹا میں نوعمر گوورو ک کا خوب صورت چہرہ۔ ماؤک اور لبسوئے وغیرہ انقلاب پسندوں کی خوفناک کشمکش اور سردی سے مرجھائے ہوئے پھول کے مانند افلاس زدہ بدنصیب ایونائن بھی نظر آجاتی۔ سنجیدہ صورت مسٹر فکلیونیٹ بھی اسے بجلی کی طرح میدان جنگ سے نکل کر جاتے ہوئے دکھائی دے جاتے۔ ہر چند وہ عقل دوڑاتا تھا۔ مگر یہ راز اُس کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ فکلیونیٹ کس غرض سے انقلاب پسندوں کے ساتھ شامل ہوا تھا۔ اور پھر اُسے خیال آیا جب اُس پُرخوف و خطر میدان جنگ میں اس کے کاری زخم لگا اُس وقت کس نے اس کی جان بچائی تھی؟ یوں تو سینکڑوں سوال اُس کے دل میں پیدا ہوتے اور اس مسئلہ کو زیادہ پیچیدہ بنا دیتے۔ مگر اس تمام بے خبری اور پریشان خیالی کے

درمیان اُس کی نظر آسمان پر قطب ستارے کی مانند ایک مستقل غیر متحرک اور ہمیشہ چمکنے والی روشنی پر لگی ہوئی تھی اور وہ روشنی کسیٹ تھی!

میرئس نے اپنے دل میں عہد کر لیا تھا کہ خواہ کچھ ہی ہو کسیٹ کا پتہ لگاؤں گا۔

چند روزہ کے بعد میرئس بالکل تندرست ہو گیا۔ اُس کی جسمانی طاقت اور اُس کے چہرہ کا حُسن اور دلکشی ازسرِ نو واپس آ گئے۔ اس وقت تک جلز بینڈ کے مزاج میں بھی ایک نمایاں انقلاب ہو گیا تھا۔

ایک روز میرئس اپنے پلنگ پر بیٹھا تھا۔ اور تھوڑی دور پرے ایک آرام کرسی پر جلز بینڈ بیٹھا تھا۔ اُس وقت اس کا دِل رحم و لطف کے جذبات سے معمور تھا۔ اور وہ میرئس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یکایک میرئس کے چہرہ پر فکر کے آثار نمایاں ہوئے۔ اور اُس نے نگاہیں اپنے نانا کے چہرہ پر جما کر کہا "نانا ابا! میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں!"

بُوڑھے نانا نے ہنسی کو روک کر پوچھا "تم مجھ سے کیا بات کر سکو گے؟"

"نانا آبا! تو اب آپ میری بات نہیں سُنیں گے"؟

"یہ تو میں نہیں کہتا۔ میرا مطلب تو یہ تھا کہ اب بُوڑھا ہوگیا ہوں۔ تو بچہ ہے۔ بچّہ بوڑھے سے کیا بات کرسکے گا؟ خیر! جانے دے۔ بتا کیا کہتا ہے"؟

"نانا آبا! میں شادی کرنا چاہتا ہوں"!

"بس یہ بات ہے؟ اس میں فکر کیا ہے؟ دیکھ پہلے کِسی کو پسند کر"!

"نہیں نانا آبا! اگر کسیٹ کے ساتھ میری شادی نہ ہوئی تو میں زندہ نہیں بچوں گا"!

"پھر صاف صاف کیوں نہیں کہتا؟ ملے گی۔ تجھے کسیٹ ہی ملے گی۔ دربان کی زبانی میں نے سب باتیں سُن لی ہیں۔ ہر روز میری کسیٹ ایک بوڑھے کے بھیس میں آتی ہے۔ اور تیری حالت دریافت کرکے لوٹ جاتی ہے اور میں نے یہ بھی سُنا ہے کہ وہ نمبرے روڈ ہی۔ لاہوم آرم میں رہتی ہے۔ کل ہی اُسے بلواؤں گا"!

"نہیں نانا آبا! کل نہیں آج ہی"!

"کیا خوب! آج بار بار مجھے نانا آبا کہہ کر بلایا ہے۔ اس

کی قیمت آج ہی وصول کرنے کی ٹھانی ہے؟ پھر تجھے سچ سچ بتا دوں۔ میرئس! اتنے دن تک میں بھی ایک مطلب کی بات سوچتا رہا ہوں۔ میں نے سوچا ہے۔ یہ لڑکا یوں تو قابو میں آتا نہیں۔ اس کو کسی ایسی زنجیر سے باندھنا چاہئے جس سے اُسے کبھی چھٹکارا نہ ملے + میرئس! میرے بچّے! تو سمجھتا ہوگا۔ تیرا نانا پھر تیرے راستے میں کانٹا ثابت ہوگا؟ نہیں بھئی! اس عرصہ میں یہ امر میرے ذہن نشین ہوگیا ہے کہ اگر دُنیا میں کوئی زبردست کشش ہے تو وہ محبّت ہے۔ میرئس! تم نے کسیٹ کو پیار کیا ہے۔ کسیٹ ہی تمہاری بیوی بنے گی +

تیتالیسواں باب

بچھڑے پھر ملے!

دوسرے دن میرئس علے الصبح پلنگ سے اُٹھ کر ایک آرام کُرسی پر آبیٹھا تھا۔ آج اُس کا دل بہت خوش ہے۔ آج فکلیونیٹ صاحب کسیبٹ کو ساتھ لے کر اُسے دیکھنے آئیں گے جلز بینڈ بھی آج صُبح ہی ضروری فرائض سے فارغ ہو کر میرئس کے کمرے میں آبیٹھا ہے۔ واسک۔ نکولیٹ اور اور لو کمر چاکر کمرہ کے باہر اِدھر اُدھر پھر رہے ہیں ٭

گھڑی نے نو بجائے۔ فکلیونیٹ مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہُوا۔ اُس نے کسیبٹ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ کسیبٹ کا چہرہ گلاب کے پھُول کی مانند شگفتہ تھا ٭

بلجین عرف فکلیونیٹ نے آج نہایت نفیس پوشاک

زیب تن کر رکھی تھی۔ تن پر سیاہ رنگ کا قیمتی سرج کا سُوٹ تھا
بغل میں بادامی رنگ کے کاغذ میں لپٹا ہُوا کتاب کی شکل کا ایک
پارسل تھا۔

میرئس کی بیوہ خالہ بھی آج اُسے دیکھنے کے لئے آئی
تھی۔ وہ بلجین کو ایک طالب علم کی مانند بغل میں کتاب دبائے
ہوئے دیکھ کر سخت متعجّب ہوئی۔ جلز بینڈ کے کان کے پاس
مُنہ لے جا کر بولی "یہ شخص ہمیشہ اسی طرح بغل میں کتاب
لئے پھرتا ہے؟"

جلز بینڈ نے جواب دیا "یہ شخص ایک بڑا عالم نظر آتا
ہے۔ عالم فاضل تو کہیں آتے جاتے ہوئے راستے میں بھی
کتاب ساتھ رکھتے ہیں۔"

اِس کے بعد نو وارد کو مخاطب کر کے اُس نے کہا۔
"مسٹر ٹریا کلونیٹ!"

مسٹر جلز بینڈ نے دانستہ فکلیونیٹ کا نام نہیں بگاڑا تھا
بلکہ ناموں کی طرف سے بے توجہی کا اظہار کرنا یا انہیں بھول
جانا بھی جلز بینڈ کے "تول" کا نتیجہ تھا۔

بلا کسی تمہید کے جلز بینڈ کہنے لگا "مسٹر ٹریا کلیبونیٹ!

ہیں اپنے نواسے مسٹرلی۔ بیرن میرئس پینٹ مرسی کے ساتھ آپ کی بیٹی کسیٹ کی شادی کرنا چاہتا ہوں۔ یہ رشتہ آپ کو منظور ہے نہ؟"

بلجین بولا "میرے لئے اِس سے بڑھ کر اور کیا خوشی کا موجب ہو سکتا ہے؟"

جلنز بینڈ نے ایک بار میرئس کی طرف اور اُس کے بعد کسیٹ کی طرف دیکھ کر کہا "اب تم آزادانہ گفتگو کر سکتے ہو"۔

مگر چاہنے والے اس اجازت کے منتظر نہ تھے۔ طویل مفارقت کے بعد ملتے ہی وہ خاموش زبان ہیں اپنے اپنے تکلیف زدہ دل کے جذبات کا نہایت بیتابی کے ساتھ اظہار کر چکے تھے۔ مگر وہ ایسی زبان تھی کہ ان دونوں کے سوا اور کسی کی سمجھ ہیں نہ آسکتی تھی:۔

کسیٹ میرئس کے کان کے پاس مُنہ لے جا کر جوش کے لہجہ ہیں بولی "یوں اپنی جان جوکھوں ہیں ڈال دیتے ہیں؟"

میرئس نے کہا "او میری دلنواز! جب مجھے تمہارے ملنے کی امید نہ رہی تھی۔ تو ہیں بالکل مایوس ہوگیا۔ پھر اُس وقت میرے زندہ رہنے سے کیا فایدہ تھا؟"

کسیبٹ :- "میں نے کبھی تمہیں اپنے تصوّر سے اوجھل نہیں ہونے دیا"۔

میرئس :- "اور تمہیں چھوڑ کر مجھے جنّت میں جانا بھی منظور نہیں"۔

جب چاہنے والوں میں یہ گفتگو ہو رہی تھی۔ اُس وقت جلز بینڈ اور بلجین اپنی باتوں میں مشغول تھے۔ جب میرئس کی خالہ نے اس قدیم تیرہ و تار اور حسرت ناک مکان میں یکایک امید۔ مسرّت و شادمانی اور روشنی جلتی دیکھی تو وہ کچھ حیران سی رہ گئی۔ اس بات پر دل ہی دل میں کچھ ناراض بھی ہوئی۔ کہ میں میرئس کی حقیقی خالہ ہوں۔ میرئس کی ماں مر چکی ہے۔ اور لڑکے کی شادی کے بارے میں میری رائے تک نہیں لی گئی۔ وہ میرئس سے ناراض نہ تھی۔ اُسے غصّہ تھا اپنے بُوڑھے باپ پر۔

جلز بینڈ مارے خوشی کے پھولا نہ سماتا تھا۔ اپنی بیٹی سے کہنے لگا:- "اتنی مدّت کے بعد آج میرا خانۂ تاریک روشن ہُوا۔ کیسی حسین بہو ہے۔ میرے خیال میں تو اُس کے لئے بیرن کی بیوی بننا بھی کچھ موجب فخر و عزّت نہیں۔ یہ تو ملکہ

بن کر حکمرانی کرنے کو پیدا ہوئی تھی۔ دیکھو تو کیسی روشن آنکھیں پتلی ناک۔ اور باریک ہونٹ ہیں۔ ایسی حُسن کی دیوی تو شاذ ہی دیکھنے میں آتی ہے؟

اس کے بعد میریئس اور کسیٹ کی طرف دیکھ کر بولا۔ "عزیزو! اس زندگی میں اور آیندہ بیشمار زندگیوں میں اسی طرح اندھوں کی مانند۔ بیوقوفوں کی مانند۔ دیوانوں کی مانند۔ ایک دوسرے سے پیار کرو۔ انسان کی نگاہوں میں تو پیار اور محبّت بیوقوفی ہے مگر خدا کی آنکھوں میں محبّت اور سب چیزوں سے بڑھ کر ہے۔ یہی حقیقی نُور ہے۔ اِس وقت اس خیال سے میرے دل کو بڑا صدمہ ہوتا ہے کہ پہلے میری سمجھ پر کیوں پردے پڑ گئے تھے۔ افسوس! میں نے اپنے مال و متاع کا کثیر حِصّہ خیرات میں ضائع کر دیا!"

پھر بلجین سے مخاطب ہو کر کہا۔ اس خیال سے میرے دل کو اِس وقت بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ کہ میں نے کیوں اتنا روپیہ خیرات میں دے دیا۔ خیر اب جو کچھ باقی بچا ہے اُس پر میریئس کو پُورا اختیار حاصل ہوگا۔ اب میں جیئوں گا ہی کتنے دن؟" اس کے بعد میڈیم لی بیرن کو کفاینٹ شعار

بیبیوں کی طرح سوچ سمجھ کر رہنا ہوگا۔ اس وقت مجھے اسی بات کی فکر ہے۔"

بلجین تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر بڑی متانت کے ساتھ بولا "مسٹر جلز مینڈ! آپ گھبرائیں مت۔ میڈیم ازل یُوفریزی فکلیونیٹ کے پاس چھ لاکھ فرینک نقد اپنے موجود ہیں۔"

ضعیف العمر جلز بینڈ ششدر رہ گیا۔ پھر بیوقوفوں کی طرح پُوچھا۔ "وہ کون ہے؟ میڈیم ازل یُوفریزی کون ہے؟"

کسیٹ نے جواب دیا "یہ میرا ہی نام ہے۔"

جلز بینڈ نے حیران ہو کر کہا "چھ لاکھ فرینک!"

بلجین بولا "کسیٹ کے ایک رشتہ دار نے جو اس وقت اس جہان میں نہیں ہے۔ چھ لاکھ فرینک بطور امانت میرے پاس چھوڑ دیئے تھے اور کہا تھا کہ کسیٹ کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں جو رقم خرچ ہو وہ وضع کر کے باقی سب روپیہ کسیٹ کی شادی کے موقعہ پر بطور جہیز اُسے دے دیا جائے۔ مسٹر جلز بینڈ! کسیٹ کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں صرف ۱۶ ہزار فرینک خرچ ہوئے ہیں۔ باقی رقم میرے

پاس موجود ہے"

یہ کہہ کر بلجین نے اپنے بادامی کاغذ کے پارسل کو آہستہ آہستہ کھولا۔ اس میں دس دس ہزار کے چھ لاکھ فرینک کے نوٹ تھے۔

جلز مینڈ بآواز بلند بولا "یہ تو بڑی خوب صورت کتاب ہے!"

کمرے میں جو لوگ موجود تھے وہ سب متعجب ہو رہے تھے مگر میرئس اور کیسیڈ کی اس طرف توجہ نہ تھی۔ وہ اپنی ہی باتوں میں مشغول تھے۔

چوالیسواں باب

بلجین کی ہوشیاری اور احتیاط

شادی کی تاریخ مقرّر ہوگئی۔ ڈاکٹر نے کہہ دیا کہ دو ماہ تک میرئس بالکل تندرست ہو جائے گا۔ دسمبر کا مہینہ تھا چنانچہ ماہ فروری کے آغاز میں شادی قرار پائی۔ ابھی سے تیاریاں ہونے لگیں۔ خوشی کے دن گذرتے معلوم بھی نہیں ہوتے۔ ہفتے کے بعد ہفتہ دریا کے پانی کی طرح گذر گیا۔ میرئس یا کسیٹ کسی کو بھی اس کا احساس نہ تھا۔ اُن کی تو یہ حالت تھی۔ جیسے یک بیک دارِ فانی سے بہشت میں جا پہنچے ہیں۔ اُن دونوں میں سے کوئی اس بات کا پتہ نہ لگا سکا کہ کس کی کوشش سے۔ کس راہ سے اور کس طرح اُن کی زندگی میں یہ عظیم الشان انقلاب ہو گیا ہے ؛

ایک روز باتوں ہی باتوں میں میریئس نے اپنے دل کی مالکہ سے پوچھا "کسیٹ! یہ تمام کیا ہے؟"
کسیٹ نے مسکراکر جواب دیا "یہ خدا کی برکت۔ اور دعائے خیر ہے"
اب بلجین اپنے ضروری فرائض کو سرانجام دینے کی فکر میں مشغول ہوا۔ چونکہ اُس نے مدت تک میئر کی خدمات سرانجام دی تھیں اِس لئے اُسے آئین و قوائین سے کافی واقفیت ہوگئی تھی۔ بلجین کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ کہیں قانون کی آنکھوں میں میریئس اور کسیٹ کا رشتہ ناجائز نہ ٹھہرے۔ کیونکہ میریئس فرانس کے ایک نہایت قدیم اور مشہور خاندان کا لڑکا تھا۔ مگر کسیٹ کی بابت کسی کو یہ بھی علم نہ تھا کہ وہ کس خاندان سے اور کس کی بیٹی ہے۔ مگر بلجین نے یہ عقدہ بہت جلد حل کرلیا۔ اسے ایک ترکیب سُوجھی۔ بلجین کو خیال آیا۔ کہ اگر کسیٹ کے اصلی حالات بتادیئے گئے تو شادی ازروے قانون ناجائز قرار پائے گی۔ اِس لئے بلجین نے یہ مشہور کیا کہ کسیٹ میری دختر نہیں۔ بلکہ میرے بڑے بھائی فکلیونیٹ کی اکلوتی بیٹی ہے

اُس کے ماں باپ دونوں اس جہان سے گزر چکے ہیں۔ بھائی بہن کوئی زندہ نہیں۔ اِس لئے کسیٹ کے بارے میں کسی قسم کی تحقیقات کرنا فضول ولاحاصل ہے۔ دو فکلیونیٹ بھائی خانقاہ میں باغ کی حفاظت کی خدمات سرانجام دیا کرتے تھے۔ کسیٹ انہی میں سے ایک کی بیٹی ہے۔ خانقاہ کی صدر اور دیگر کنواریوں نے اس کی شہادت دے دی۔ عدالت نے اُن کی شہادت کو صحیح تسلیم کر لیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ قانون اور سوسائٹی کی نگاہوں میں کسیٹ میڈیم ازل یو فریڑی فکلیونیٹ کے نام سے مشہور ہوگئی۔

اس میں شک نہیں۔ اس انکشاف سے کہ کسیٹ بلجین کی بیٹی نہیں۔ قانون اور سوسائٹی کا تو ہر طرح سے اطمینان ہوگیا۔ مگر کسیٹ کے دل پر بڑا صدمہ گذرا۔ جب اُس نے سنا۔ کہ بلجین میرا باپ نہیں بلکہ چچا ہے۔ تو اسے بڑی تکلیف ہوئی۔ مگر وہ تکلیف بہت تھوڑے دنوں رہی۔ جاڑے کے بادل کی طرح تھوڑی دیر نظر آنے کے بعد خود بخود رفع ہوگئی۔ چاروں طرف مسرّت کا چشمہ اُمڈ پڑا۔ کسیٹ کو اب میرئس مل گیا ہے۔ بیچارہ بُوڑھا بلجین اب سٹیج پر

سے باہر چلا گیا۔ نوجوان میرئس نے آکر اُس کی جگہ لے لی۔ اُس کی کمی کو پُورا کر دیا۔ دُنیا کا یہی طریقہ ہے۔ جہان کا یہی قاعدہ ہے۔ کسیٹ تو بچپن ہی سے اپنے آپ کو عجیب و غریب راز دل میں جکڑا ہُوا دیکھتی آ رہی تھی۔ اس لئے اِس نئے انکشاف سے اُسے کچھ تعجّب نہ ہُوا + مگر ان سب باتوں کے باوجود بھی وہ بلجین کو باپ ہی کہہ کر مُخاطب کرتی رہی +

میرئس کی بیقراری

شادی کا دن قریب اور قریب تر آنے لگا۔ دونوں چاہنے والوں کے تعلقات میں روزافزوں ترقی ہونے لگی۔ کسیٹ قریب قریب ہر روز ایک دو دفعہ بلجین کو ساتھ لے کر میرئس کو دیکھنے کے لئے جلز بینڈ کے مکان پر آیا کرتی تھی۔ میرئس کو بھی فکلیونیٹ کی زندگی ایک عقدہ لاینحل نظر آتی تھی۔ مگر اُس کے بشاش چہرے صاف وسادہ گفتگو اور کسیٹ سے بے حد محبت کرتے دیکھ کر اُسے ہمت نہ پڑتی۔ کہ اُس کی زندگی کے راز معلوم کرنے کی کوشش کرے۔

"درحقیقت میں نے میدان جنگ میں فکلیونیٹ کو دیکھا

تھا؟ نہیں۔ نہیں۔ چونکہ میں بہت دنوں تکلیف میں مبتلا رہا ہوں اس لئے میرے دماغ میں فتور آگیا ہے اور اس سے میرا حافظہ بھی خراب ہوگیا ہے"۔

بعض اوقات میرئس دونو ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا کر بیٹھ جاتا اور اس خوفناک میدان جنگ میں جو جو واقعات رُونما ہوئے تھے اُن کو اپنی آنکھوں کے سامنے لانے کی کوشش کرتا مگر اس کی سب کوششیں رائگان ثابت ہوتیں۔

ایک روز میرئس نے چالاکی سے کچھ باتیں معلوم کرنے کا ارادہ کیا جس مقام پر انقلاب پسندوں نے تلوار کے ساتھ لڑائی کی تھی۔ وہ پیرس شہر کی سڑک رو۔ دے۔ لاسان بریری تھی۔ میرئس اپنے ساتھیوں کی معیت میں اسی سڑک پر لڑا تھا اور وہیں گھایل ہُوا تھا۔

اُس نے باتوں ہی باتوں میں فکلیونیٹ سے پُوچھا "آپ رو۔ ڈے۔ لاسان بریری مقام سے کچھ واقف ہیں؟"

"واقفیت کا تو کیا ذکر۔ میں نے پہلی مرتبہ آج تمہاری زبان سے یہ نام سُنا ہے"۔

اب میرئس نے اس سلسلۂ کلام کو طول دینا مناسب

نہ سمجھا۔ اور سوچا کہ یہ میرا وہم ہے۔ میرے دماغ پر چوٹ لگی ہے۔ شاید اُس سے میرا حافظہ خراب ہو گیا ہے۔

مسرت عیش مستقبل کے تصور میں میرئس کے دن مزے سے کٹنے لگے۔ جُوں جُوں شادی کی تاریخ قریب آئی زیادہ جوش وخروش اور شان وشوکت کے ساتھ تیاریاں ہونے لگیں میرئس بڑی بیتابی کے ساتھ اُس مبارک دن کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ میرئس نے اس نازنین کو پاکر گزشتہ واقعات کو اپنے صفحہ دل سے بالکل فراموش کر دیا تھا یا نہیں۔ وہ دو شخصوں کا احسان مند تھا۔ ان میں سے ایک تو تھا تھینارڈیار جس نے اس کے والد کی جان بچائی تھی اور دُوسرا شخص وہ گمنام بہادر تھا۔ جس کی بدولت میرئس نے خود نئی زندگی پائی تھی۔ ان دونوں اشخاص کا پتہ لگانے کے لئے میرئس بے چین تھا۔ تھینارڈیار قانون کی نگاہوں میں مجرم وخطاوار ہُوا کرے۔ سوسائٹی اور کُل دنیا اس پر نفرین بھیجے۔ مگر وہ میرئس کے لئے دیوتا سے کم نہ تھا۔ کیونکہ اُس نے اس کے باپ کی جان بچائی تھی۔ اس نے تھینارڈیار کا پتہ معلوم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مگر اُسے کامیابی

نصیب نہ ہوئی + تھینارڈیار کا کچھ پتہ نہ لگا۔ ادھر باوجود غور
وخوض میرئس کا دل اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکا۔
کہ جس شخص کی بدولت میری جان بچی ہے وہ کون ہے +
میرئس سنے ان دونو کا پتہ لگانے کے لئے بڑی بیتابی و
سرگرمی کا اظہار کیا +

شادی

آج ۱۶ فروری ہے۔ آج ہی رات کو میرئس اور کسیٹ کی شادی سرانجام پائے گی ۔

تمام دن چھم چھم بارش ہوتی رہی مگر شام ہوتے ہی مینہ برسنا بند ہوگیا اور مطلع بالکل صاف ہوگیا ۔

جہان میں ایسا خوش نصیب کون ہے جس کی قسمت میں خوشی ہی خوشی ہو۔ جس کے جام راحت میں تکلیف کا ایک گھونٹ بھی نہ ہو۔

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ دُلھا اور دُلھن کے سروں پر خدا کی لازوال دعائے خیر برس رہی تھی مگر وہ اپنی آیندہ زندگی میں ایک سیاہ گھٹا آتی دیکھ کر کانپ اُٹھے ۔

شادی کے وقت اور دعوت میں کسی نے بلجین کو نہ دیکھا دُلھا اور دُلہن کے سینوں میں آج سرور شادمانی موجزن ہے معلوم ہوتا ہے بلجین کی عدم موجودگی کو کسی نے زیادہ محسوس نہیں کیا + بلجین نے کہلا بھیجا تھا کہ دروازہ بند کرتے وقت میرے داہنے ہاتھ کا انگوٹھا دب گیا ہے۔ بڑی چوٹ آئی ہے۔ اس وقت سخت درد ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر نے ایسی حالت میں چلنے پھرنے سے منع کر دیا ہے۔ اس لئے میں اس مبارک موقع پر نہیں پہنچ سکتا +

جس وقت بڑی دھوم دھام سے کیسیٹ اور میرلُس کی شادی ہو رہی تھی اُس وقت بلجین کیا کر رہا تھا؟۔ بلجین کے دل پر آج چاروں طرف کالی گھٹا چھا رہی ہے۔ پہلے کی نسبت آج وہ بہت زیادہ فکرمند نظر آتا ہے +

بلجین کے کمرے کا دروازہ بند ہے۔ اُس کے سامنے میز پر شمع ٹمٹما رہی ہے۔ وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیٹھا ہے۔ پیشانی پر شکنیں پڑی ہیں۔ اور چہرے پر فکر کے آثار نمایاں ہیں +

یک لخت۔ جیسے کوئی خواب سے چونک اُٹھے۔ وہ کھڑا

ہو گیا۔ جیب سے چابیوں کا ایک گچھا نکالا۔ اور کپڑوں کی الماری کا قفل کھول کر اس میں سے کچھ کپڑے نکال لئے۔ اُن میں ایک لڑکی کا سیاہ مخمل کا ایک جوڑا۔ ایک رومال اور ایک بدنما جوتہ تھا۔ یہ وہ لباس تھا۔ جسے آج سے دس سال پیشتر کسیٹ نے پہن رکھا تھا۔ جس وقت بلجین نے اُسے مونٹ فارمل کی ڈائن کے پنجہ سے رہائی دلائی تھی اُس وقت یہی چیزیں کسیٹ کے تن پر تھیں۔ تمام کپڑے پھٹے پرانے اور ناقابلِ استعمال تھے مگر بلجین نے اُنھیں قیمتی اشیاء کی طرح بڑی احتیاط سے سنبھال کر رکھ چھوڑا تھا۔

اُن کپڑوں کو بلجین نے بار بار چُوما اور پھر اُنھیں بستر پر بچھا دیا۔ اور ٹکٹکی باندھ کر اُن کی طرف تکنے لگا۔

دس سال پیشتر کے فراموش شدہ واقعات اُسے بالکل تازہ۔ کل کی سی باتیں معلوم ہونے لگے۔ اُسے ایسا محسوس ہُوا گویا وہ آٹھ سالہ کسیٹ کی اُنگلی پکڑے مونٹ فارمل سے پیرس کو جا رہا ہے۔ کسیٹ کے چہرے پر آزادی کی خوشی جھلک رہی ہے۔ اس کی بغل میں ایک بڑی گڑیا اور اُس کی جیب میں بلجین کا دیا ہُوا ایک سُنہری سِکّہ ہے۔ لڑکی ہنس

رہی ہے ٭

بوڑھا بلجین بچھونے میں منہ چھپا کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اُس نے آج تک دل کے خلاف بہت سی لڑائیاں لڑی ہیں۔ مگر آج کی کڑی لڑائی اُس کی آخری لڑائی ہے + سب سے پہلے اُس نے سوچا "کسیٹ کو خوشی اور آرام پہنچانا میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔ اور اب میرلُس کے ساتھ شادی ہو جانے سے اُس کی خوشی اور راحت کی کوئی انتہا نہ رہی + میرے دل کی گہرائیوں میں جو آرزو بیتاب رہتی تھی۔ اس کی کونپلیں پھوٹیں۔ پتّے نکل آئے اور وہ میری نظر کے سامنے پھل پھُول گئی۔ تو کیا اب میرے ہی گرم سانس سے لہلہاتی ہوئی بیل مُرجھا کر خشک ہو جائے؟ کسیٹ میرلُس کو چاہتی تھی۔ وہ اُسے مل گیا + میرلُس نے کسیٹ کو پیار کیا تھا۔ اُس پیار کے بدلے میں کسیٹ بھی اُس کے ساتھ پیار کرنے لگی۔ دونوں کی آرزوئیں بر آئیں + علاوہ ازیں انہیں بے پایاں دولت وحشمت مل گئی۔ بلجین کا فرض پُورا ہو گیا۔ آخر یہ لافانی خوشی اور امن کی سلطنت قائم کس نے کی ہے؟ بلجین نے۔ لیکن کیا اس سلطنت کی

حدود کے اندر رہنے کا حق اُسے حاصل ہے؟
ایک روز کیسیٹ بلجین کی تھی۔ آج وہ میرئس کی ہے۔ بلجین نے اپنا جگر گوشہ اپنے ہاتھوں سے نکال کر میرئس کو دے دیا ہے۔ پھر اِس وقت وہ گذشتہ واقعات کی یاد کو تازہ کرنے کی لاحاصل کوشش میں کیوں سرگردان ہے؟
بلجین کو پولیس تلاش کر رہی ہے۔ اُسے سزائے قید مل چکی ہے۔ اور وہ سوسائٹی کی نگاہوں میں ایک ذلیل اور قابلِ نفرت قیدی ہے۔ اور یہ دونو نوجوان صاف دل اور مجسم پاکیزگی ہیں۔ پھر بلجین کو اپنی سیاہ بختی اور اُن کی خوش نصیبی کو ایک ہی زنجیر میں باندھنے کا کیا حق ہے؟ وہ اُن کے پاک صاف ہاتھوں کو اپنے گناہ آلود ہاتھوں سے کیوں چھوئے؟
بلجین نے دیکھا کہ دونو طرف بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ اب بلجین کو کیسیٹ کے ساتھ اپنا رشتۂ اُلفت منقطع کرنا پڑے گا۔ اب اپنے تئیں اور چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اب کسی کو دھوکہ دینے سے چنداں فائدہ

نہ ہوگا۔

بلجین تمام رات اسی آتشِ فکر میں جلتا گھُلتا رہا۔ اُس نے ساری رات بیٹھ کر ہی گذار دی۔ اُس کی آنکھوں سے نیند صاف اُڑ گئی۔ وہ بار بار کسیٹ کے کپڑوں کو چُومتا رہا۔

سینتالیسواں باب

میں کسیٹ کا کون ہوں؟

دوسرے دن دوپہر ہونے سے پہلے بلجین جلز بینڈ کے ہاں میرلس سے ملنے گیا۔ ابھی میرلس سو کر بھی نہیں اُٹھا تھا۔

واسک بلجین کو نشستگاہ میں بیٹھنے کے لئے کہہ کر برن اور بیرونیس پپنیٹ مرسی کو اطلاع دینے اندر چلا گیا۔ میرلس جھٹ آنکھیں ملتا اُٹھ بیٹھا اور باہر آ کر اپنے خسر سے ملاقات کی۔

میرلس بولا "آیئے والد صاحب! کل آپ کی عدم موجودگی سے ہم سب کو بڑا رنج ہوا۔ اب آپ کے ہاتھ کے درد کا کیا حال ہے؟"

بلجین ایک کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گیا اور میرئس کو بھی بیٹھ جانے کا اشارہ کیا ۔

میرئس بعد تعمیل ارشاد بولا۔ "والد صاحب! اب ہم آپ کا کوئی عذر نہیں سنیں گے۔ آپ کو اپنا مکان چھوڑ کر اسی مکان میں آکر رہنا ہو گا۔ آپ کی صحبت سے نانا جان کو بے حد خوشی حاصل ہو گی۔ کسیٹ کو بھی آپ سے علیحدہ رہنے میں بڑی تکلیف ہو گی۔ آپ کو اب میرے ہی مکان میں بود و باش اختیار کرنی پڑے گی"۔

بلجین نے کہا "بیرن پینٹ مرسی! آپ جو عزت مجھے بخش رہے ہیں۔ میں کسی طرح اس کے لائق نہیں۔ میں قید خانہ سے بھاگا ہوا ایک قیدی ہوں"۔

آخر یقین کی بھی تو کوئی حد ہے؟ میرئس اپنے خسر کی اس بات کا کچھ مطلب نہ سمجھ سکا۔ وہ سناٹے میں آ گیا ۔

بلجین نے بائیں ہاتھ سے آہستہ آہستہ اس رومال کو کھول دیا۔ جسے گلے میں ڈال کر اس نے دائیں ہاتھ کو سہارا دے رکھا تھا۔ اس نے انگوٹھے کی پٹی کھول کر کہا۔ "دیکھئے۔ انگلی کی چوٹ صرف ایک بہانہ تھا۔ اس جھوٹ

کا مقصد صرف یہ تھا۔ کہ میں آپ کی شادی سے الگ تھلگ رہوں۔ کیونکہ اگر آپ کی شادی کی سند پر میرے دستخط ہوتے تو اس شادی کا فرضی ثابت ہو جانا ممکن تھا ؎

میبرلس نے گھبرا کر پوچھا "اِس کے کیا معنی ہیں؟"

بلجین نے جواب دیا "اُس کے یہی ہیں کہ میں عدالت سے سزا یافتہ اور مفرور قیدی ہوں" ؎

یہ بات سُن کر میبرلس کو رعشہ آ گیا۔ اُس نے کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ آپ کہہ کیا رہے ہیں؟"

پہلے کی طرح پُر استقلال لہجے میں بلجین نے کہا "مسٹر پلینٹ مرسی! میں اُنیس ۱۹ سال تک جیل خانے میں رہا ہوں۔ اس وقت میں جیل سے بھاگا ہؤا قیدی ہوں" ؎

اگرچہ میبرلس کوشش کر رہا تھا۔ کہ بلجین کی باتوں پر اعتبار نہ کرے۔ اُنہیں مذاق میں اُڑا دے۔ اور اُس کے ثبوتوں کو نہ سُنے۔ تاہم اِس ناخوشگوار صداقت کے روبرو وہ اس طرح کانپ اُٹھا۔ جیسے خوفناک افعی کو سامنے دیکھ کر انسان کانپ اُٹھتا ہے + اُسے اپنی آیندہ زندگی کے صاف مطلع پر ایک چھوٹے سے سیاہ بادل کا سایہ نظر آیا۔ وہ

دیوانہ وار چلاّ اُٹھا "بتایئے۔ جب آپ نے اتنا کچھ بتا دیا ہے تو اب مفصّل حالات سے آگاہ کر دیجئے۔ کیا آپ کسیٹ کے والد ہیں؟"

بلچین نے سر اُٹھا کر متانت آمیز لہجہ میں کہا "جناب! عدالت میں ہماری قسم کی کوئی قیمت نہیں۔ اور مجھے معلوم نہیں آپ میرے قول پر اعتبار کریں گے یا نہیں۔ اگر اعتبار کر سکتے ہیں۔ تو سُنیئے۔ میں خُدا کو حاضر ناظر جان کر سچ کہتا ہوں۔ کہ میں کسیٹ کا باپ نہیں ہوں۔ کسیٹ میری بیٹی نہیں۔ کسیٹ کے ساتھ میرا کسی قسم کا تعلّق نہیں"۔

میرئس نے گو مگو لہجہ میں پُوچھا "اِس کا ثبوت کون پیش کرے گا؟"

بلچین نے جواب دیا "میں ‑ کیا آپ میری بات پر یقین نہیں کرتے؟"

میرئس نے ایک مرتبہ بلچین کو غور سے دیکھا۔ اُس کے چہرے پر متانت برس رہی تھی اور رحم کا جذبہ نمایاں تھا اُس سے غلط بیانی کی امید ہرگز نہ ہو سکتی تھی"۔

میرئس نے کہا "نہیں مجھے آپ کی باتوں کا پورا پورا یقین ہے"۔

بلجین نے میرئس کے جواب سے مطمئن ہوکر یوں کہنا شروع کیا "میں کسیٹ کا کون ہوں؟ اس دنیا کی سڑک پر تھوڑی دیر تک ساتھ جانے والا ہمسفر! دس سال پیشتر مجھے اُس کی ہستی کا علم تک نہ تھا۔ یہ سچ ہے۔ میں اُسے پیار کرتا ہوں۔ مگر وہ پیار وہ محبت کیسی ہے؟ جیسی بیوی بچوں سے محروم بوڑھے آدمی لوگوں کے بچوں کو اپنے بیٹے بیٹیاں سمجھ کر کرتے ہیں + اس بدقسمت اور یتیم بچی کو میری ضرورت تھی۔ میں اُسے پیار کرنے لگا۔ میں خود بھی یہ بتلانے کے ناقابل ہوں۔ کہ کس کشش کے زیر اثر۔ کس پردۂ پندار کے زیر اطاعت میں نے اُسے اپنے سینے میں جگہ دے کر اپنا لخت جگر بنا کر اُس کی غور و پرداخت کی ہے + کچھ عرصہ تک ہم دونوں ایک ہی منزل کے راہرو تھے۔ مگر آج دیکھتا ہوں کہ میرا راستہ جُدا ہے۔ اُس کا راستہ جُدا ہے۔ منزل مقصود بھی دونو کی مختلف ہے۔ میری راہ ایک طرف اور اُس کی راہ دوسری طرف۔ اسی مقام پر ہمیں ایک دوسرے

سے جُدا ہو جانا پڑے گا۔ علیحدگی اختیار کرلینی ہوگی۔ آج سے کسیٹ بیرونیس (کوئنٹس) پینٹ مرسی ہے اور میں آج سے وہی خطرناک ڈاکو بلجین ہوں۔"

بلجین ذرا رُک گیا۔ لمحہ بھر کچھ سوچنے کے بعد کہنے لگا۔ "ہاں۔ یہ چھ لاکھ فرینک کی رقم جو کسیٹ کو شادی پر بطور جہیز دی گئی تھی۔ اُس کے متعلق آپ سے چند باتیں کہنی ہیں۔ مسٹر میرئس! اس رقم میں سے ایک کوڑی بھی ناجائز طریقے سے نہیں کمائی گئی۔ کسیٹ یا آپ اِس کے بارے میں کچھ شک شبہ نہ رکھیں۔ یہ رقم میرے پاس بطور امانت تھی۔ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔ کہ میں آج یہ امانت آپ کو سونپ رہا ہوں۔"

سلسلۂ کلام ختم کرکے بلجین غور سے میرئس کو دیکھنے لگا۔ اس کا مقصد صرف یہی معلوم کرنا تھا کہ اِس انکشاف نے میرئس کے دلی خیالات میں کس قسم کی تبدیلی پیدا کی ہے۔ میرئس چُپ تھا۔ اُس کی زبان بند تھی اُس کی عقل کام نہ کرتی تھی۔ اُس پر سنسنی چھائی ہوئی تھی۔

آخر میرئس نے چونک کر حیرانی سے کہا "آپ یہ باتیں

مجھ سے کیوں کہہ رہے ہیں ؟ میں تو آپ سے کچھ بھی دریافت
نہیں کرنا چاہتا تھا۔ نہ اس راز کے انکشاف یا آپ کے
اقبال کی کوئی ضرورت سمجھتا ہوں + پولیس بھی آپ کا تعاقب
نہیں کر رہی نہ کوئی اور شخص اس راز کو منکشف کر کے آپ
کی بیعزتی کرنے کے درپے ہے۔ تو آپ کیوں ان فضول
باتوں کو سامنے لا کر اپنے تئیں ہماری نگاہوں میں اور دنیا
کی نگاہوں میں حقیر بنانے کی کوشش کر رہے ہیں ؟"

بلجین بولا "مسٹر میرکس ! اس میں شک نہیں پولیس
میرا تعاقب نہیں کر رہی ۔ مگر میرے اپنے ضمیر نے مجھے سخت
عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ میری زلیست کو ناقابلِ برداشت
بنا دیا ہے۔ ضمیر کی سزا انسان کی دی ہوئی سخت ترین
سزا سے بھی ہزار گنا زیادہ سخت ہوتی ہے + ضمیر کی
طاقت غیر محدود ہے ۔ اور اس کی کارروائیاں عجیب و
غریب ہیں + مسٹر میرکس ! آپ ہنسی خوشی زندگی بسر کرنا
چاہتے ہیں۔ تو یہ سمجھنے کی کوشش کبھی نہ کیجئے۔ کہ فرض کیا
چیز ہے۔ جب آپ نے اس کو سمجھ لیا۔ تو یہ آپ کے سر پر
سوار ہو جائے گا + ایسا معلوم ہوگا۔ یہ آپ کو محض اس

لئے سزا دے رہا ہے۔ کہ آپ نے کیوں اُسے سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن نہیں۔ یہ آپ کو اس کا معاوضہ بھی دے گا۔ جس گھڑی آپ اپنے فرض کو پہچان لیں گے اس میں شک نہیں۔ اُسی وقت آپ کو ذاتی آرام و آسایش اور خودداری کی قربانی تو ضرور دے دینی پڑے گی۔ اور رنج و غم اُٹھانے ہوں گے لیکن آپ دیکھیں گے۔ کہ اُس تکلیف میں۔ اُس دُکھ میں کس قدر لاانتہا خوشی۔ کتنا بے پایاں سرور ہے! آپ خُداوند کی گود میں سر رکھ کر حقیقی خوشی کا لطف اُٹھانے کے قابل ہو جائیں گے۔"

بولتے بولتے بلجین کا حلق خشک ہو گیا۔ چند منٹ ٹھہر کر پھر کہنا شروع کیا "مسٹر میریس! جب میں اپنی ضمیر کے ہاتھوں اس قدر تکلیف اُٹھا رہا ہوں تو میں روپوش رہ کر کیوں اپنے آپ کو مزید تکلیف دوں۔ اور آپ لوگوں کو بھی خواہ مخواہ زحمت میں ڈالوں؟..............

فکلیونیٹ نے اپنا نام مُجھے مستعار دے دیا۔ لیکن اسے استعمال کرنے کا مجھے کیا حق ہے؟ وہ اپنا نام دے سکتا تھا۔ لیکن مجھے نہیں لینا چاہئیے؟ میری رائے میں نام

ہیں اور آدمی ہیں چنداں فرق نہیں۔ نام ہی آدمی ہے اور آدمی ہی نام ہے۔ مسٹر میرلس! میں آپ کو کیسے سمجھاؤں۔ کہ تمام عمر ایک جعلی چابی بن کر نیک بندوں کے قفل کھولنا اور اُن سے مِلنا جُلنا۔ مگر کبھی ان سے نظریں چار نہ کر سکنا اور دل ہی دل میں شرم سے پانی پانی ہونا! آہ! کس قدر تکلیف دہ ہے! نہیں۔ نہیں۔ اِس کی نسبت تو یہ بہتر ہے کہ دُکھ اُٹھاؤں۔ آنسو بہاؤں۔ اپنے ہی ناخنوں سے اپنا گوشت نوچوں۔ درد و کرب کی کروٹیں لے کر راتیں گزاروں اور اپنے جسم اور روح کو خود ہی نگل جاؤں۔ یہی وجہ ہے کہ میں آپ کے روبرو تمام حال بیان کر دینے کے لئے آیا ہوں۔

بلجین نے ایک لمبی دکھ بھری آہ بھری اور کہا۔ جسم و جان کا تعلق برقرار رکھنے کے لئے میں نے کبھی ایک روٹی چرائی تھی۔ آج پھر زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے میں کسی کا نام نہ چراؤں گا۔"

میرلس نے قطع کلام کر کے کہا۔ "زندگی کے لئے! جینے کے لئے آپ کو اُس نام کی کوئی ضرورت نہیں۔"

بلجین نے بار بار اپنا سر اُٹھاتے اور جھکائے ہوئے کہا "آہ! میں سمجھتا ہوں"۔

دونو چپ ہو گئے۔ دونو تفکرات میں مبتلا تھے۔ میرئس میز کے پاس ایک کُرسی پر بیٹھا تھا۔ اور بلجین بے قراری سے کمرے میں پھر رہا تھا۔

بلجین پھر کہنے لگا "مسٹر میرئس! معلوم ہوتا ہے اب آپ سمجھ گئے کہ کیوں میں نے اپنے راز کا انکشاف کیا ہے۔ میں دعا دیتا ہوں کہ آپ کی زندگی آرام اور چین سے کٹے۔ جس زنجیر نے آج تک مجھے اس دُنیا کے ساتھ جکڑ رکھا تھا۔ آج وہ زنجیر ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ جس جال میں میں پھنسا ہُوا تھا۔ اُس کی رسّیاں آج کٹ گئیں۔ اس وقت کسیٹ بیرن میرئس کے مکان میں ہے اور خوش ہے۔ آپ اس بات کا خیال نہ کیجئے۔ کہ ایک بدنصیب شخص جس پر کل عالم نفرین بھیجتا ہے کس طرح اپنے دل کی حالت بیان کر کے اپنا فرض پُورا کرتا ہے"۔

میرئس اُٹھ کر بلجین کے پاس گیا اور اپنا ہاتھ بڑھایا مگر بلجین کے ہاتھ نے حرکت نہ کی۔ جب میرئس نے خود اُس

کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا۔ تو اُسے محسوس ہُوا۔ جیسے ایک پتّھر کے سخت ہاتھ کو دبا رہا ہے ؛

میرئیس بولا "میرے نانا کے بہت سے بارسوخ دوست ہیں۔ وہ آپ کو معافی دلا سکتے ہیں"؛

بلجین نے جواب دیا "اس کی کچھ ضرورت نہیں۔ یہ عام طور پر یقین کیا جاتا ہے۔ کہ میں مر چکا ہوں۔ میرے لئے یہ بہت کافی ہے۔ مُردوں کو حراست میں نہیں لیا جاتا۔ موت اور معافی ایک ہی چیز ہے"۔

بلجین نے میرئیس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ اور کہا "میرے دوست! صرف میرا فرض ہے۔ جس سے میری امیدیں وابستہ ہیں۔ اور مجھے صرف ایک ہی معافی چاہئے اور وہ میرے ضمیر کی معافی ہے"؛

وہ چند لمحے خاموش رہا۔ پھر بولا "مسٹر میرئیس! آپ سے میری ایک آخری التجا ہے۔ مانیں گے؟ آپ کسیٹ سے ان باتوں کا ذکر ہرگز نہ کیجئے گا۔ مرد کا دل مضبوط ہوتا ہے۔ وہ سب کچھ برداشت کر لیتا ہے مگر عورتوں کا دل ذرا سی ٹھیس لگتے ہی چُور چُور ہو جاتا ہے۔ اِس وقت میں

یہی سوچ رہا ہوں کہ کیسیدٹ کو یہ حالات معلوم ہوں گے۔ تو اس کے دل پر کیا گذرے گی؟ بچّی کا دل اس صدمہ کو کیسے برداشت کر سکے گا؟"

میریئس نے جواب دیا "یہ راز اور کسی تک نہ پہنچنے پائے گا"

بلجین کچھ دیر تک خاموش رہا۔ پھر بولا "میں نے تقریباً سب باتیں بتلادی ہیں۔ اب صرف ایک آخری بات کہنی باقی رہ گئی ہے۔ وہ یہ ہے۔ اب میرا کیسیدٹ سے ملنا مناسب نہیں۔ آنکھیں انسان کی سب سے بڑی دشمن ہیں۔ مجھ میں اس دشمن کو شکست دینے کی طاقت نہیں۔ تو میرا اس سے بچا ہی رہنا مناسب ہے۔ خدا آپ لوگوں کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے!"

اتنا کہہ کر بلجین دیوانہ وار کمرے سے نکل گیا۔

اٹرتالیسواں باب

قید محبت

بلجین نے رشتۂ محبت منقطع کرکے۔ اپنی آنکھوں سے پردۂ پندار دور کرنے کی کوشش تو کی مگر اُسے کامیابی بھی نصیب ہوئی؟

باب سابقہ میں جن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اُن کے بعد بلجین نے جلز بینڈر کے مکان میں قدم نہیں رکھا مگر وہ کسیٹ کی تصویر کو اپنے دل سے مٹا دینے میں کامیاب نہ ہوا جو آرزو آنکھوں کے ذریعہ بر نہ آئی۔ اب اسے دل کے ذریعے پورا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ کیسٹ کی یاد نے بلجین پر کھانا پینا اور سونا سب حرام کر دیا۔

کبھی کبھی آدھی رات کے سناٹے میں وہ اپنے پلنگ سے

اُٹھ کر دیوانہ وار سڑک پر آجاتا۔ سیدھا جلز بینڈ کے مکان کی راہ لیتا اور اس کے آس پاس کہیں چھپ کر بیٹھ جاتا۔ اور کسیٹ کے خوابگاہ کی کھڑکیوں کی طرف حسرت سے تکتا ٭

صبح کے وقت جب لوگوں کی آمدورفت شروع ہو جاتی۔ اُس وقت بلجبین چوروں کی طرح چھپ چھپا کر واپس چلا آتا۔ جیسے کسی گناہِ عظیم کا ارتکاب کر کے آرہا ہے ٭

اِدھر کسیٹ کی خوش خوش بسر ہو رہی تھی۔ وہ اپنی زندگی کی موجودہ راحتوں اور مستقبل کے خوش خیالوں میں محو تھی۔ اور بلجبین کی یاد رفتہ رفتہ اس کے دل سے فراموش ہوتی جارہی تھی ٭

میرلش کسیٹ کو اپنی زندگی کا شریک اور ہمسفر پاکر بہت خوش تھا۔ مگر دو باتوں کی فکر اُسے رہ رہ کر بے چین کیئے دیتی تھی۔ ایک تو تھینارڈیار کی تلاش اور دوسرے اس شخص کا نام و نشان معلوم کرنا جس نے اُس کی جان بچائی تھی ٭

انکشاف راز
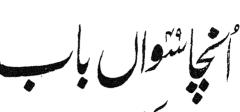
ایک روز شام کے وقت میرئس کھانے سے فارغ ہوکر بیٹھا تھا۔ کہ اُس کے خدمت گار واسک نے ایک خط اُس کے ہاتھ میں لاکر دیا اور کہا "یہ حامل رقعہ نشستگاہ میں بیٹھا آپ کا انتظار کر رہا ہے"۔

خط ہاتھ میں لیتے ہی میرئس کو اس میں سے تمباکو کی بُو آئی۔ بُو کے ساتھ ساتھ اُس کے دماغ میں ایک المناک یاد بھی تازہ ہوگئی۔ طرز تحریر بھی کچھ مانوس سی نظر آئی۔ جنڈریٹ کا کمرہ اُس کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔

میرئس کے بدن میں بجلی کی سی لہر دوڑ گئی۔ جن دو آدمیوں کی تلاش میں میرئس اس قدر حیران و سرگردان ہو رہا تھا۔

معلوم ہوتا ہے خُدا نے اُسے اُن دونو آدمیوں سے مِلا دینے کا انتظام کر دیا + مبیرئس نے جھٹ خط کھول کر پڑھنا شروع کیا ۔ اُس میں لکھا تھا ! ۔

"جناب لی بیرن صاحب !

"اگر خدا کے ہاں ذرا بھی انصاف ہوتا تو آج میں بطور "بیرن تھینارڈ" آپ کی ملاقات کے لئے حاضر ہوتا ۔ لیکن خُدا کی بے انصافی سے آج میں اُس خطاب اور عزّت سے محروم اور صرف تھینارڈ ہوں + خیر ! جس کام کے لئے میں آپ کے پاس آیا ہوں اُس میں میری اور آپ کی دونوں ہی کی بہبودی مضمر ہے ۔ مجھے ایک شخص کے بہت سے پوشیدہ راز معلوم ہیں ۔ اب اُس شخص سے آپ کا نہایت گہرا تعلق ہو گیا ہے ۔ مازِ آسٹنین بن کر اُس نے آپ کے ہاں پناہ لی ہے ۔ ایک روز ضرور کاٹے گا ۔ چنانچہ آپ کو ہوشیار کر دینے کی غرض سے میں آپ سے تھوڑی دیر گفتگو کرنا چاہتا ہوں +

"نیاز مند

تھینارڈ"

خط کے مطالعہ اور اُس کی پیچدار طرز تحریر سے میرئس کے دل میں کچھ شک گذرا۔ اُس نے نوکر کو حکم دیا۔"اُس شخص کو اندر لاؤ"۔

اُس شخص کے اندر آتے ہی میرئس کو کسی قدر حیرت اور کچھ مایوسی ہوئی۔ یہ وہ شخص تو نہیں ہے۔ جس کی بابت وہ سوچ رہا تھا۔ میرئس اِس سے واقف نہ تھا۔ نووارد معمر شخص تھا۔ بال سفید تھے۔ ناک اُٹھی ہوئی تھی۔ آنکھوں پر سبز رنگ کا چشمہ تھا۔ بال لٹک رہے تھے اور اُن سے اُس کی پیشانی کا بالائی حصّہ چھپ گیا تھا۔ وہ سرتاپا سیاہ رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھا اور اُس کے ہاتھ میں ایک پُرانی فیلٹ ہیٹ تھی۔ کمرے میں داخل ہوکر نووارد نے میرئس کو سلام کیا۔ اور ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ میرئس نے اُسے ایک دفعہ سر سے پاؤں تک بغور دیکھا اور پُوچھا۔"تم کیا چاہتے ہو؟"

نووارد نے جواب دیا۔"جناب من! میری چند باتیں سُن لیجئے۔ امریکہ میں پانامہ کے نزدیک ایک گاؤں ہے جس کا نام لجایا ہے۔ اِس گاؤں کے تمام باشندے ایک

ہی مکان میں اکٹھے رہتے ہیں اور اُس گاؤں میں اُس مکان کے سوا اور کوئی مکان نہیں ہے۔ وہ مکان سہ منزلہ اور چوکور ہے۔ اس کے ہر ایک ضلع کی لمبائی پانسو فٹ ہے۔ اُس میں داخل ہونے کے لئے ایک ہی دروازہ ہے اور کھڑکی کوئی نہیں۔ دیواروں میں بہت سے چھوٹے چھوٹے سوراخ ہیں جن میں رات دن بندوقیں لگی رہتی ہیں۔ اس گاؤں کی آبادی آٹھ سو ہے۔ باشندے ہتھیاروں کے استعمال میں خوب ماہر ہیں کیونکہ اُس علاقہ کے آدم خور وحشی (غیر مُہذّب اقوام) خون خوار درندوں سے بھی زیادہ خوفناک ہیں۔ شائد آپ دریافت کریں۔ کہ پھر لوگ وہاں کیوں رہتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں سونا بہت پایا جاتا ہے"

میں اُس زیادہ سُننے کی تاب نہ لاسکا۔ پُوچھا" آپ کا مطلب کیا ہے؟"

نووارد نے جواب دیا" میرا مطلب یہ ہے کہ میرا جی آپ کی اس قدیم تہذیب سے اُکتا گیا ہے۔ اب میں غیر مُہذّب لوگوں میں تقدیر کو آزمانا چاہتا ہوں"

میرئس نے پُوچھا "تمہید ہو چکی۔ اب مطلب پر آئیے"
نوواردبولا "اصلی مطلب یہی ہے۔ کہ میں لاجپیا میں جا کر آباد ہونا چاہتا ہوں۔ میری بیوی ہے۔ اور ایک خوبصورت نیک چلن لڑکی۔ اُنہیں ہمراہ لے جانے کے لئے مجھے بہت سے روپے کی ضرورت ہے"
میرئس نے پُوچھا "تو اِس سے مُجھے کیا؟"
نووارد ذرا ہنس کر بولا "اِس سے معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے میرا خط بغور نہیں پڑھا"
• دراصل بات بھی یہی تھی۔ میرئس نے خط کو صرف ایک سرسری نگاہ سے پڑھ لیا تھا۔ اُس کا مطلب سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔" نووارد کے الفاظ میرے بیوی ہے اور ایک خوبصورت نیک چلن لڑکی" نے اُس کے دماغ پر کچھ روشنی ڈالی۔ میرئس کے دل میں خیال گذرا۔ کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ یہ شخص تھینارڈیار ہی ہے + میرئس بڑے غور سے اُس کی طرف دیکھ کر بولا "آپ کو جو کچھ کہنا ہے مختصر طور پر کہئے"
نووارد کی ذرا ہمت بندھ گئی۔ اُس نے کہنا شروع کیا۔ "جو ارشاد! میں اختصار سے کام لُوں گا۔ آپ کے ایک نہایت

قریبی رشتہ دار کا پوشیدہ ترین راز مجھے معلوم ہے۔ اگر میں اس راز کو منکشف کر دوں۔ تو گورنمنٹ سے اُس شخص کو سزا ملے گی اور آپ کی بھی بےعزتی ہو گی۔ مناسب قیمت ملے تو میں اس راز کو فروخت کرنے کے لئے تیار ہوں"

"میرے ساتھ اُس راز کا کوئی تعلق ہے؟"

"ہے۔ لیکن بہت کم"

"وہ کیا راز ہے؟"

"جناب! آپ نے اپنے مکان میں ایک ڈاکو اور قاتل کو پناہ دی ہے"

میرلس نے حیران ہو کر کہا "میرے مکان میں؟ نہیں"

نووارد بڑی مستقل مزاجی سے بولا "جی ہاں۔ آپ ہی کے مکان میں! ورنہ کیا میں ایسی جھوٹی بات لے کر آپ کے سامنے حاضر ہونے کی جرأت کر سکتا تھا؟ میں جس شخص کے بارے میں ذکر کر رہا ہوں۔ اگرچہ وہ ایک پرانا سزا یافتہ مجرم ہے۔ مگر اُس کے کئی تازہ جرم ایسے ہیں۔ جن کا میرے سوائے دنیا میں اور کسی کو علم نہیں۔ اسی شخص کے متعلق میں آج آپ سے کچھ کہنے آیا ہوں۔ اُس کا نام بھی میں

آپ کو بتاتا ہوں۔ اور اس کا کچھ معاوضہ بھی نہ لوں گا"۔
میرئس نے کہا" اچھا کہو۔ میں سُن رہا ہوں"۔
"اُس شخص کا نام بلجین ہے"۔
"مجھے معلوم ہے"۔
"آپ کو اُس کا نام معلوم ہو سکتا ہے مگر اُس کی خصلت اور اُس کے چال چلن کے بارے میں آپ کچھ نہیں جانتے وہ ایک ڈاکو۔ مفرور قیدی اور سزا یافتہ چور ہے"۔
"مجھے یہ بھی معلوم ہے"۔
میرئس کا یہ خشک اور متانت سے پُر جواب سُن کر نووارد دل ہی دل میں بہت جز بز ہوا۔ اُس کی اِس دلی ناراضگی کی جھلک اُسی لمحہ اُس کے چہرے پر بھی دکھائی دے گئی۔ میرئس نے بھی اُسے دیکھ لیا"۔
اپنے دلی جذبات کو چھپا کر اور مصنوعی ہنسی ہنس کر اُس شخص نے کہا" میں آپ کی تردید نہیں کرنا چاہتا۔ یہ دو راز جو میں نے ظاہر کر دیئے ہیں۔ اِن سے آپ کی ذات کا کوئی خاص تعلق نہیں۔ مگر مجھے اور بھی کئی راز معلوم ہیں جو آپ کو ضرور معلوم ہو جانے چاہیں۔ وہ راز آپ کی بیوی سے

تعلّق رکھتے ہیں ؛

میرئس اس طرح کانپ اُٹھا۔ جیسے اسے سانپ نے کاٹ لیا ؛

نو وارد کی آنکھوں سے بجلی کی طرح ایک تیز چمک دار روشنی کے شعلے نکل کر میرئس کی آیندہ زندگی کے آرام و چین کو جلا کر خاک سیاہ کرنے کی کوشش کرنے لگے ؛

نو وارد بولا "جناب! میں نے اس راز کی قیمت بیس ہزار فرینک رکھی ہے۔ اور اسے فروخت کرنے کے لئے سب سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اگر آپ اس قیمت پر اُسے نہ خریدیں گے۔ تو مجھے کوئی دوسرا خریدار تلاش کرنا پڑے گا"

میرئس نے کہا "جو کچھ تم کہوگے۔ مجھے معلوم ہے" ؛

نو وارد پھر ہنس کر بولا "آپ کو اور سب کچھ معلوم ہوسکتا ہے۔ مگر ایک بات جو میں آپ سے کہنے والا ہوں۔ اُسے میرے سوا دُنیا میں اور کوئی نہیں جانتا" ؛

میرئس نے اُس کی طرف غور سے دیکھا اور کہا "تم نے دیکھ لیا کہ بلجین کے متعلق تم جو کچھ کہنے آئے تھے وہ

مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا۔ میری بیوی کی نسبت جو کچھ تم کہنا چاہتے ہو وہ بھی مجھے معلوم ہے۔ اور سنو۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم کون ہو"؟

نووارد بولا "یہ تو کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ اپنا نام تو میں نے خط میں ہی لکھ دیا تھا۔ میرا نام تھینارڈ ہے"۔

میرئس نے کہا "تھینارڈ نہیں۔ تمہارا نام تھینارڈیار ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ تم ہی مزدور جنڈریٹ ہو۔ تم ہی ڈرامہ نویس فیاوانٹے ہو۔ تم ہی شاعر ژینیفو۔ تم ہی میڈیم بلزرڈ اور تم ہی مونٹ فارمل کے ہوٹل کے مالک بھنڈاری کے سردار۔ احسان فراموش۔ بیدرد ظالم تھینارڈیار ہو"؟

"آپ غلطی کرتے ہیں"۔

ہرگز نہیں۔ میں تمہیں خوب پہچانتا ہوں۔ بدمعاش! لے یہ اپنی بدمعاشی کی قیمت!"

یہ کہہ کر میرئس نے ایک چھوٹی الماری کھولی۔ اس میں ہاتھ ڈال کر اُسے جتنے نوٹ مل سکے بغیر دیکھے بھالے اُنہیں نکال لیا اور نووارد کے مُنہ پر دے مارے۔ اُس نے نوٹ جھٹ اُٹھا لئے اور گن کر دیکھا تو پانسو فرینک

کے تھے + اُنھیں آہستہ آہستہ جیب میں رکھتا ہُوا تھینارڈیار
شیریں لہجہ میں بولا "صرف پانسو فرینک اخیر جناب!
آپ اِس قدر ناراض نہ ہوں۔ پہلے میری باتیں سُن لیں۔
بعد میں میرے بارے میں جو سمجھ میں آئے کیجئے"+

اِس کے بعد نووارد نے بندر کی طرح تیزی سے نقلی
بالوں کو اُتار دیا۔ ناک پر سے چشمہ اُتار کر جیب میں ڈال
لیا اور مُنہ پر سے مصنوعی چہرہ بھی ہٹا دیا + اب اُس کی اصلی
صورت نکل آئی۔ سانپ کی سی سیاہ روشن آنکھیں۔ کشادہ
پیشانی۔ عقاب کے مانند ناک اور اُس کا سفاک اور شرارت
آمیز چہرہ نظر آنے لگے +

میریس نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی بدمعاش
تھینارڈیار عُرف جنڈریٹ ہے +

تھینارڈیار بھیس بدل کر میریس سے کچھ اینٹھنے آیا
تھا۔ مگر اپنی چال سے آپ ہی مات ہو گیا + ٹھگنے آیا تھا
میریس کو اور خود ہی ٹھگا گیا۔ تھینارڈیار ٹھگا گیا سہی۔ مگر
پھر بھی اُس نے اپنے تئیں نفع میں سمجھا + جو رقم اُسے میریس
سے ملی۔ اُسے اس نے اپنی ذلت، اور نا امیدی کی قیمت

سمجھ لیا + اس طرح یکایک پکڑے جانے پر اُسے بڑا تعجب ہوا - اسے بہت تعجب ہو رہا تھا - کہ بیرن پینٹ مرسی نے تو پہلے مجھے کبھی دیکھا نہیں تو پھر اُس نے مجھے پہچان کس طرح لیا ؟

ناظرین کو یاد ہو گا کہ اگرچہ تھینارڈیار عرف جنڈریٹ بہت مدت تک میرئس کے ساتھ کے کمرے میں رہتا رہا - مگر تھینارڈیار میرئس کی صورت تک سے آشنا نہ تھا - اور رد شناس ہونے کی اُسے کوئی ضرورت بھی نہ تھی + جب کبھی ضرورت پڑتی - اس کی دونوں بیٹیاں جا کر میرئس سے مل آتیں + خود تھینارڈیار نے اپنی آنکھوں سے میرئس کو کبھی نہیں دیکھا - اس بات کا اُسے گمان بھی نہیں گذر سکتا تھا کہ میرئس اور بیرن پینٹ مرسی دو نو در حقیقت ایک ہی شخص ہیں یہی باتیں اُس کی حیرت کا موجب تھیں ⁂

جب میرئس تھینارڈیار کا مُنہ بند کرنے میں کامیاب ہو گیا - تو اُسے کچھ خوشی حاصل ہوئی + وہ تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا :- تھینارڈیار ! میں نے تمہارا اصلی نام تمہیں تبلا دیا اب کیا تم یہ بھی سننا چاہتے ہو - کہ تم کون سارا از فروخت

کرنے کے لئے یہاں آئے ہو؟ اچھا او سنو۔ تم مجھ سے کہنے آئے ہو کہ بلجین ایک نامی ڈاکو اور جعل ساز ہے کیونکہ وہ مسٹر ماڈلن کے نام کا جعل کر کے لافیٹ بنک سے ماڈلن کا جمع کیا ہُوا تمام روپیہ اُڑا کر بھاگ گیا ہے۔ اور گذشتہ فرانسیسی انقلاب کے دوران میں اُس نے پولیس اِنسپکٹر جابرٹ کا خون کیا ہے۔"

تھینارڈیار نے ہنس کر کہا۔ "جناب! آپ کی یہ دونو معلومات غلط ہیں۔ یہ بات میں فوراً ثابت کر سکتا ہوں بلجین کتنا ہی ذلیل کیوں نہ ہو مگر وہ فریبی (جعل ساز) نہیں ہے۔ اس بات کا سچ ہونا ناممکن ہے۔ کہ بلجین ماڈلن کے جعلی نام کی مدد سے بنک سے اس کا روپیہ لے گیا ہے۔ کیونکہ بلجین خود ماڈلن ہے۔"

"ناممکن!"

"میں ابھی آپ کے سامنے اس امر کا ثبوت پیش کرتا ہوں آپ کی دوسری بات بھی غلط ہے۔ کیونکہ جابرٹ نے خودکشی کی ہے۔ اور خودکشی کا معاملہ عدالت کے روبرو اچھی طرح پایہ ثبوت کو پہنچ گیا ہے۔"

یہ کہہ کر تھینارڈیار نے اپنے کوٹ کی بڑی جیب میں سے بادامی رنگ کے کاغذ کا ایک پلندہ نکالا۔ اس پلندے میں سے دو اخباروں کے پرانے پرچے نکالے۔ ہمارے لئے یہ بتلانا مشکل ہے کہ کتنی مدت سے یہ اخبار اس کی جیب میں پڑے تھے۔ دونو ہی اخبار میلے اور پرانے تھے۔ اور ان میں سے تمباکو کی بو آ رہی تھی۔ ان میں سے ایک تو اخبار "ڈراپو بلاگ" کا ۲۵ر جنوری ۱۸۲۳ء کا پرچہ تھا۔ اس کے خبروں کے کالم میں یہ درج تھا۔ کہ سزا یافتہ مجرم اور مفرور قیدی بلجین اور نقلی چوڑیوں کے موجد کروڑپتی تاجر۔ ایم سر ایم کے میئر مسٹر ماؤلن دونو ایک ہی شخص ہیں۔

دوسرا پرچہ اخبار "منٹیار" کا ۱۵ر جون ۱۸۳۲ء کا پرچہ تھا۔ اس کے ایک کالم میں جابرٹ کی خودکشی کی کہانی درج تھی۔

اب میرئس کو یقین ہو گیا کہ تھینارڈیار نے اس بارے میں جو کچھ کہا ہے ٹھیک ہے۔ اور یہ کہ جو کچھ اس کا ذاتی خیال تھا وہ غلط ہے۔ اپنی سرگذشت سنا کر بلجین میرئس کی آنکھوں میں جس قدر حقیر ہو گیا تھا اب اس راز کے انکشاف

سے اُسے اُتنی ہی بلند جگہ اور قدر و منزلت حاصل ہو گئی۔
میرئس نے بآواز بلند کہا "تو در حقیقت یہ بہت عجیب و غریب شخص ہے۔ کسیٹ کو جہیز میں جو اتنی گراں بہا رقم اُس نے دی ہے وہ معلوم ہوتا ہے اُس کی اپنی کمائی ہوئی ہے! بلجین ماؤلن ہے! ایک تجارت کا بانی۔ بیکسوں اور غریبوں کا حامی۔ مصیبت زدوں کی پناہ! اسی بہادر نے انقلاب پسندوں کے ہاتھ سے جابرٹ کی جان بچائی تھی! وہ سچا بہادر ہے! ایک فرشتہ ہے!"
تھینارڈ بولا "لیکن بلجین بہادر نہیں۔ فرشتہ بھی نہیں۔ وہ ایک خونی۔ ایک نامی ڈاکو ہے!"
میرئس نے کہا "چالیس سال پیشتر غریب بلجین نے پیٹ کی خاطر ایک روٹی چرائی تھی۔ اور تمام عمر اُس نے غریب کمزور اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کر کے بے حد ایثار نفسی دکھلائی ہے۔ کیا اِس نے اُس گناہ کا کفارہ ادا نہیں کر دیا؟"
تھینارڈیار بولا "میں اُس روٹی کی چوری کا ذکر نہیں کرتا۔ میں جس واقعہ کا ذکر کر رہا ہوں وہ ابھی حال ہی کا ہے بلجین

کے ہاتھوں کا خون ابھی اچھی طرح خشک بھی نہیں ہونے
پایا۔ پولیس کو اس واردات کا پتہ نہیں لگا۔ دُنیا اِس گناہ
کی کہانی سے بے خبر ہے۔ اِسے جانتا ہے صرف ایک
شخص اور وہ میں ہوں۔ جناب عالی! خون کبھی چھپایا نہیں
جاسکتا۔ گناہ کبھی چھُپ نہیں سکتا۔ جلد یا دیر خون کا پتہ
ضرور لگ جاتا ہے۔ اس وقت آپ کو معلوم ہوگا کہ جس روپے
کا لالچ دے کر بلجین نے چالاکی سے آپ کے ساتھ تعلق پیدا
کیا ہے۔ وہ تمام روپیہ ڈاکہ زنی کا ہے۔ اور خون کرکے حاصل
کیا گیا ہے۔ اُس کے بارے میں مجھے جو جو باتیں معلوم
ہیں۔ وہ سب آپ کے سامنے بیان کردوں گا۔ یہ آپ کی
مرضی پر منحصر ہے۔ کہ آپ مجھے اِس کے لئے انعام دیں
یا نہ دیں۔ آپ بڑے آدمی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ مجھے
میرے حق سے محروم نہیں رکھیں گے۔ آپ اِس وقت یہ
دریافت کرسکتے ہیں کہ میں بلجین کے پاس کیوں نہیں جاتا۔
اس کا جواب صرف یہی ہے۔ کہ جو کچھ مال و متاع اُس کے
پاس تھا۔ وہ تمام اُس نے آپ کو دے دیا۔ اگر میں اُس کے
پاس جاؤں گا۔ تو وہ مجھے خالی ہاتھ پھیر دے گا۔ اِس لئے

میں بجائے اُس کے پاس جانے کے آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا ہوں + جناب ایس بہت کمزور ہوں۔ میں بیٹھ جاؤں؟"

میرلس نے تھینارڈیار کو بیٹھنے کو کہا۔ اور خود بھی ایک کُرسی پر بیٹھ گیا +

تھینارڈیار نے بہت متانت سے اپنی کہانی یوں کہنی شروع کی "بیرن صاحب! معلوم ہوتا ہے ۵۔ جون ۱۸۳۲ء کا واقعہ آپ کو یاد ہے"

دنیا کی تاریخ میں انقلاب فرانس کی کہانی بہت موٹے حروف میں لکھی جائے گی۔ ۶۔ جون کو رات کے وقت ایک بدنصیب شخص پیرس کے نیچے ایک نالے میں پناہ لینے پر مجبور ہوا تھا"+

میرلس نے اپنی کُرسی کھینچ کر تھینارڈیار کے قریب کر لی۔ اور خوب توجہ سے اُس کی باتیں سُننے لگا۔ تھینارڈیار نے دل میں سمجھا کہ وار ٹھیک پڑا+ جس طرح کوئی فصیح اور قابل مقرر تقریر کے دوران میں کبھی کبھی ٹھہر کر یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہے کہ حاضرین پر اس کی تقریر کا اثر ہو رہا ہے یا نہیں۔ اور وہ اس کا لطف اُٹھا رہے ہیں یا نہیں۔

اُسی طرح تھینارڈیار نے ایک مرتبہ میریئس کو دیکھ کر پھر اپنی کہانی چھیڑی۔ "جناب! ایک قسمت کا مارا بدنصیب شہر کو چھوڑ کر نالے میں اپنا گھر بنانے اور پناہ ڈھونڈھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ دو پہر رات گذرے اس نالے میں ایک دوسرے شخص کو دیکھ کر اُسے بڑا تعجّب ہُوا۔ اُس نووارد کا سارا بدن خون سے لت پت تھا اور کپڑے کیچڑ میں بھیگے ہوئے تھے۔ اُس کے کندھے پر ایک لاش تھی اور وہ لاش زخموں سے چھلنی ہو رہی تھی۔ نووارد خوفزدہ تھا اور بہت آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ نالے میں رہنے والے شخص نے سمجھ لیا کہ زر کے لالچ سے اس شخص نے خون کیا ہے اور اب لاش کو دریائے سین کے حوالے کرنے جا رہا ہے تاکہ اس گناہ کی شہادت باقی نہ رہے۔ اور اُس کا نام ونشان تک صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔"

میریئس نے اپنی کرسی تھینارڈیار کے اور بھی قریب کر لی۔ اور بہت غور سے اُس کی باتیں سُننے لگا۔

تھینارڈیار نے سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ "جناب! راستے کے نیچے کا نالہ شاہی سڑک تو ہے ہی نہیں۔ کہ کوئی ایک

دوسرے کی آنکھ بچا کر بھاگ جائے۔ دونو چل دیے۔ نو وارد نے کہا۔ "اس بوجھ کی طرف دیکھو جو میرے کندھے پر ہے مجھے اس خوشنما پنجرے سے باہر نکلنا ہے ۔ براہ مہربانی مجھے باہر نکال دو۔" جناب! اس شخص کا مہیب چہرہ دیکھتے ہی نالے میں رہنے والے کا خون خشک ہو گیا۔ اُس نے سوچا۔ اگر اسے چابی نہیں دیتا۔ تو یہ اپنی طاقت سے زبردستی چھین لے گا۔ مگر اس خیال کے باوجود بھی اُس نے بہانے بنانا شروع کر دیئے۔ اور اس اثنا میں مقتول کے کوٹ کے پچھلے حصّہ سے تھوڑا سا کپڑا کاٹ لیا۔ اُس نے سوچا۔ اِسی ثبوت کی مدد سے قاتل کو قانون کے شکنجہ میں کسواؤں گا۔ پھر اُس نے آہستہ آہستہ جا کر قفل کھول کر قاتل کو نالے سے باہر کر دیا اور خود بھی وہاں سے چلا گیا۔ وہ نو وارد اور کوئی نہیں۔ بلجین ہے اور نالے میں رہنے والا شخص آپ کے سامنے بول رہا ہے۔ یہ دیکھئے۔ کہ وہ کپڑے کا ٹکڑا آپ کو دکھاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر تھینارڈیار نے اپنی جیب سے سیاہ بانات کا ایک ٹکڑا باہر نکالا۔ ٹکڑا میلا تھا اور اس پر بہت سے

داغ دھبّے لگے ہوئے تھے۔ تھینارڈیار نے اس ٹکڑے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر میرئس کی آنکھوں کے سامنے کر دیا۔ میرئس اُٹھ کر کھڑا ہُوا۔ اُس کے چہرہ کا رنگ فق تھا۔ ایسی حالت تھی جیسے سانس بھی مشکل سے لے رہا ہے۔ اس کپڑے کے ٹکڑے پر اُس کی ٹکٹکی بندھ گئی۔ وہ چپ چاپ وہاں سے چلا گیا۔ اور ایک الماری کھولی۔

تھینارڈیار بولا "جناب! مقتول کسی غیر ملک کا باشندہ بڑا دولت مند شخص تھا۔ اور اُس کے پاس اُس وقت بیشمار روپیہ تھا۔ اسی روپیہ کو اڑانے کے لئے بلجین نے اُسے قتل کیا۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں"۔

میرئس نے الماری میں سیاہ بانات کا ایک پُرانا کوٹ نکالا۔ اور اُسے تھینارڈیار کے سامنے رکھ کر بولا "میں ہی وہ نوجوان ہوں جسے بلجین نے قتل کیا تھا۔ یہ دیکھو وہ کوٹ جو اُس وقت میں پہنے ہوئے تھا"۔

میرئس نے آہستہ آہستہ کوٹ کو میز پر بچھا دیا۔ پھر تھینارڈیار کے ہاتھ سے وہ ٹکڑا لے کر اُس جگہ رکھ دیا۔ جہاں سے کوٹ پھٹ رہا تھا۔ ٹکڑا اس جگہ پر ٹھیک بیٹھ گیا۔

تھینارڈیار کے توکاٹو .تو لہو نہ تھا۔اب وہ وہاں سے بخیریت نکل جانے کی ترکیب سوچنے لگا۔

میرئیس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ایک ہزار پانسو فرینک کے نوٹ نکال کر بڑے غصے سے تھینارڈیار کے منہ پر دے مارے۔اور کہا۔"بدمعاش! ٹھگ! دوسروں کی مذمت کرنے والے! تو جسے قصوروار ثابت کرنے آیا تھا۔خدا نے اسے بیگناہ ثابت کر دکھایا۔تو ڈاکو ہے۔تو ہی قاتل ہے تو ہی احسان فراموش حیوان ہے۔تھینارڈیار! جنڈریٹ! میں تجھے خوب پہچانتا ہوں۔مجھے تیری سب کرتوتیں معلوم ہیں۔تیرے بارے میں مجھے جو جو باتیں معلوم ہیں۔اگر انہیں ظاہر کردوں۔تو تجھے عمر قید کی سزا بھگتنی پڑے۔محض یہی نہیں بلکہ تجھے پھانسی تک کی سزا مل سکتی ہے۔یہ لے او گنہگار! روپیہ کی خاطر تو نے اتنے برے کام کئے۔لے روپیہ!"

میرئیس نے ہزار فرینک کا ایک اور نوٹ لے کر تھینارڈیار کے آگے پھینک دیا۔اور بلند لہجہ میں کہا۔تھینارڈیار جنڈریٹ! اس کے باوجود بھی تجھے سبق نہیں

ملا؟ روپے ہی میں راحت ہے؟ روپیہ ہی خوشی ہے؟ روپیہ ہی اطمینان قلب ہے؟ نہیں یہ بات نہیں۔ خوشی کا انحصار دل پر ہے۔ اور چین اطمینان پاک صاف ضمیر سے حاصل ہوتا ہے۔ اے شریر راز فروش اسے پانسو فرینک اور لے لے۔ واٹرلُو کی مقدس یاد نے آج تجھے بچا لیا"۔

تھینارڈیار نے حیران ہو کر کہا "واٹرلُو!"

میریس بولا "ہاں واٹرلُو! قاتل! واٹرلُو کے میدان جنگ میں تُو نے ایک کرنیل کی جان بچائی تھی"۔

تھینارڈ "کرنیل کی نہیں۔ جرنیل کی"۔

میریس "جرنیل کی نہیں۔ کرنیل کی۔ اگر وہ جرنیل ہوتا۔ تو میں ایک کوڑی دے کر بھی تیری امداد نہ کرتا۔ بدمعاش! دُنیا میں جس قدر گناہ ہو سکتے ہیں وہ سب تُو کر چکا ہے۔ اب پھر از سرِ نو زندگی شروع کر۔ یہ تین ہزار فرینک اور لے۔ کل صبح ہی اپنی بیٹی کو لے کر امریکہ کو روانہ ہو جا۔ جھوٹے! میں جانتا ہوں۔ بہت مدت ہوئی۔ تیری بیوی مر چکی ہے۔ ممکن ہو تو وہاں پہنچ کر بدی کی راہ چھوڑ۔ نیکی کی راہ اختیار کر کے شریفانہ زندگی بسر کر۔ اور اگر تجھے یہ پسند

نہ آئے۔ تو جا کر پھانسی پر چڑھ جا۔ تیرے امریکہ پہنچنے کی خبر پا کر میں اپنے نیویارک کے بینکر کو لکھوں گا کہ وہ تجھے بیس ہزار فرینک اَور دے دے۔ جا میرے سامنے سے دُور ہو جا"۔

میرئس کو سلام کر کے تھینارڈ کمرے سے باہر نکل آیا۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔ کہ یہ ہو کیا گیا۔ دو روز کے بعد وہ نام تبدیل کر کے اور اپنی بیٹی کو ساتھ لے کر عازم امریکہ ہو گیا۔ اور نیویارک کے بینکر سے ۲۰ ہزار فرینک کی رقم وصول کر لی۔ اس کے چال چلن میں اصلاح ہونی ناممکن تھی۔ وہ جیسا یُورپ میں تھا۔ ویسا ہی امریکہ میں رہا۔ میرئس کے دیئے ہوئے روپیہ سے اُس نے غلاموں کی تجارت شروع کر دی!

تھینارڈیار کے کمرے سے نکلنے کی دیر تھی کہ میرئس دوڑ کر کیسیٹ کے پاس گیا۔

پچاسواں باب

عہدِ رفتہ کی یاد

آج پُورنماشی کی رات ہے۔ شام کا کھانا کھا کر کسیٹ چاندنی میں باغ میں ٹہل رہی ہے۔ جس طرح باہر اُس کے اِرد گرد روشنی۔ خوشبو اور مسرت و شادمانی ہے۔ اُسی طرح اُس کا دل بھی ان چیزوں سے معمور ہے۔ کسیٹ کی دلی تمنّا بر آئی۔ اب اُسے تکلیف کیا ہے؟ کمی کس چیز کی ہے؟

اُس کے دل کو صرف ایک ہی بات کی تکلیف ہے۔ اور وہ ہے بلجین کی طبیعت میں غیر معمولی تبدیلی۔ وہ بارہا سوچتی۔ کہ جس والد کو میرا ایک منٹ کے لئے نظر سے اوجھل ہوجانا ناگوار گزرتا تھا۔ آج اُنہوں نے اپنے دل سے ساری محبّت یک قلم دور کر دی؟ بسا اوقات وہ تنہائی

میں بیٹھ کر یہی بات سوچا کرتی۔ سوچتے سوچتے اُس کی آنکھیں آبگوں ہو جاتیں۔ مگر وہ اِس خیال سے کچھ نہ بولتی کہ کہیں شوہر کے دل میں کوئی اور خیال نہ گذرے ۔

میرنُس دوڑا دوڑا اندر گیا۔ اور کسیٹ کو جوش سے چوم کر بولا " کسیٹ! اتنی مُدت کے بعد آج پتہ لگا کہ اُس پُرخوف وخطر میدان جنگ میں مجھے موت کے مُنہ سے کس نے بچایا تھا۔"

کسیٹ نے بیتابانہ انداز سے پُوچھا "کس نے بچایا تھا؟"

میرنُس نے جواب دیا " تمہارے والد نے کسیٹ! وہ میرے بھی والد ہیں۔ اُنہی کی عنایت سے آج میں زندہ ہوں۔ اُنہیں کی مہربانی سے میں تمہیں پا سکا۔ اور بھی سنو کسیٹ! تمہارے جہیز کا سب روپیہ اُن کا اپنی محنت سے کمایا ہُوا ہے۔ اُنہوں نے وہ سب تمہیں دے دیا ہے۔ کیا روئے زمین پر کوئی ایسا فراخ دل عالی حوصلہ شخص اور بھی ہے؟ اور ایک ہم ہیں کہ شکر گذاری یا احسان مندی تو دُور رہی کبھی جا کر اُن کی خبر تک نہیں لیتے۔ آؤ پیاری کسیٹ!

چلو ہم دونوں اُن کے پیروں میں گر کر اُن سے معافی مانگیں !"

باغ کے پہلو سے ہو کر جو سڑک گذرتی تھی۔ اُس پر ایک کرایہ کی گاڑی خالی چلی جا رہی تھی +

میرئس نے کوچوان کو گاڑی روکنے کو کہا۔ اور کسیٹ کا ہاتھ پکڑے دوڑ کر گاڑی میں سوار ہو گیا + اُس نے کوچوان سے کہا " نمبر ۶ رو دسے لاہوم لارم ! جلدی پہنچا دو گے تو ڈبل کرایہ انعام !"

گاڑی میں سوار ہو کر میرئس نے کسیٹ سے کہا " اب میں سب سمجھ گیا۔ تم نے کہا تھا۔ کہ گوورک نے تمہیں میرا خط نہیں دیا تھا۔ یقیناً وہ خط تمہارے والد کے ہاتھ میں پڑ گیا ہو گا۔ اُس خط کو پڑھتے ہی وہ میری جان بچانے کے لئے میدان جنگ کی طرف دوڑ پڑے ہوں گے + اُنہوں نے مجھے لقمہ اجل بننے سے بچا لیا۔ اُنہوں نے مجھے موت کے منہ سے کھینچ کر نکال لیا۔ کس لئے۔ پیاری کسیٹ! تم کو مجھے دینے کے لئے + ذرا خیال تو کرو۔ اس بدبودار سڑے ہوئے نالے میں وہ مجھے اُٹھا کر لے گئے۔ کسیٹ! اب ہم اُن کی کوئی بات نہ سُنیں گے۔ اب ہم دونوں زبردستی اُنہیں اُس

مکان سے اپنے ہاں لے آئیں گے۔ اور ساری عمر اُن کی خدمت کریں گے"۔

گاڑی آکر بلجبین کے مکان پر رُک گئی۔ کسیٹ کو لے کر میرئس گاڑی سے اُترا۔ اور خادمہ سے دریافت کیا۔

"آقا کہاں ہیں؟"

خادمہ نے جواب دیا "اُوپر۔ اپنی خواب گاہ میں ہیں وہ بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ آج تقریباً ایک ماہ سے کھانا اور سونا چھوڑ رکھا ہے۔ ایسا نظر آتا ہے کہ اب وہ بہت عرصہ زندہ نہیں رہیں گے"۔

نوکر کی باتیں سُن کر کسیٹ کانپ اُٹھی ÷

اِکاونواں باب

چراغ گُل!

میرئس نے بلجین کی خواب گاہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے ہلکی آواز میں بلجین بولا "کون ہے؟ اندر آجایئے"۔

دروازہ کھول کر میرئس اور کیسیٹ کمرے میں داخل ہوئے۔ میرئس چُپ چاپ دروازے پر کھڑا رہا اور کیسیٹ ننھی سی بچّی کی طرح جا کر بلجین کے سینے سے لپٹ گئی۔

بلجین ایک آرام کُرسی پر لیٹا ہُوا تھا۔ اُس کے دونو بازو کُرسی کے بازوؤں پر پھیلے ہوئے تھے اُس کا بدن کمزور و نحیف اور اُس کا چہرہ زرد تھا۔ مگر اُس کی آنکھوں

میں ایک عجیب خوشی چمک رہی تھی ؎
بلجین نے کہا "کسیٹ! آ گئی۔ خداوندا تیرا شکر ہے!"
طغیانی کے زور سے بندھ ٹوٹ گیا۔ کسیٹ بلجین کے سینہ پر مُنہ رکھ کر رونے لگ گئی ؎
اور میرئس! وہ بے حِس و حرکت کھڑا کسیٹ کے دلی جذبات کا جوش دیکھنے لگا۔ اُس کے دل کی حالت بھی ایسی تھی۔ جیسے برسنے کے لئے تیّار بادل ہو ؎
بھرّائی ہوئی آواز سے میرئس بولا "ابا جان!"
بلجین نے بہت ہلکی آواز میں کہا "آؤ بیٹا! تم بھی ہو؟"
میرئس نے بلجین کے پیروں کے پاس بیٹھ کر بھرائی ہوئی آواز سے کہا "ابّا جان! میں سراسر خطاوار ہوں۔ مجھے معاف کیجئے" ؎
بلجین بولا "قصوروار میں ہی ہوں۔ تم مجھے ملنے آئے ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے مجھے معاف کر دیا" ؎
میرئس نے کہا "سُنا کسیٹ! اس فرشتے نے اپنی جان کی پروا نہ کر کے اُس پر خوف و خطر میدانِ جنگ سے مجھے بچایا۔ میرے دل کی دیوی جس کی میں اتنی مدّت

تک پرستش کرتا رہا تھا مجھے عطا کر دی! اپنی ساری زندگی کی کمائی مجھے اور تمہیں بلا پس و پیش دے ڈالی۔ قصور اُن کا ہے۔ ہم احسان فراموش حیوانوں کا نہیں ہے!"

بلجین نے آہستہ سے کہا۔ چُپ چُپ! ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟"

میرئس بولا "آپ نے یہ سب باتیں ہمیں بتلائی کیوں نہیں؟ آپ لوگوں کی جانیں بچاتے ہیں اور انہیں بتلاتے تک نہیں۔ بتانا تو ایک طرف اپنی صفائی پیش کرنے کے بہانے سے اپنی مذمت بھی کرتے ہیں"۔

بلجین نے جواب دیا "میں نے سچ کہا تھا"۔

میرئس نے جواب دیا "سچ تو تمام حقیقت ہے اور آپ نے سب کچھ نہ بتایا۔ آپ مسٹر ماڈلن تھے آپ نے یہ کیوں نہیں بتلایا؟ آپ نے جابرٹ کی جان بچائی تھی۔ یہ کیوں نہیں کہا؟ آپ ہی کی بدولت میں آج زندہ ہوں۔ یہ بات آپ نے کیوں نہیں بتائی؟"

بلجین بولا "اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ میں بھی تمہارا ہی ہم خیال تھا۔ میں نے دیکھا تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ یہ

ضروری ہے کہ میں بالکل الگ رہوں۔ اگر تمہیں وہ نالے والا واقعہ معلوم ہوتا۔ تو تم مجھے اپنے ساتھ رہنے کے لئے مجبور کرتے۔ اِس لئے میں نے اُس کا ذکر تم سے نہ کیا"۔

میرٹس نے کہا "تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اب آپ یہاں ہی رہیں گے؟ نہیں۔ اب ہم آپ کی ایک نہ سُنیں گے۔ ہم آج ہی آپ کو اپنے مکان پر لے جائیں گے۔ اس مکان میں نہ رہنے دیں گے"۔

بلجین نے ایک لمبی آہ بھری اور ہنس کر بولا "معلوم ہوتا ہے میں آج ہی اس مکان کو چھوڑ دوں گا۔ لیکن ہمیشہ کے لئے۔ چند روز کے لئے نہیں"۔

کسیٹ ٹکٹکی باندھے بلجین کے چہرہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بلجین کی باتوں کا مطلب اُس کی سمجھ میں نہ آیا۔ وہ خاموش بیٹھی رہی گویا گونگی تھی۔ آنسوؤں کے دو قطرے بلجین کی آنکھوں کے کونوں پر چمک رہے تھے گویا اُس کی جان پگھل کر اور دو سفید آب دار موتی بن کر اس کی آنکھوں میں آگئی ہے۔

بلجین نے کہا "آج میں اس مقام پر کھڑا ہوں جہاں

زندگی اور موت کا سنگم ہوتا ہے۔ اور اس حیثیت کو محسوس کر رہا ہوں۔ کہ خدا محبت کا سرچشمہ ہے + مسٹر پیرلیس جس وقت آپ لوگ اس کمرے میں داخل ہوئے ہیں۔ اس سے ذرا ہی پہلے میرے تمام حواس ایک مرکز پر جمع ہو گئے تھے۔ اس اجتماع سے ایک صاف و شفاف روشنی کی شعاعیں پیدا ہو رہی تھیں + میں نے اس روشنی میں کیا دیکھا! — بہشتی نور کا لازوال خزانہ۔ میری کسیٹ!

مسٹر پینٹ مرسی! امید ہے کہ آپ مجھے بیرونس پینٹ مرسی کوان کے قدیم نام کسیٹ سے پکارنے کی اجازت دیں گے + میرا وقت قریب ہے۔ اب اس میں زیادہ عرصہ کے لئے انہیں اس نام سے نہیں پکار سکوں گا +

کسیٹ! آؤ بیٹی تمہاری پیشانی پر بوسہ دوں"+

کسیٹ نے اپنی خوب صورت اور کشادہ پیشانی اس کے ہونٹ پر رکھ دی۔ ولجین کے ہونٹ برف کی مانند ٹھنڈے تھے +

کسیٹ نے یکایک چونک کر پوچھا۔ "ابا جان! آپ کے ہونٹ اس قدر ٹھنڈے کیوں ہیں؟ آپ اچھے تو ہیں؟ کیا کوئی تکلیف ہے"؟

بلجین بولا "تکلیف! تکلیف کیسی؟ ـــــ نہیں تو"
کسیٹ نے پوچھا "پھر کیا ہے؟"
بلجین بولا "میں مر رہا ہوں"۔
کسیٹ اور میرئس کانپ اٹھے۔
میرئس نے گھبرا کر کہا "مر رہے ہیں!"
بلجین "ہاں! مگر اس سے کیا ہوتا ہے!!"
یہ کہہ کر اس نے ایک لمبا سانس لیا۔ پھر مسکرا کر بولا "کسیٹ۔ ابھی ابھی تم مجھ سے باتیں کر رہی تھیں۔ مجھے تمہاری آواز گلہائے فردوس کی طرح عطر بیز اور حوران ارم کے نغموں سے پیاری معلوم ہوتی تھی۔ جب تک جان گلے میں اٹک رہی ہے۔ میں وہ موہنی اور پیاری آواز سننا چاہتا ہوں۔ اس سے مجھے تسکین ہوتی ہے"۔
میرئس حیرت سے بلجین کی طرف تکنے لگا۔ اور کسیٹ نے چیخ کر کہا "ابا! ابا!! تم کیوں مرنے لگے۔ ہمارے ساتھ چلو گے"۔
بلجین نے سر اٹھا کر کہا "اوہ۔ تم مجھے مرنے سے روک رہی ہو؟ کون جانے میں بچ جاؤں۔ میں مرنے ہی کو تھا۔ کہ تم آگئیں۔ اور وقت ٹل گیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں اچھا ہو رہا ہوں"۔

میرلُس بولا "اباجان - یہ آپ کیا کہہ رہے - ابھی تو آپ بھلے چنگے ہیں + میں وثوق سے کہتا ہوں - کہ آپ ابھی نہیں مریں گے + میں آج ہی آپ کو اپنے مکان پر لے جاؤں گا - وہاں دن رات ہم لوگ آپ کی خدمت کریں گے + میں آپ کا قصوروار ہوں اب تمام عمر آپ کی خدمت کر کے اس گناہ کا کفارہ ادا کروں گا"+

بلچین نے ہنس کر کہا "مسٹر پینٹ مرسی! تم اپنے گھر لے جا کر مجھے موت کے پنجے سے چھڑا لو گے؟ نہیں مشیت ایزدی میں دم مارنے کی مجال نہیں + اب میرا مرجانا ہی اچھا ہے - میں خوب جانتا ہوں کہ میرا وقت آ پہنچا - ہاں! اب کچھ نہیں ہو سکتا + کسیٹ! تمہارا شوہر بڑا نیک ہے - تمہیں جس قدر آرام میرے ہاں ملتا تھا - سسرال میں اس سے بھی زیادہ ملے گا"+

یہ کہہ کر اُس نے کسیٹ کو سینے سے چمٹا لیا +

تھوڑی دیر بعد بلچین نے سلسلہ کلام پھر شروع کیا "کسیٹ! میرلُس!! معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ میں نے تمہیں جہیز میں دیا ہے - تم لوگ اس کو حرام کی کمائی سمجھتے ہو اور چھونا تک نہیں چاہتے + سنو - مرتے وقت کوئی جھوٹ نہیں بولتا - میں سچ کہتا

ہوں۔ وہ روپیہ میری گاڑھے پسینے کی کمائی ہے۔ تم اسے اطمینان سے استعمال میں لا سکتے ہو۔"

بلجین کی خادمہ سمجھتی تھی کہ اب میرے آقا کا بچنا محال ہے۔ ذرا سی دیر کا مہمان ہے۔ وہ آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر آئی۔ دیکھا تو بلجین کی حالت بغیر تھی۔ دھیمی آواز سے پوچھا "کسی پادری کو خبر کروں؟"

بلجین نے اپنے سرہانے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "پادری صاحب تو دیر سے آئے بیٹھے ہیں۔ وہ دیکھو!"

اسے ایسا معلوم ہوا کہ پادری کھڑا اس کے آخری وقت کا نظارہ دیکھ رہا ہے۔

کسیٹ اور میرٹس سناٹے کے عالم میں کھڑے تھے۔ دلی تکلیف کے باعث ان کے منہ سے بات تک نہ نکلتی تھی۔ یاس و حسرت کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ بلجین کی شمع زندگی آہستہ آہستہ گل ہو رہی تھی۔ سانس کی آمد و رفت میں بھی تکلیف ہونے لگی۔ موت آنکھوں میں بیٹھی نظر آتی تھی۔ چہرہ عجیب و غریب بہشتی نور سے روشن تھا۔

بلجین نے کسیٹ اور میرٹس کو اشارے سے قریب بلایا اور

نحیف آواز میں کہنے لگا۔ کیسیٹ! میرئس!! تم دونو مجھے جان سے زیادہ عزیز ہو۔ کیسیٹ! میں جانتا ہوں تم بھی مجھے پیار کرتی ہو۔ تم میرے مرنے پر روؤ گی؟ - نہیں - ہرگز نہ رونا! میں تو مر رہا ہوں - مگر جس کے ہاتھوں میں تمہیں سونپے جاتا ہوں - وہ تمہیں مجھ سے بھی زیادہ سکھ دے گا - بیرن پینٹ مرسی تمہیں پیار کرتے ہیں - میرے پاس جو کچھ تھا تمہیں دے دیا - کیونکہ تم ہی میری زندگی کا سہارا تھیں۔ کیسیٹ! میرے سرہانے دو شمع دان رکھے ہیں - وہ لے لو۔ یہ شمع دان اگرچہ چاندی کے ہیں - مگر میری نظر میں سونے اور جواہرات سے بھی زیادہ قیمتی ہیں - ان کی بتیاں دیوتاؤں کے مندر میں جلائی ہوئی ہون کی آگ کی مانند متبرک ہیں۔ کیا معلوم جس فرشتہ سیرت انسان نے یہ شمع دان مجھے عنایت کئے تھے - اس کی روح جنت میں مجھ سے خوش ہے یا نہیں - مگر مجھ سے جو خدمت کسی کی ہو سکی اس سے دریغ نہیں کیا۔ میرے بچو! کہیں یہ نہ بھول جانا کہ میں بہت غریب ہوں - میری آخری سیج پر کوئی عالیشان یادگار تعمیر کراؤ گے - تو اس سے اگلی دنیا میں میری روح کو صدمہ ہوگا۔ مجھے غریبوں کے قبرستان میں دفنانا

لوحِ تربت کے لئے پتھر کا ایک معمولی ٹکڑا کافی ہو گا + اگر کیسیٹ کبھی کبھی میری آخری آرام گاہ پر آئے گی۔ تو اس سے میری روح کو بے حد تسکین ہو گی + اب میرا آخری وقت ہے۔ اس لئے کوئی بات تم لوگوں سے پوشیدہ نہیں رکھوں گا + مسٹر پینٹ مرسی! پہلے میں تمہیں پسند نہیں کرتا تھا۔ میرا یہ قصور معاف کر دو اب کیسیٹ اور تم مجھے یکساں عزیز ہو۔ تم نے کیسیٹ کو سکھ دیا۔ اس کے لئے میں تمہارا بے حد ممنون ہوں + بیرن پینٹ مرسی۔ تمہیں کیا معلوم۔ مجھے کیسیٹ سے کس قدر الفت ہے اس کے ہونٹوں پر تبسم دیکھ کر میرا دل فرطِ انبساط سے ناچنے لگتا تھا + اگر میں کبھی اسے اداس دیکھتا تو دنیا میری آنکھوں میں تاریک ہو جاتی تھی + اُس دراز میں پانسو فرینک کا ایک نوٹ رکھا ہے۔ میں نے اُسے چھوا تک نہیں۔ وہ کیسیٹ کے لئے ہے + کیسیٹ اپنی وہ ننھی سی پوشاک پہچانتی ہو؟ دس سال کی بات ہے۔ وقت کتنی جلدی گزر جاتا ہے! کیسیٹ تمہیں مونٹ فارمل یاد ہے نا؟ تم جنگل میں سہمی کھڑی تھیں + تمہیں یاد ہے میں نے بالٹی تمہارے ہاتھ سے لے لی تھی؟ پہلے پہل اُسی وقت میں نے تمہارا ننھا سا خوب صورت ہاتھ چھوا تھا۔ آہ!

کتنا سرد تھا! تمہارے ہاتھ ٹھنڈے نیلے پڑ گئے تھے۔ اب اچھے ہو گئے ہیں۔ اور وہ بڑی گڑیا! یاد ہے نا؟ تم نے اس کا نام کیتھرائن رکھا تھا۔ افسوس کیا کرتی تھیں کہ اُسے خانقاہ میں اپنے ساتھ نہ لا سکیں۔ تم نے مجھے کتنی بار ہنسایا ہے۔ میری پیاری کیسیٹ! بچپن میں تم کس قدر خوش رہا کرتی تھیں! یہ سب بیتے ہوئے زمانے کی باتیں ہیں۔ وہ تھینارڈیار بڑا بدمعاش تھا۔ مگر کیسیٹ! اب وقت آگیا ہے۔ کہ تمہیں اپنی ماں کا نام معلوم ہو جانا چاہئے۔ اس مرحومہ کا نام فینٹائن تھا۔ اس نام کو یاد رکھنا۔ جب کبھی اس کا نام لو۔ خدا سے اس کی روح کی تسکین کے لئے دعا کرنا۔ اس بیچاری نے بڑی بڑی تکلیفیں اُٹھائیں۔ وہ تمہیں بے حد عزیز رکھتی تھی۔ اسے جتنا دکھ تھا۔ تمہیں اتنا ہی سکھ اور آرام حاصل ہے۔ تقدیر کے کرشمے عجیب ہیں۔

کیسیٹ! میرئس!! لو رخصت۔ میرا آخری وقت آن پہنچا۔ مجھے ابھی بہت کچھ کہنا تھا۔ پر جانے دو۔ مجھے بہت یاد نہ کرنا۔ آہ! نہ جانے مجھے کیا ہو رہا ہے۔ مگر ایک روشنی سی نظر آ رہی ہے۔ آؤ۔ قریب آجاؤ۔ مجھے اپنے سروں پر ہاتھ رکھنے دو۔

کیسیٹ اور میرئس بلجین کے دونوں طرف اس کے ہاتھ

کے نیچے بیٹھ گئے + بلجین کے ہاتھ پھر نہیں ہٹے ۔ وہ دونوں انہیں چومنے لگے + بلجین کا چہرہ بہشتی جلال سے منور ہو رہا تھا ۔ مگر زندگی کا چراغ گل ہو چکا تھا +

پیٹری لاس کے قبرستان میں ایک درخت کے نیچے مختلف قسم کی بیلوں ۔ سرسبز گھاس اور پتوں سے ڈھکی ہوئی ایک شکستہ قبر اب تک موجود ہے ۔ لوح تربت کی جگہ ایک معمولی پتھر رکھا ہوا ہے ۔ مدفون کا نام تک مٹ چکا ہے + کئی سال گزرے ۔ کسی نے پنسل سے اس پر مندرجہ ذیل سطور لکھ دی تھیں جو اب مینہ اور آندھی کے باعث قریب قریب مٹ چکی ہیں :-

"وہ سو رہا ہے ۔ اس کی بے درد قسمت نے کبھی اس کی یاد ری نہ کی ۔ لیکن وہ اپنی زندگی کے دن گزار گیا ۔ جب فرشتوں نے اس کی پاسبانی چھوڑ دی ۔ تو وہ مر گیا ۔ اور اس جہان سے اس طرح سفر کر گیا کہ آہ تک نہ کی جس طرح دن تھک ہار کر مر جاتا ہے اور جہان پر اندھیرا چھا جاتا ہے" +

ادبی تصانیف

نقش فرنگ

(مصنفہ قاضی عبدالغفار صاحب اڈیٹر صباح و جمہور)

قاضی صاحب ملک کے بہترین انشا پردازوں میں سے ہیں۔ آپ نے سفر یورپ سے واپس آکر اُن تاثرات کو قلمبند فرمایا۔ جو دیار فرنگ کی تاریخی یادگاروں دور حاضر کے محیر العقول تمدن اور مدبرین مغربی کی جنگ زرگری کے مناظر سے آپ کے قلب پر وارد ہوتے تھے۔ یہ کتاب "سفرنامہ" نہیں۔ بلکہ ایک ادیب کے دلاویز و دلفریب خیالات ہیں۔ جن سے دل و دماغ دونوں لذت اندوز ہوتے ہیں۔ اور پڑھنے والے کو جہاں ایک طرف تہذیب مغربی کے مناظر کا صحیح چربا نظر آجاتا ہے۔ وہاں وفد خلافت کی ناکامی مدبرین انگلستان کی عیاری۔ ترکوں کی حیات افروز بیداری کے سبق آموز حالات بھی معلوم ہوتے ہیں۔ انداز بیان اس قدر ادیبانہ اور دلکش ہے۔ کہ ختم کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ قیمت عہ

لیلیٰ یا محاصرۂ غرناطہ

انگلستان کے مشہور مصنف لارڈ لٹن کا وہ مستغنی عن التعریف تاریخی ناول جس کے چند باب کبھی جسٹس محمود مرحوم نے تہذیب الاخلاق میں ترجمہ کرنے کے بعد اسے ناتمام چھوڑ دیا تھا۔ اب سید امتیاز علی صاحب تاج بی۔ اے اڈیٹر کہکشاں نے حُسن مذاق اور نہایت احتیاط سے مکمل ترجمہ کر کے دارالاشاعت پنجاب میں چھپوایا ہے۔ ہسپانیہ میں اسلامی تہذیب و تمدن کی آخری جھلک۔ مور خاندان کے فلسفی شہنشاہ ابو عبداللہ کا حسرت ناک انجام۔ تحفظ وطن و مذہب کے لئے غرناطہ کے مرد میدان موسیٰ ابن ابی غازان کی سرگرم مساعی۔ عیسائیوں کے محکمہ احتساب کے ہولناک مظالم۔ حصول آزادی کے لئے یہودیوں کی دیوانہ وار کشمکش۔ اور مذہبوں اور سلطنتوں کی اس جدوجہد کے درمیان لیلیٰ! ایک مجنون یہودی کی معصوم دختر! جو قوم یہود کو غلامی سے نجات دلانے کے لئے پروان چڑھائی گئی تھی۔ غرناطہ کے مسلم مرد میدان کو چاہنے لگی۔ واقعات کی رَو اسے کہیں سے کہیں بہالے گئی۔ اور وہ عیسائیت کی آغوش میں جاتی ہوئی اپنے نامراد باپ کے خنجر

سے تمام ہوگئی + انداز تحریر کے شکوہ - افراد قصّہ کی سیرت کے مکمل بیان اور صحیح تاریخی واقعات اور اثر و تاثیر کے لحاظ سے ادب اُردو میں ایک حیرت انگیز اضافہ ہے - عہر

محبت نامے

یعنی میاں بیوی کے خطوط + بنگال کے ایک مشہور مصنف کی مقبول عام تصنیف - جسے پروفیسر رام سروپ کوشل ایم - آر - اے - ایس نے اُردو میں ترجمہ کیا + اس کتاب میں میاں کے خطوط بیوی کے نام - اور بیوی کے خطوط میاں کے نام درج ہیں - اور ان میں سُسرال کی زندگی کو پُر لطف اور کامیاب بنانے کے متعلق نہایت دلاویز انداز میں خیالات ظاہر کئے گئے ہیں - زبان سلیس اور شستہ - قیمت ۹ر

پریم پچیسی

ادیب فطرت نگار منشی پریم چند کی سب سے پہلی اور سب سے زیادہ مقبول تصنیف + اس کتاب میں آپ کے شروع شروع کے پچیس قصّے درج ہیں + مدت گزری یہ کتاب زمانہ پریس کانپور

میں چھپی تھی۔ اور پہلا اڈیشن تمام ہونے کے بعد کہیں سے دستیاب نہ ہوسکتی تھی۔ اب دارالاشاعت پنجاب لاہور نے نہایت حسن اہتمام کے ساتھ اسے دوبارہ چھاپ کر تیار کیا ہے +

کتابت۔ طباعت اور کاغذ کے متعلق دارالاشاعت پنجاب کی تمام مطبوعات ہی خاص شہرت رکھتی ہیں۔ یہ کتاب سلسلۂ کہکشاں میں شامل کر لی گئی ہے۔ اور اسی سلسلے کے چھوٹے سائز پر چھاپی گئی ہے۔ حصہ اول عہ۔ حصہ دوم عہ

چترا

ملک الشعرا ڈاکٹر رابندرا ناتھ ٹیگور کی شاعری پر مغرب نے ایک لاکھ روپے کا نوبل پرائز ان کو دے کر اپنی قدردانی کا ثبوت دیا ہے۔ ان کے مشہور راگ ناٹک چترا کو ابورشید عبدالمجید صاحب بٹالوی۔ اڈیٹر زمیندار نے اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ ڈراما مہا بھارت کے زمانے کا ایک مختصر و لطیف واقعہ ہے اس میں بطور تمثیل کے محبت کے حقیقی معنوں کو نہایت وضاحت اور خوبی سے بیان کیا گیا ہے۔ اور چند اوراق میں مشرق کی حقیقی روح بند کر دی گئی ہے۔ کتاب کا ایک ایک لفظ

موسیقی سے معمور ہے۔ اور نہایت حسن و خوبی سے اس کا اُردو
ترجمہ کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲/ا

شیخ حسن

روحانیات کے متعلق یہ ایک نہایت دلچسپ کتاب ہے۔
اور چشم دید واقعات پر مبنی ہے۔ دنیا میں جنوں کا وجود ہے یا نہیں؟
روحیں دُنیا میں بلائی جا سکتی ہیں یا نہیں؟ ان روحوں کو عامل
کس طرح بُلاتے ہیں؟ روحوں کے اقتدار میں کیا کچھ ہے؟ ان
سب باتوں کا اس کتاب میں ذکر ہے۔ شیخ حسن کی دردناک
داستان اور رشیدہ کا الم ناک انجام آنکھوں میں آنسو بھر لاتا
ہے۔ عالم ارواح کا بیان بدن کے رونگٹے کھڑے کرتا ہے۔
اور مصطفےٰ اور علی دونوں بھائیوں کے کیرکٹر اس قدر عمیق۔
مکمل اور دلچسپ ہیں۔ کہ بہت کم اُردو ناولوں میں بیان کئے
گئے ہوں گے۔ قیمت ۱۲/ا

خیالستان

سید سجاد حیدر صاحب بی۔ اے کا نام نامی آج محتاج تعارف